افغانستان میں میرے اکیس برس

جلد اوّل

عبرت خیز و حیرت انگیز

انقلاب افغانستان

(و)

خدمات و فتوحات شاہِ غازی محمد نادر خاں

از روے

مشاہدات و معاملات ذاتی

محمد حسین خاں بی اے (علیگ) سابق ڈائرکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن افغانستان

بستی نو۔ جالندھر

Printed by Keshab Chandar Handa B. A.
at the Handa Electric Press, Jullundur City

فہرست

فہرست تصاویر

شمار		صفحہ
	کے عہد میں وزرا اور اکابر تھے اور بعض اب بھی ہیں۔	۲۲۰
۱۲	اعلیحضرت محمد نادر خان شروع بادشاہی میں جلوس کے مظاہرات کو شرف شمولیت بخشتے ہیں جنمیں ایک مجلس امدادیہ ملی تھی جو ملت سے بہت سی امداد دولت کیلئے جمع کرکے اب اپنا کام ختم کر چکی ہے۔ بائیں طرف ایک بہادر وزیری کھڑا ہے اسکے ساتھ محمد اکبر خان معین وزیر تجارت ہے اس کی دائیں طرف مرزا محمد خان وزیر تجارت اُسکی دائیں جانب مرزا یعقوب خان والی کابل۔ سردار شاہ ولی خان کی بائیں طرف غلام دستگیر خان امان اللہ خان کے قلعہ کا افسر۔ نوشتۂ مظاہرت کے پیچھے ٹوپی والا مرزا محمد ایوب خان وزیر مالیہ ہے دائیں طرف مرزا نوروز خان سرمنشی حضور اور اسکی دائیں جانب غلام محی الدین خان ہندی مدیر میوزیم دشن اور نیچے غلام محمد خان ہندی اور اسکی بائیں طرف ایک وزیری دلاور ہے۔ اعلیحضرت کے دائیں بائیں شاہ ولی خان اور شاہ محمود خان کھڑے ہیں۔	۲۳۰
۱۳	امان اللہ خان اور شاہ خانم (ثریا) مع چھوٹے بیٹے کے جسکی ماں کیلحاظ اُسے ولیعہد بنایا اور اپنی ماں کی پرواہ نہ کی جس نے بڑے بیٹے کو پرورش دی تھی۔ اسلئے وہ مجلس سے روتی اُٹھ گئی۔ ملت کے نزدیک جدا بے اعتباری ہوئی۔	
	ساتھ کی تصویر میں وکیلہ مفتشہ جسے بی بی خورد کہتے تھے امان اللہ خان کی سالی ہے۔ ملکہ ثریا سے بڑھکر اسکی قدر و منزلت تھی حالانکہ یہ دونو بہنیں کوئی لیاقت نہیں رکھتی تھیں۔ شاہی خاندان کی ایک خانم بیٹھی ہے جو خیالطی میں مکتب مستورات کی قابل معلمہ تھی۔	۲۳۴

تہدیہ

اس درویشانہ تحفے کے سب سے زیادہ مستحق اعلیحضرت محمد نادرخان غازی کو اس لئے سمجھتا ہوں۔ کہ میرے متعدد روابط اُنکے ساتھ رہ چکے ہیں جنکی بناء اسلامی اور ملی صدق و صفا پر تھی۔ جب آپ جنگِ استقلال میں جنوبی سرحد سے سالم و غانم لوٹے۔ تو پہلی دفعہ جناب امان اللہ خان نے میری معرفی آپکے ساتھ فرمائی۔ اگرچہ میرا سابقہ اخلاص محبوسیّت کے زمانے سے تھا۔ جو بعد میں عملی طور پر بڑھتا رہا۔

جب میں نے امان اللہ خان کی زندگی کے حالات اردو میں لکھکر اشاعت کی اجازت کیواسطے حضورِ شاہانہ میں پیش کئے تو ملاحظے کے لئے وزیر حربیہ محمد نادرخان کو دیئے گئے۔ اُنھوں نے مطالعے کے بعد بادشاہ کے سامنے اُسکی خوبی کا اظہار کیا۔ جب وزیر صاحب حربیہ قطغن و بدخشاں کے صوبے میں رئیس تنظیمیہ ہوکر گئے۔ تو انھوں نے بڑی سعی و تفحص سے ایک ضخیم کتاب تالیف کی۔ جس کی قدردانی میں نے روس میں دیکھی ہے۔ اور جہاں اُسکا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ جب اسکا مسوّدہ امان اللہ خان کے حضور میں تقدیم کیا گیا۔ تو ملاحظے کیلئے انھوں نے میرے پاس بھیجا۔ سوائے ایک دو جگہ تکرار کے اور کوئی نقص میری نظر میں نہیں آیا۔ جسکی اصلاح کر کے میں نے واپس دیدیا۔ جب یہ کتاب طبع ہوگئی۔ تو اسکی ایک جلد میرے پاس پہنچی معہ ایک خط کے، جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

اخوی عزیزم رئیس صاحب تدریسات جناب محمد حسین خان در حفظِ الٰہی باشند۔
یک جلد کتاب راہنمائے قطغن و بدخشاں کہ مجموعۂ معلومات مفیدہ آں سمت است و
آں دوست خود راشتیاقِ مطالعہ ہمچناں کتب مفیدہ دیدہ ام از آں جہت یک جلد
کتاب موصوف را بطریق یادگار برائے آں دوست خود فرستادم۔ فقط ۔ محمد نادر ؎

اِس مکتوب میں مودّت کے الفاظ کا استعمال عملاً مجھپر ثابت ہوچکا تھا۔ جب ہندوستان
آتے ہوئے میں راستے میں بیمار پڑگیا۔ تو مجھے جلال آباد میں اپنے ہاں مہمان رکھکر پندرہ دن
بامروت تیمارداری کا حق ادا کیا۔ اس مہربانی اور آشنائی کی وجہ سے کابل میں مجھے فرمانے لگے ۔کہ
تم میرے گھر کے پاس سے گذر کر ہر روز اپنے کام کو جاتے ہو۔ اگر آدھ گھنٹہ پہلے روانہ ہوکر چائے
میرے ساتھ پی لیا کرو۔ تو اِس اثناء میں انگریزی پڑھ لیا کرونگا۔ جسکا مجھے شوق ہے اور ساتھ ہی
ملاقات بھی ہوجایا کریگی جسکی مجھے آرزو ہے ۔ کچھ عرصہ یہ طریقہ جاری رہا۔ ایک خلیق دوست اور
لطیف الطبع شاگرد کے کارناموں کی کتاب اگر خود اُسی کے نامِ نامی پر معنون نہ کی جائے ۔ تو
اُس سے زیادہ موزون اور کون ہوسکتا ہے ؟

جب میں مدیری مکاتب ریاستِ تدریسات پر مقرر ہوا۔ تو پہلا کام میں نے اپنے فرائض
کی ادائیگی میں یہ کیا کہ جو اصحاب معارف کی خدمات بلا غرض و طمع بڑی جدوجہد اور کامیابی سے بجا
لائے تھے ۔ اور باوجود نشاناتِ معارف کے نظامنامہ کے، برسوں کسی نے اُن کی پرواہ نہیں کی
تھی۔ اُن کی کارگزاری انجمنِ معارف میں پیش کرکے بادشاہی فرمان اور نشان حاصل کئے۔ منجملہ اُنکے
سردار محمد ہاشم خان کو ماسکو میں بھیجے گئے ۔ اور جرنیل شاہ محمود خان کو بدخشاں میں سردار سپہ سالار

محمد نادر خان خود اس محفل میں تشریف لائے، جو کابل میں تمغوں کی تقسیم کے لئے منعقد ہوئی۔ جب میں نے آپ کی خدمات اور عنایات شمار کیں جو ہمیشہ معارف پر مبذول فرماتے رہے تھے، تو آپ نے بے اختیار اُٹھکر یہ جوابدیا کہ تمہارے احسانات افغانستان پر بہت زیادہ ہیں، اور سب سے بڑھ کر اس نشان بلکہ اس سے بلند تر اعزاز و اکرام کے حقدار تم ہو۔ اِن صمیمانہ کلمات کے ساتھ آپ نے بڑے الطاف کی وضع سے خود معارف کا تمغہ میرے سینے پر لگایا +

ایسے ہی خیالات کا اظہار خلوت میں بھی آپ میری بابت فرماتے تھے۔ ان عمومی اور خصوصی ارشادات کے ثبوت میں عرض کرتا ہوں۔ کہ میں نے اکیس سال افغانستان میں بسر کئے۔ آدھے اسارت میں، آدھے نیم آزادی میں، اور ان دونو عرصوں کی خدمات سے اگر استفادہ کیا جائے تو ایک حد تک اعلیحضرت محمد نادر خان کو اور مجھے بھی مستغنی بنانے کے لئے کافی ہے۔ وزیر، رئیس، مدیر، حاکم قاضی، مفتی اور تقریباً سب عہدیدار میرے یا مکاتب کے شاگرد رہ کر میرے دینی اور ملی جذبات اور ہدایات سے متاثر ہو چکے ہیں۔ دوسرا میرے علمی و فنی خیالات سے سرکاری کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ذرا انکو ملاحظہ کر کے تعمیل میں لایا جائے۔ جس سے عرفانی نقائص دُور ہو کر بہت سے امور میں اصلاح ہو سکے گی۔ ورنہ پہلی طرح مصروفیتوں کی بھتات میں کسی کو معلوم بھی نہیں ہوگا۔ کہ کام بخوبی ہو رہا ہے یا بربادی کی طرف لئے جا رہا ہے +

انتظامی کاروبار کے سوا جسمیں دن بھر مشغول رہ کر اور خاطر خواہ کامیابی کو نہ پہنچکر دلشکنی کے سوا میری صحت کا ستیاناس ہو گیا۔ راتوں کو جاگ کر میں نے چھوٹی بڑی ۷۵ کتابیں لکھیں، جو اِن اوراق کے آخر میں درج ہیں۔ مگر امان اللہ خانی عہد میں ان سے عشر عشیر بھی فائدہ نہ اٹھایا

گیا۔ اور بیداری و ترنیہ ملّت کا یہ ذریعہ خواب خمول میں پڑا رہا۔ اب اعلیحضرت شاہ نادر خان کی منوریت و فراخدلی کو زیب دیگا یہ امر کہ اپنے مخلص دوست اور مشرّف استاد کی کتابوں کو اپنی سلطنت، مسلمانوں اور افغانوں کے لئے، بلکہ عام افادے کے واسطے پشتو، فارسی، اردو اور انگریزی میں شائع کرائیں۔ اِس بارے میں میری عاجزانہ خدمات جہاں کہیں بھی ہوں حاضر و آمادہ ہیں ؎

خدمتِ حق میکنم ہر جا بشم
یَا عِبَادِیَ اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃ

محمد حسین

عرضِ حقیقت

امیر حبیب اللہ خان کے ہندوستان آنے پر میں بیت العلوم حبیبیہ میں معلّم و مؤلف کی حیثیّت میں افغانستان گیا۔ جس جماعت میں تاریخ کا درس تالیف کر کے دیتا تھا۔ اُسکے طالب علم اکثر وزیر، سفیر اور مدیر مقرر ہوئے۔ جیسے فیض محمد خان وزیر خارجہ۔ علی محمد خان وزیر معارف۔ سلطان محمد خان سابق سفیر ترکی۔ عبدالہادی خان سابق وزیر تجارت و حال سفیر جرمنی وغیرہ۔ یہ سب کے سب رشادت و سعادت کے مالک میرے اور اُن کے درمیان محبت و احترام کا معاملہ اخلاص و عقیدت سے قائم ہوگیا۔ اسکا ایک سبب اصلاح و ترقی کا خالص شوق تھا۔ جو ملّتِ افغان کیلئے شروع سے میرے دل میں جاگزین رہا ہے۔ یہ طلبہ، اُسوقت بچّے تھے (۱۹۰۸ء) اگرچہ عبدالہادی خان نے اِسی طفولیّت میں مجالسِ مشورت پر مضمون لکھ کر مجھ سے انعام حاصل کیا تھا۔

بعض معلّم اور دربار کے نوجوان جو دوسرے ممالک کے ملازمین سے ملتے اور اخبارات پڑھتے تھے، اس امر پر متفق ہوئے کہ ایران اور ترکیہ کی طرح اپنے ملک میں بھی اصلاحات جاری کریں مگر امیر کو ساتھ متحد بنا کر، کیونکہ اُسکی روش مصلحانہ معلوم ہوتی تھی۔ جب ہم نے اعتماد الدولہ سردار عبدالقدوس خان کو اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا۔ تو اُس نے یہ کہکر انکار کیا، کہ امیر کے ظاہر و باطن میں فرق ہے، وہ درحقیقت اصلاح کا خواہاں نہیں ہے۔ چند مہینے تجاویز میں اور

"مجلس جان نثارانِ اسلام" کی جمعیت بڑھانے میں گذرے۔ اس عرصہ میں ہمارے ہی بعض مفسد اور بدطینت رفقاء نے اتہام باندھکر خفیہ خبروں سے بادشاہ کے سامنے ہمکو مخالف مشروطہ خواہ قرار دیا۔ جس پر پوری تحقیق کے بغیر اور دربار میں بلا طلب کئے، ہماری گرفتاری کا سلسلہ چھڑا۔ نو آدمی توپ، بندوق اور سنگین سے ہلاک کئے گئے۔ کئی قیدخانہ میں فنا ہوئے اور باقی گیارہ سال کے بعد اگر خود امیر حبیب اللہ خان مقتول نہ ہوتا، تو مارے گئے ہوتے۔ کیونکہ بادشاہی فیصلہ ہوچکا تھا۔ ہماری رہائی صرف حقانی تائید سے صورت پذیر ہوئی اور اسمیں ہماری سعی کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ اگرچہ پہلے مختلف طرح کی کوششیں عمل میں لاتے رہے تھے۔ چونکہ ہر شے کا اندازہ مقدر، اور ہر امر ایک خاص وقت تک مرہون ہے۔ اس سے قبل فطرت گویا ہمارے مقابلے پر ڈٹی ہوئی تھی۔ ترکیہ اور ایران کے انقلابات نے مشروطہ خواہوں کو غلبہ دے کر ہمارے بندوں کو اور سخت جکڑ دیا اور جنگِ یورپ نے بعض بادشاہوں کو صدمہ پہنچاکر ہماری آزادی کو اور ملتوی کردیا۔ بارے امیر نے ہمارے کاغذات طلب کئے۔ جب پڑھے جانے لگے۔ تو زلزلے کے ایک سخت جھٹکے نے سب کام درہم برہم کردیا۔ اور آئندہ کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ کہ ہماری بات یاد دلائے۔ حتّٰی تقدیرِ جبّاری نے خود فیصلہ فرمایا۔"

سردار محمد نادر خان ۱۹۰۳ء میں امیر کے شاہی رسالے کے کرنیل مقرر ہوئے۔ دو سال کی سرگرم خدمات بجالانے کے بعد برگڈیری کی منزل طے کرکے تین برس کی محنت اور جانفشانی کے بعد جرنیل کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ اس حیثیت میں آرک کے فوجی افسر

بھی تھے۔ جہاں ہماری قبرِ احیاء واقع تھی ۔ اپنے منصبی فرائض کو ایفا کرنے کے ساتھ ہماری ہمدردی کا حق بھی عملاً ادا کرتے رہے ، جو فی الحقیقت ایک بڑا نازک مسئلہ تھا ۔ چنانچہ ایک دفعہ عتابِ شاہی نازل ہوا ۔ پھر بھی ہر دم شہیدانِ ملّت کی خبر گیری میں ثبات جاری رکھا ۔ چار سال بعد سمت جنوبی کی بغاوت فرو کرنے کے صلے میں نائب سالاری کا رُتبہ اور سرداری کا لقب حاصل کیا ۔ ان کے احباب بادشاہ میر خان اور نظام الدین خان کی آرزو اور پیشگوئی کے مطابق جو ہمارے رفیق سجن اور آپ کے مترقی خصائل سے آگاہ تھے ۔ دو سال بعد سپہ سالاری کے مرتبۂ جلیلہ پر ممتاز ہوئے ۔ ہماری رہائی پر قسمت کے قلبِ موضوع سے سپہ سالار محمد نادر خان مع اپنے اقربا کے انہی حجروں میں مقید کئے گئے جنہیں ہم نے تخلیہ کیا تھا ۔ وہاں ہماری منزلِ بلا کا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ کیا ، جو مزید مشارکت و موالفت کا باعث ہوا ؎

جب سپہ سالار صاحب سمت جنوبی کی مہتم بالشّان مہم پر بھیجے گئے ۔ تو میں مدیرِ مکاتب مقرر ہو چکا تھا ۔ تعلیم و تنظیم کا سارا کام میں نے اِس جد و جہد سے کیا ۔ کہ بیکاریٔ حبس کی تلافی کر دی ۔ رات کو امان اللہ خان کے حضور میں رہ کر ضروری امور میں فرمان حاصل کرتا اور دن بھر مشغول رہ کر ان کو تعمیل میں لاتا[ف] ۔ جہاں سارے افغانستان میں نشرِ علم و عرفان کا اہتمام اور

ف ۵ اگر تصدیق درکار ہو ۔ تو یہ ملاحظہ کیجئے : ۔

سندِ حسنِ خدمت دولت

دریں سال فرخندہ فال (اوّل) جلوس پادشاہانہ ام (عالیجاہ عزّت و صداقت ہمراہ مولوی محمد حسین خان) کہ بخدمت پر منفخرت امور (مدیری مکاتب) دولت علیّہ افغانستان

مرکز میں اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا۔ وہاں نئے بادشاہ کے حالات سے بھی پوری آگاہی حاصل کی۔ اور اُن کو "افغان بادشاہ" میں شائع کیا۔ یہ کتاب مشکل اور ذو معنی اردو میں صرف ممدوح کی خوبیوں پر مشتمل ہے جن پر اُسکی سلطنت اور نامداری کی بنیاد پڑی تھی۔ اس کے برخلاف قلم اٹھانا بادشاہ کی زندگی اور اقتدار کی حالت میں ممکن نہیں تھا ؎

خلاف رائے سلطان رائے جُستن   بخونِ خویش باید دست شُستن

باوجود اسکے میری مانند کسی نے افغانستان میں امیر سے اختلاف رائے کا متواتر اظہار نہیں کیا۔ البتہ سچی تعریف کرتا اور جھوٹی توصیف دوسروں پر چھوڑتا۔ کارلائل نے حسرت ناک عبارت میں کہا ہے۔ کہ بعل پرستی کے دن گذر گئے! بیشک باطل کو زائل ہونا ہی تھا۔ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا۔ شکسپئیر کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اُس نے اپنے ابطال کو ہر ایک

(حاشیہ صفحہ ۹ سے آگے) ماموراست، خدمات محولہ خویش را در راہِ منافع و فوائد دین اولت ملّت و وطنِ خویش بحسن صورت و کمالِ صداقت و درایت بدرجۂ (اعلیٰ) بجا آوردہ۔ مظہر حسن رضا و توجہات پادشاہانہ ام گردید۔ خداوندِ عالم و روحانیّتِ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بجمیع امور یار و مددگارش باد۔ علیٰ ہذا از حضورِ شاہانہ ام سند حسن خدمت بانشان ذیشان آں بہ (عزّت وصداقت ہمراہ) مشارٌالیہ عطا فرمودہ شد۔ تا دست آویز حسن خدمتش بودہ بین الاماثل والاقران موجب مفخرت و عزتش باشد۔ تحریر دلیل یکشنبہ (دہم) ماہ حوت ۱۲۹۸ھ شمسی۔

دستخط امیر امان اللہ خان

کمال سے آراستہ نہیں دکھایا، بلکہ ان میں کوئی نہ کوئی نقص رکھ لیا ہے ۔ جیسا کہ حکماء نے اعتدالِ مزاج کو محال سمجھا ہے۔ انسان لہٰذا عیب سے خالی نہیں ۔ امان اللہ خان فی الواقع بہت بڑے آدمی تھے۔ مگر کوتاہیوں سے بھی بھرے ہوئے ۔ اُن کے محاسن کافی بلکہ وافی بیان کر چکا ہوں۔ اور اب معائب کی اِسلئے نوبت ہے۔ کہ تنہا روشن پہلو تاریخ کو نامکمل چھوڑتا ہے۔ جیسا اُن کی عظمت و شہرت کے اسباب معلوم ہو چکے ۔ اُن کی ذلت و زوال کے باعث بھی دریافت ہونے چاہئیں ۔

میرے بعض احباب نے کہا کہ تضاد واقع ہوگا ۔ مگر جب ایک شخص میں دو رُخ ہوں ۔ ع

از فرشتہ سرشتہ وز حیوان

تو پھر تناقض کہاں سے آیا؟ آخر آگ اور پانی سے ہی مل کر وجود بنتا ہے ۔ اکثر دوستوں نے کہا ۔ کہ اگر میں حقائق سے اغماض کر کے انقلاب کے صحیح واقعات بیان نہ کروں، تو گناہ کا مرتکب ہونگا ۔ کیونکہ ہندوستان اور افغانستان میں مجھ سے بڑھکر اس تحریر کا اور کوئی اہل نہیں ، تو ناچار بیڑا اٹھایا، امان اللہ خان کی خوبیاں شہرۂ آفاق ہوئیں اور میں نے بھی اُن کے مشہور کرنے میں حصّہ لیا ۔ ع

عالم غلام حسنِ او شد ایں کمینہ ہم

اگر یورپ کو باوجود اپنے اقتصادیوں ، سیاست شناسوں اور سیّاحوں کے ذرا بھی شُبہ ہوتا ۔ کہ افغان بادشاہ ایک سال کے اندر ہی ملک بدر ہوجائیگا ۔ تو اٹلی ۔ فرانس ۔ جرمنی ۔ انگلستان اور رُوس لاکھوں پاؤنڈ اُن کی آؤبھگت میں خرچ کر کے نہ پچھتاتے ۔ شرق و غرب نے دھوکا کھایا ۔

اور میں نے بھی یہ گمان کیا۔ کہ شاید اُن کی بُرائیاں طبیعی قاعدے سے معاف ہو جائینگی۔ ایک آدمی بد پرہیزی کرتا ہے مگر جسم میں بعض مواد موجود ہو کر کبھی مضّر غذا کے اثر کو رفع کردیتے ہیں۔ ایک بے پرواہ شخص کو وبا اگر نہیں دبوچتی، تو اِس لئے کہ اتفاقاً بدن میں متعدّی جراثیم کو قطع کرنے کے لئے ضد محکم ہوتی ہے؛

وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ تم پر کوئی مصیبت نہیں پڑتی، مگر وہ تمہارے اپنے ہاتھوں سے کسب کی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اکثر خطاؤں سے درگذر فرماتا ہے۔ امان اللہ خان کے تجاوزات سے البتہ عفو کا پیمانہ لبریز ہو گیا جو مواخذے کی باری آئی۔ اور شامتِ اعمال سے اسبابِ مصائب کے بُرے نتائج لابد ہو گئے۔ میں اُن سے واقف تھا اور حتی الوسع اُن کے ازالے میں ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔ امورِ معارف میں میری مجرّب تجاویز میں سے پانچ فیصدی پر بھی عمل نہ ہوتا۔ میری رات دن کی مشغولیّت اکثر رائیگاں جاتی۔ جاہل اور نااہل اشخاص کے ہاتھ میں فنّی اختیارات دئیے جاتے، اور مجھے انکی مدافعت میں مفید اوقات ضائع کرنے پڑتے۔ یہی حال ہر ادارے، دفتر اور محکمے میں تھا۔ میں کہتا تھا۔ کہ ملک ایک ظاہرہ قوی ہیکل مجسّمہ بن رہا ہے۔ جسکے اندر چیتھڑے ٹھونسے ہیں۔ حوادث کی ایک لات اُسے گرانے، اِدھر اُدھر بکھیرنے اور دُنیا کا مضحکہ بنانے کے لئے کافی ہے۔ آخر یہ ریا کا راوَن بھاگا۔ وہ دورنگی کا دسہرہ ٹوٹ پھوٹ کر دھواں اور راکھ ہو کر رہ گیا؛

مجھے ایک بادشاہ نے ساڑھے دس سال قید میں ڈالے رکھا۔ جہاں اڑھائی ہزار کتاب

کے مطالعے اور افغانستان کے تمام ضروری حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد جب دوسرے بادشاہ نے خدمت کا موقع بخشا۔ تو مؤثر افادت سے باز رکھا۔ رئیس تدریسات عمومی ہونے کے باوجود جو ملک بھر میں یگانہ عہدہ تھا۔ میں ویسا ہی بے دست و پا تھا۔ جیسا اعلیحضرۃ محمد نادر خان اور اُن کے برادرانِ کرام، باوصف وزارت، سفارت اور حکومت کے مناصب کے بے اختیار تھے۔ اپنی شخصی مساعی سے جو کچھ کیا گیا۔ تحریر و تقریر سے سب سے زیادہ خدمات بجا لایا۔ مگر بادشاہی پشتی سے محرومیت تھی، بلکہ مزاحمت ہوتی تھی جو کبھی ظلم و ایذا کے درجے کو پہنچ جاتی۔ پھر بھی جیسا پہلی کتاب میں، ویسا اس میں خوبیوں اور بُرائیوں کو بیان کرتے ہوئے تثبیتِ نفس سے متعمد غلط نویسی پر میں نے مطلق اقدام نہیں کیا۔ اور اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔ باہم مقابلے میں اگر ایک دوسرے کو تکلیف پہنچاؤ۔ تو اتنی ہی جتنا تمہیں دُکھ دیا گیا ہو۔ میں نے حتی المقدور عدل و ادب کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

سخت تعجب اور تاسّف کا مقام ہے، کہ بعض اہلِ ہند حقیقت سے دُور بھٹک کر علاوہ پُرانے سوءِ تفاہمات کے آئے دن نئی بھول بھلیوں میں پڑ رہے ہیں۔ ایک اخبار میں کابل کا ایک مکتوب چھپتا ہے۔ کہ اعلیحضرت محمد نادر خان کے عہد میں دکانوں، دفتروں، کارخانوں اور مجلسوں پر تورنگوں اور داکخوردوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اللہ نواز خان خارجی معلوم جو اسلام اور افغان کا دشمن ہے۔ وزیرِ دربار یا اول یاورِ حضور ہے۔ اسی طرح شاہجی والباز بڑا اختیار دار ہے۔ حالانکہ یہ دونو امان اللہ خان کے وقت جرمنوں کے

نوکر تھے ۔ اِس اخبار اور نامہ نگار کا مقصد امان اللہ خان کی حمایت ہے ۔کہ اُس نے حکومت کو غیروں کے سپرد نہیں کیا تھا ۔ اور اب یہ قبیح تبدلات درپیش ہیں ۔ ہندوستان کے باشندوں کو تورلنگ کہنا، یعنی سیاہ ٹانگوں والے جو ترکی قرم ساق کی طرح یعنی موٹی پنڈلی والے ۔ایک گندی گالی ہے ۔ اور داخور بتانا جو بزدل کا مرادف ہے ، ایسی دشنامیں ہیں ۔ جنھیں امان اللہ خانی پسند کرتے ، اُن پر حسرت کھاتے اور افغانستان میں ان کے استعمال سے عاجز آکر خود ہندوستان کے اخباروں میں اُن کو اشاعت دیتے ہیں ۔ بوالعجبی اِس سے بڑھکر کیا ہوگی ، حالانکہ ہندوستان کے کسی فردِ بشر کو بھی ایسے شنیع کلمات سُننے کے لئے تیار ، اور بُردبار نہیں ہونا چاہیئے ؎

اللہ نواز خان کو دو معنوں میں خارجیِ مسلّم کا خطاب دینا اور اسلام و افغان کا دشمن ٹھیرانا صرف اِس لئے کہ وہ افغانستان میں پیدا نہیں ہُوا ، ایسے بہتان ہیں ، جو کورانہ عداوتِ ملّی پر دلالت کرتے ہوئے سابق عہد کے طرفداروں کی قلعی کھولتے ہیں ۔ شاہجی کو والباز ۔ دارباز یعنی بازی گر پکارنا ، ایسی نفرت کا لفظ ہے ۔ جو سخت قومی بُغض و عناد کی وجہ سے قلم یا زبان پر آسکتا ہے ۔ اِن دونو اصحاب کو امان اللہ خانی عہد میں مجبوراً جرمنوں کی ملازمت اختیار کرنی پڑی ۔ اللہ نواز خان نے معارف کی قیمتی خدمات جلال آباد اور کابل میں ادا کیں ، مدیری سے محض بے سبب موقوف کیا گیا ۔ بچہ سقّا نے مہاجروں کی گرفتاری کا حکمدیا ۔ تو یہ لوگ بھاگ کر بجائے ہندوستان میں عافیّت پانے کے محمد نادر خان کے پاس پہنچے ۔ کیونکہ وہ ہندی مہاجرین کے ساتھ دلی محبت رکھتے تھے ۔ اور اسکا عملی ثبوت

دے چکے تھے ۔ اسی طرح بعض مہاجر محمد ہاشم خان اور دوسرے برادران شاہی کی معاونت پر جا حاضر ہوئے ۔ اور مشرقی و جنوبی سمتوں میں بڑی مشکلات کے زمانے میں فداکارانہ خدمات بجالائے ۔ اللہ نواز خان اور شاہجی نے وزیرستان میں پہنچکر مدہش خطرات کو برداشت کرکے افغانستان کی نجات کے لئے غازیوں کی جمعیت فراہم کی ۔ اور انہی دونوں نے بچہ سقا کی افواج کے مقابلے میں سربکف ہوکر کابل کو فتح کیا اعلیحضرت شاہ غازی محمد نادر خان نے ان جان نثاریوں کا اعتراف کرکے اُن کی قدر افزائی کی ۔ اور ملی مغائرت کو اعتنا نہ دے کر ان سے مزید خدمات لینے کا عزم کیا ۔ چنانچہ شمالی و مغربی سمتوں میں بھی اُن کے کارنامے معروف ہوئے ۔ جن کی وجہ سے سچے افغان اُنکو اپنے محسن بھائی اور محترم دوست سمجھتے ہیں ؛

ہندوستان کے اخباروں کو ذرا غور و فکر سے کام لے کر طیب و خبیث کی تمیز کرنی چاہیئے ۔ افغانستان کی موجودہ سلطنت اصلی معنوں میں اسلامی حکومت ہے ۔ جہاں حق اور صدق کا غلبہ ہے ۔ سب سے زیادہ معزز وہی ہے ، جو سب سے زیادہ متقی ہے ۔ یعنی ظاہری و باطنی قواء و حواس کو صحیح مصرف میں لاتا ہے ۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے ، کہ افغانستان کی موجودہ سلطنت ایک لحاظ سے ہندی حکومت ہے ۔ جہاں پہلی بادشاہی کی طرح اہل ہند کے ساتھ گالی گلوچ اور حقارت کا سلوک روا نہیں رکھا جاتا ۔ بلکہ بادشاہ ، وزیر اعظم اور اکثر وزراء ہندوستان میں متولد اور تربیت یافتہ ہوکر اردو جانتے ، بولتے اور اہل ہند کے ساتھ دلی الفت و مواسات رکھتے اور برتتے ہیں ۔ اس مودت و اتحاد کو استحکام و ازدیاد دینا اور گذشتہ روش کو

چھوڑ کر ایسی حقدار اور وفا شعار سلطنت کے ساتھ احترام و امداد کی معاملت کرنی چاہیئے۔ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً۔ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔
امید ہے۔ کہ تمہارے اور ان کے درمیان جن کے ساتھ دشمنی تھی۔ دوستی قائم ہو جائے۔
خدا تعالیٰ بڑا قادر ہے، اور بخشنے والا مہربان ہے ✦

حصّۂ اوّل

انقلاب اور زوالِ امان اللّٰہ خان

کے

واحد اسباب

(۱)

عنایات میں عنا و اذیٰ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰی - اے ایمان والو اپنے صدقوں کو احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے ضائع مت کرو - کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ - اس شخص کی مانند جو اپنے مال کو لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتا ہے، اور خدا اور آخر دن پر ایمان نہیں رکھتا - فَمَثَلُهٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَکَهٗ صَلْدًا - پس اسکی مثال چٹان کی سی ہے، جس پر مٹی ہو - اور اس پر مینہ برسے، اور پھر اسے چٹیل بنا کر چھوڑ جائے - لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا - جو وہ کماتے ہیں، اسمیں کسی چیز پر قدرت نہیں پاتے - وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ - اور خدا تعالے منکروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا،

قانونِ الٰہی یہ ہے، کہ جو اچھا کام کرے بشرطیکہ وقت اور موقعے کے لحاظ سے اسکی ضرورت ہو، اور اسکے افادے کی تدابیر تمام عمل میں لائی جائیں، تو اسکا اجر دہ چند بلکہ اس سے بھی زیادہ ملتا ہے، کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ - وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ - ایک دانے کی طرح جسمیں سات خوشے لگتے ہیں - ہر خوشے میں سو دانے، اور اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے دگنا بھی دیتا ہے - جس طرح پتھر پر بیج بو کر اسے سکھایا یا چڑیوں کا چوگا بنایا جاتا ہے یا حاصل خیز

زمین میں ڈالکر بیجری سے اُسے گھاس پھوس اور کانٹوں کے نیچے دبایا جاتا ہے۔ ریا اور مکر کی خیرات میں بھی اسیطرح کوئی پھل نہیں لگتا۔ اور بار آوری کی میعاد سے پہلے ہی اکارت جاتی ہے۔ یوں کوتاہ اندیشی سے مال خرچنے والے صرف نقد ہی پر نگاہ رکھکر عاقبت امور سے غافل، آخر بے بس ہوکر ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ اور خدا کی طرف سے انکو ایسی نیت ناقص کی وجہ سے کوئی رہنمائی نہیں ہوتی۔ بخلاف ان کے جو صرف خالق کی خاطر اسکی رضا جوئی کے لئے اور اپنے نفس کی مضبوطی اور خالص ارادے سے نیکی کرتے ہیں، انکو ایسے ثمرات میسر ہوتے ہیں۔ کہ ایک جہان رشک کھاتا ہے۔ ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاتِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ۔ توریت اور انجیل میں انکی تمثیل ایسی ہی بیان ہوئی ہے ؎

اس کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ اعلیٰحضرت محمد نادر خان اور اُنکے خاندان کے ارکان کے اعمال نے عجز و انکسار، صدق و صفا اور احسان بلا امتنان کے سبب بہت سے ابتلا اور آزمائشوں کے بعد ان کو ماجور و محسود بنایا۔ اور امان اللہ خان اور انکے اقران کو عارضی زمانہ سازی اور ظاہرداری سے جس نے ایک مدت تک دنیا کو دھوکے میں رکھا، استدراج کے بعد خجالت اور مذلت نصیب ہوئی۔ ایک یونانی فیلسوف نے کہا ہے۔ کہ کسی بادشاہ کی سیرت بہ نسبت لڑائیوں اور فتحوں کے اُسکے روزانہ معاملات کی جزوی باتوں سے زیادہ واضح ہوجاتی ہے سجھے اپنے دس سال کی لگاتار مشغولیتوں سے جو بار فراغت ہوئی، تو اس سلوک پر ایک نظر ڈالنے کا موقع ملا۔ جو امان اللہ خان نے خاص میری ذات کے ساتھ کیا تھا۔ اس سے اُنکی خصلت کا ایک رُخ آشکارا ہُوا۔ جسے واقعات کے رُو سے ناظرین خود ملاحظہ کرلینگے ؎

مجھے اُنہوں نے اپنے باپ کی قید سے رہا کیا جسکے لئے البتہ متشکر ہوں، مگر اتنا بتا دینا ضروری ہے، کہ میں کسی گناہ یا جرم کے سبب نہیں بلکہ ایک اصلاح اور ثواب کے کام کے باعث محبوس ہُوا تھا، جیسا کہ

مجلس جان نثاران اسلام کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایک عادل بادشاہ پر رہائی میرا حق تھا اور گرفتاری کی تلافی، نیز اس پر واجب تھی، اسلئے میں اپنی انسانیت سے ممنون ہو سکتا ہوں۔ دوسرا افتخار سے مروت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ گیارہ سال اندھیرے اور نم میں پڑے رہنا۔ جہاں اتنی مدت باوجود اسلامی ملک کے اذان کی آواز ہمارے کان میں نہیں آئی، بذات خود ایک سخت مصیبت تھی۔ پھر ابقائے صحت اور استحصال معلومات کے لئے ہزاروں روپے خرچ کرنے پڑتے، جو ہندوستان سے منگائے جاتے تھے۔ چھبیس سال کی عمر سے سینتیس برس کی عمر تک جس شخص نے مجھے صحت، عافیت، منفعت اور خدمت سے محروم کیا۔ اسکا جبیرہ ظلم کو کچھ کم کر سکتا تھا۔ مگر ظالم کے فرزند رشید کی طرف سے مجھے کیا ملا؟

پہلی عالم فریبی کی مثال یہ تھی، کہ ہمیں بندیخانہ میں ایما کیا گیا کہ ہندوستان کے اخباروں میں اپنی رہائی کے متعلق عرائض شائع کریں تاکہ انکی بنا پر ہم کو چھوڑا جائے، اور افغانستان کے لوگ یہ نہ کہیں۔ کہ اپنے باپ کے دشمنوں کو خود آزاد کر دیا ہے جس سے کوئی شبہ عائد ہو سکیگا۔ شاہانہ جلوس کے کچھ عرصہ بعد جب میں بیڑیوں اور ہتھکڑی کے ساتھ پیش ہوا، حالانکہ اور لوگ محبس ہی سے رہا کر دیئے گئے تھے تو نفرت سے فرمانے لگے "تم ہندوستانی ہو۔ اور ہم ہندوستانیوں کو درکار نہیں رکھتے۔ اسلئے اپنے وطن کو واپس جاؤ" میرے بعض احباب اور شاگردوں کے کہنے پر جو میری اسلامیت و افغانیت سے آگاہ تھے۔ بعد میں مجھے وزیر معارف کا نائب یا معاون مقرر کیا۔ یعنی کل کام میرے سپرد فرمایا کیونکہ وزیر صاحب محض برائے نام تھے۔

چونکہ میں افغان تھا۔ اسلئے مجھے مدیر مکاتب مقرر کیا۔ مگر چونکہ ہندوستانی بھی تھا۔ اسلئے ایسے وزیر کو میرا مافوق بنایا۔ جو افیون کے نشے اور عادت تنعم کی کہالت و کہولت سے کام تو کر نہیں سکتے

تھے۔ مگر خود غرض اشخاص کے اُکسانے پر اکثر امور میں مضحکہ خیز دخل دیتے۔ ایران میں رہ کر وہاں کی مشروطیت سے واقف مجلس جان نثاران اسلام میں بھی ویسی ہی آزادی کو پسند کرتے۔ مگر چونکہ خاندان عالی سے منسوب تھے۔ صرف ایک سال ہی قید میں رہ کر رہا ہو گئے۔ اب مکتب حبیبیہ میں امتحان کا وقت آیا اور طلبہ نے عرض کی۔ کہ جنگ استقلال وغیرہ کے سبب چونکہ پڑھائی پوری نہیں ہوئی۔ اسلئے انہیں بلا امتحان ہی اوپر کی جماعتوں میں ترفیع دیجائے۔ وزیر صاحب نے حکم دیا۔ کہ لڑکوں سے رائے لیکر اگر کثرت اسی طرف ہو۔ تو امتحان موقوف کیا جائے۔ میں نے کہا۔ آپنے ایک طالب علم کا قصہ سنا ہوگا۔ کہ ۲۰ ہزار پاونڈ لاٹری میں جیت کر جب کسی نے پوچھا۔ کہ اس رقم کو کیا کروگے۔ تو جواب دیا۔ کہ اپنے سکول کی عمارت خرید کر آگ لگا دونگا[۵]۔ ناچار یہ کیا گیا۔ کہ معلموں کی رائے پر طلبہ کو ترقی دی جائے۔ معزز لوگ عادی تھے کہ اپنے بچوں کو سفارش پر پاس کرائیں۔ چنانچہ وزیر صاحب نے علی احمد خان مرحوم کے بیٹے کو اسی مضمون کا خط دیا۔ سپہ سالار محمد نادر خان اسوقت سمت جنوبی میں تھے۔ اُنکے بیٹے کی بابت میں نے اُسکے بزرگوار دادا کو لکھا۔ کہ کوئی شفاعت نہیں ہونی چاہیئے۔ ورنہ ہمیشہ جماعت میں کمزور رہیگا۔ انہوں نے جیسا کہ اس خاندان کا قاعدہ ہے۔ بڑی معقولیت سے جواب دیا۔ کہ ہم اپنے بچوں کی خیر و شر کے ذمہ وار مدیر اور معلموں کو سمجھتے ہیں۔ اور کوئی مداخلت کرنا نہیں چاہتے۔ باوجود اس کے مکتب میں بڑی ابتری پھیلی۔ یہی حال عام امور عرفانی میں رہا؛

گیارہ سال پہلے جس تنخواہ پر مقرر ہو کر میں ہندوستان سے گیا تھا۔ اُسی پر دوبارہ تقرر ہوا۔

۵۔ بچہ سقا اپنے حملہ کی پہلی رات مکتب حبیبیہ کے بورڈنگ ہوس میں آگھسا۔ تو لڑکوں سے چائے طلب کی۔ اسکے بدلے میں انہوں نے اپنی درسگاہ کو آگ سے بچایا مگر یہ کہا کہ حاضری اور امتحان کے رجسٹروں کو جلا دو؛

بلکہ اس سے بھی کم پر، کیونکہ بعد میں کابلی سکّے کی قیمت گھٹ گئی۔ اور اب مجھے افغان ہونیکی وجہ سے ہندی روپیہ نہیں دیا جاتا تھا۔ جب اعلیٰحضرت محمد نادر خان کے چچا زاد بھائی محمد سلیمان خان مرحوم وزیر معارف ہوئے تو انہوں نے بڑے زور سے امان اللہ خان کے حضور میں عرض کی کہ میری قابلیت چار چند تنخواہ کی متقاضی ہے۔ مگر قبول نہ ہوئی۔ خود محمد نادر خان بھی افسوس سے کہتے، کہ میری تنخواہ بہت کم ہے۔ جب سردار حیات اللہ خان مرحوم وزیر معارف ہوئے۔ تو انہوں نے نظامنامہ کے مطابق میرے مشاہرے میں ۱۵ فیصدی زیادتی کر دی۔ کچھ مہینوں کے بعد امان اللہ خان کو اطلاع ہوگئی کیونکہ بیت المال سے لاکھوں روپیوں کے کھائے جانے کی خبر لینے کی بجائے سینکڑوں کے پیچھے پڑے رہتے۔ اشرفیوں کے لٹنے اور کوئلوں پر مُہر کی مثال اِس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے کہ حیلوں بہانوں سے مامورین کے مشاہرات میں تقلیل کی جاتی۔ جس کی تلافی مرتشی اور بڑے عہدیدار رشوت اور سرکاری روپیہ کھانے سے دس حصے زیادہ کر لیتے اور راستباز اور چھوٹے ملازم تنگدستی میں مُبتلا ہوتے۔ چنانچہ میری تنخواہ بھی گھٹا دی۔ جب برسوں کے بعد مدیر سے رئیس ہوا۔ تو خواہ نخواہ خرچ بڑھا، مگر دخل وہی رہا۔ اِسکے بعد بارہا منصب کا مسئلہ پیش ہوا۔ تو آپ فرماتے کہ آخر میں ہندوستانی ہوں۔ یہی ریاست کافی ہے۔ اور جب تنخواہ کا معاملہ تقدیم ہوتا۔ کہ میری لیاقت کے آدمی بہت زیادہ مواجب لے رہے ہیں۔ تو جواب ملتا۔ کہ میں افغان ہوں۔ حالانکہ مجھ سے کمتر قابلیت والے افغان بھی بہت زیادہ مشاہرات لے رہے تھے۔ وہی مُلا کی مثال ہے۔ کہ دوسرے سے تاوان لیتے ہوئے عصا کو کھڑا کر کے روٹیوں کا ڈھیر لگایا۔ اور خود دینا پڑا، تو چھڑی کو لٹا دیا۔

اِس پر طرفہ یہ کہ آپ خود ہی کسی عنایت کی ابتدا زبان سے کرتے اور اسکے بعد جو تقاضا کیا جاتا تو

بُرا مناتے۔ خود ہی ایک سرکاری گھر میرے رہنے کو دیا۔ جو ایک سال کے بعد اُسکے اصلی مالک کو واپس کر دیا۔ بہت لیت و لعل کے بعد پھر ایک پُرانا گھر عطا فرمایا جسکی بابت ذات شاہانہ سے چار پانچ دفعہ گفت و شنید ہوئی۔ اور سخت کلامی تک نوبت پہنچی۔ کیونکہ پڑوسی اُسکے گرنے سے ڈرتے اور سرکاری ملکیت ہونیکی وجہ سے میں اُس کی مرمت نہیں کر سکتا تھا جس پر ہزاروں روپے خرچ آتے۔ سردار محمد سلیمان خان مرحوم وزیر معارف کی تجویز پر فرمایا۔ دو تین جگہ اراضی دیکھکر اُن کی فہرست پیش کرو۔ کسی موقع پر پانچ چھ گھنٹے ہمیں کام اکٹھے کرنا پڑا جس کے بعد میں نے اُنکی فہرست پیش کی۔ تو فرمانے لگے کہ جونسی چاہو۔ ان میں سے لے لو۔ یہ بھی آپ کی خصلت تھی جسکو ہر شخص پہچان گیا تھا۔ مثلاً کسی نے کوئی اچھا کام کیا۔ تو دسترخوان پر سے اپنے سامنے کا کھانا اُسے دیدیا۔ مگر یہ وضع ایک دو دن بمشکل دوام کرتی۔ کسی شاعر نے قصیدہ پڑھا۔ تو بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ اسے انعام دیا جائے۔ وہ خزانے پہنچا، تو کسی نے اس حکم کی تعمیل نہ کی۔ پھر دربار میں حاضر ہوا۔ تو بادشاہ نے کہا کہ کچھ باتوں سے تم نے مجھے خوش کر دیا تھا۔ ایک بات سے میں نے تمہیں خوش کر دیا۔ اسی طرح امان اللہ خان نے بڑی مہر و محبت سے فرمایا۔ کہ ان تینوں زمینوں میں سے جونسی بھی چاہو، لے لو۔ مگر اس پر عمل نہ ہوا۔ پھر ایک اور جگہ تجویز کی، تو فرمانے لگے، کہ اسمیں پانی کم ہے، میں چاہتا ہوں ایسی زمین لو۔ جس سے خوش ہو۔ میں نے ایک باغ کے متعلق کہا، کہ میری خوشی اس میں ہے۔ تو ارشاد ہوا۔ یہ کسی اور مطلب کے واسطے رکھا ہوا ہے۔ کوئی اور پسند کر لو۔ لیت و لعل دیکھکر اور اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ کا کوئی پاس نہ پاکر میں نے قصد کر لیا، کہ زمین کے بغیر گذارہ کرنا اس ذلت کے معاملہ سے بہتر ہے مگر وزیر صاحب محمد سلیمان خان مرحوم نے خود یاد دلایا، تو آپ ذرا غور کر کے فرمانے لگے، کہ فلاں جگہ

مناسب ہے۔ یہ لے لو، یہ "بے غل و غش ہے" اس کلمے کو دو دفعہ دہرایا یعنی اسمیں کوئی نقص اور خلل نہیں ہے۔ جب میں دوسرے دن اس زمین کی طرف روانہ ہوا، تو راستہ میں آپکا منشی ملا، جو کہنے لگا کہ وہ زمین اعلیحضرت نے مجھے بخشدی ہے، اسمیں ایک ابتدائی مکتب ہے، وہ وہاں سے جلد نکلوائیے۔ میں اپنا سامنہ لیکر واپس لوٹا۔ اور میرے دل میں آیا کہ ایسے جھوٹے شخص کو سخت باتیں سناؤں مگر یہ خیال مانع ہوا کہ لینے کے دینے پڑ جائینگے، کہیں زمین کے بدلے جان ہی نہ جائے، پھر بھی میں نے حاضر دربار ہو کر طعنہ دیا تو آپ اپنی عادت کے بموجب پھر اور وعدے دینے لگے :

ایک بادشاہ کے وزیر نے کسی گفتگو کے اثنا میں کہا، کہ ہمارے علاقے میں انچ انچ بھر لمبے گیہوں ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے تعجب سے سنکر گویا اُسے قبول نہ کیا۔ دوسرے برس وزیر نے وہ گیہوں پیش کئے تو بادشاہ نے کہا کہ ایسی بات کیوں کہی جائے جو سال بھر مشتبہ رہ کر پھر تصدیق پائے۔ حدیث میں ہے۔ کہ تین آدمی مغفرت سے محروم رہینگے۔ گدائے متکبر، پیر زانی اور جھوٹا بادشاہ :

ڈیڑھ سال میں خاموش رہا۔ جب سردار حیات اللہ خان مرحوم وزیر معارف ہوئے۔ تو اُنہوں نے کہہ سنکر گھر اور زمین کے لئے فرمان لے دیا۔ یہ زمین ادنے درجے کی اور بکھری ہوئی حالتمیں تھی۔ اسمیں سے آدھی بیچ کر میں نے ۴ ہزار روپیہ ہندوستان بھیجا تا کہ یہاں ایک اپنی زمین فک الرہن کراؤں۔ اعلیحضرت پر یہ امر شاق تھا کہ کوئی شخص افغانستان سے روپیہ باہر بھیجے، چنانچہ ایک بوڑھے ملائے رومی کے چند سو پاؤنڈ چرائے گئے۔ تو آپ شیخی بگھارنے لگے کہ افغانستان کا روپیہ دوسرے ملک میں جانا آسان نہیں، حالانکہ ممکن ہے کہ وہ چور ہی وہاں لے گئے ہوں۔ مجھپر جاسوس مقرر کئے کہ دریافت کریں، میں نے ہندوستان روپیہ کس لئے بھیجا ہے، ان میں سے ایک میرا خیر خواہ تھا جس نے لکھدیا کہ تنخواہ کی کمی کے سبب مال سوداگری باہر سے منگوایا ہے تا کہ اُسکے نفع سے کفاف خانہ ہو :

جب میں نے اپنا پرانا گھر بیچدیا تاکہ اُسکی بجائے کوئی اچھا مکان خریدوں، تو پھر عتاب آمیز کلمے سنے جانے لگے۔ یعنی شک ہوا کہ میں نے روپیہ ہندوستان بھیجا ہوگا۔ ملی نقطۂ نظر سے یہ اشتباہ بجا ہو سکتا تھا اگر اعلیحضرۃ خود اس سے بدتر عمل میں گنہگار ثابت نہ ہوتے۔ جب آپ کروڑ ڈیڑھ کروڑ روپے کے زر و جواہر لے کر وطنِ عزیز سے بھاگ نکلے تو معلوم ہوا، کہ پہلے بھی یورپ کے بنکوں میں لاکھوں پاؤنڈ اپنے نام جمع کرائے تھے۔ ایک یورپین تاجر جسے البتہ ان باتوں کی اطلاع تھی، کہنے لگا کہ امان اللہ خان کے اس غبن سے اُسکی ساری شہرت خاک میں مل جاتی ہے۔ ایک انگریزی میم کہنے لگی کہ ملتِ افغان کو چاہیئے کہ جسطرح بھی ہوسکے خواہ بادشاہ بنا کر امان اللہ خان کو واپس بلائیں اور اس سے سب اندوختہ واپس لیکر پھر تہیدست نکالدیں۔ میری مانند آپکا مولد اور آپکے رشتہ دار ہزاروں کی تعداد میں سکنہ ہندوستان نہیں تھے، اگر میں نے چند ہزار روپیہ بھیجدیا، تو اپنا مقدم فرض ادا کیا۔ مگر آپکا اتنا خزانہ پہلے سے باہر رکھنا، اور پھر اپنے ساتھ لے جانا بدنیتی اور نفاق پر دلالت کرتا ہے جس ملت پر آپکو عشق کا دعوٰی تھا، اس سے پیسہ پیسہ فراہم کیا ہوا مال جو اس ملک کی ترقی کیلئے تھا جسکی سرزمین کو رنگین بنانے کے لئے آپ اپنا خون ٹپکانے کا ہمیشہ دم بھرتے تھے، اپنے عیش و عشرت کیلئے دبا کر لے جانا البتہ فاسد ارادت اور منافقت کا ثبوت ہے:

آپنے ایک دفعہ صائب اصفہانی کے قصیدہ کابل کے مطلع پر ؎

خوشا عشرت سرِ کابل و دامانِ کہسارش   کہ ناخن برد لِ گل میزند مژگانِ ہر خارش

یہ کہا ؎ شدم یکبارگی با مال و جان از دل گرفتارش   دہم خونِ عزیزِ خویش تا سازم چو گلزارش

مینے عرض کیا کہ دونو مصرعوں میں سکتہ ہے، تو مصر کے اخبار چہرہ نما کے مدیر نے "یکبارگی" اور "چو" اصلاح کے طور پر پیش کئے مگر آپنے فرمایا کہ انکے بغیر ہی خوب ہے۔ اپنے غلط شعر کو نادانی سے صحیح کہے جانا، شاید اس لئے تھا کہ

اس کے لفظوں کی طرح معنوں میں بھی خطا کا ارادہ تھا۔ اپنے مال، جان، دل اور خون کی بجائے بیت المال کا ایک حصہ اپنے ساتھ لے گئے۔ باقی تباہی کے حوالے کرتے گئے؛

اپنے ایک چچازاد لڑکے محمد حسن خان کو بھی ساتھ لے بھاگے۔ اور اسکے بھائی محمد حسین خان کو چھوڑتے گئے تاکہ اپنے باپ کے ساتھ سقوی قید میں آفتیں جھیلے۔ ایک کو شاید اسلئے رعایت ملی کہ اپنی سگی بہن اُسکی منکوحہ بنادی تھی مگر شاہ ولی خان اور علی احمد خان مرحوم کی بیویاں بھی تو آپ کی سگی بہنیں تھیں۔ اُنکی کیوں خبر نہ لی۔ علاوہ بر آں پھر اُسکو مصاحب بنا کر وزارت کا رتبہ اور سکونت کیلئے چہل ستون کا بلند منظر محل عطا کیا۔ حالانکہ اُسکا بھائی باوجود اسکی نسبت بہت زیادہ قابلیت کے اگرچہ دونو چوتھی جماعت کے طالب علم تھے۔ مدیر اور میرے ہی گھر میں ٹھہرا رہا جو اُنہوں نے خریدا تھا۔ میں نے اسکی بجائے اور سرکاری گھر تلاش کئے جو بیچے جارہے تھے۔ آخر ایک مکان کی قیمت ٹھہرائی گئی اور بیعنامہ لکھا گیا۔ پھر امان اللہ خان کو اطلاع ہوئی، تو حکم ہوا۔ کہ یہ جگہ سرکاری ضروریات کے لئے ہے۔ نہ بیچی جائے۔ مگر دوسرے دن وہ قوماندانِ طیارہ کو بخشدی۔ اِس سے قارئینِ کتاب کو اتنا تو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ ایک بادشاہ ایک ملازم کے ذاتی امور میں اتنی متواتر اور بیجا کاوش کرے تو اُسے سلطنت کی معظمات میں متفکر اور مصروف ہونیکی فرصت کہاں سے ملتی ہو گی۔ اسی میں ایک بھید پوشیدہ تھا، آپ کی بربادی کا۔ جزوی باتوں میں منہمک رہنے سے حکام نے دن دہاڑے اور رہزنوں نے رات کو بلکہ دونو نے شب و روز خلقتِ خدا میں اندھا دھند لوٹ مچادی۔ یہانتک کہ سب کے سب تنگ آ گئے۔ اور امان اللہ خان کے نام سے بیزار ہو گئے +

(۲)
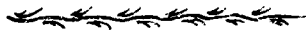
مذاقِ بے علمی

نادلؒ جہادِ اکبر و اصغر؎ جسمیں علاوہ وزیر اکبر خان کے زمانے کی لڑائیوں کے افغانستان کی عام حالت اور مختلف اقوام کی رسم و رواج دلچسپ پیرایوں میں مرقوم تھی، میں نے بندیخانے میں اپنے رفقاء کی ضیافتِ طبع کے لئے لکھی تھی۔ چونکہ اسمیں سیاسی اور شاہی خاندان کی باتیں بھی تھیں، مناسب معلوم ہوا کہ امان اللہ خان سے اسکے طبع کے بارے میں استیذان کر لوں۔ انہوں نے ذرا تامل کے بعد فرمایا۔ کہ سردار محمد کبیر خان کو مطالعے کیلئے دی جائے۔ مجھے بہت تعجب ہوا، مگر قبل از وقوع کسی رائے کا اظہار مصلحت نہ سمجھکر میں خاموش رہا۔ جب کچھ مدت کے بعد وہ کتاب مع شاہزادانہ رائے کے واپس ملی، جو ایسی فارسی میں لکھی تھی۔ کہ املا اور انشا میں ایک ابتدائی متعلم کا مضحکہ بنتی۔ تو میں نے ایک موقعہ پر کبیر جان کو کہا کہ تم نہ کسی مکتب میں پڑھے ہو، نہ کسی لائق معلم سے تمہیں ان ادبی، تاریخی، مذہبی اور سیاسی امور کی کہاں واقفیت تھی، جو اس کتاب میں مندرج ہیں۔ تم تو اسکو پڑھنے کے قابل نہیں ہو، چہ جائیکہ سمجھنے کے، پھر مخالف رائے کیوں لکھی؟ چونکہ خلوت تھی اسلئے سوائے معذرت کے اُسے کچھ نہ سُوجھا؛

مجھے افسوس ہوا کہ امان اللہ خان نے ایک علمی چیز کو ایک جاہل کے پاس تقریظ کیلئے کیوں بھیجا۔ پھر یہ خیال آیا کہ وہ شخص افغانستان کے شفاخانوں کا افسر ہے، جہاں ہندوستان کے ڈاکٹروں کو حقارت میں رکھکر جرمنوں، اطالویوں اور ترکوں کو ان سے چوگنی تنخواہیں دیجاتی ہیں۔ وہ بدرجہا زیادہ ناموزوں ہے۔ انکی

افسری کے لئے جسکی ایک مثال بیان کیجاتی ہے :-

چار پانچ جرمن ڈاکٹر روس کی راہ سے کابل میں آئے، انمیں سے ایک نے عرض کی کہ میں اپنی قرارداد کی رُو سے مرکزی شفاخانہ میں رکھے جانیکا مستحق ہوں اور مجھے باہر لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ میں اپنی سندات کے لحاظ سے سب سے زیادہ حاذق ہوں۔ جواب ملا کہ میرے مشاہدے میں تم لائق نہیں اُترے۔ کیونکہ تمہیں میں نے ہنستے کبھی نہیں دیکھا! پہلے تو وہ یہ نکتہ سمجھا ہی نہیں۔ پھر متحیر ہو کر کہنے لگا۔ کہ سرحد سے گذرتے ہوئے تقریباً ہر مسافر کو سخت ملیریا کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ میں ابتک اسمیں مبتلا ہوں اور میری عورت ہرات ہی میں دفن کی گئی۔ اسلئے ہنسنے کی بجائے موجودہ حالتمیں رونا میرے زیادہ مناسب حال ہے۔ ڈاکٹری کا یہ نیا معیار افغانستان میں معمول تھا اور اسکی وجہ یہ تھی کہ امان اللہ خان اپنے سابق بادشاہوں سے سبقت لے جاکر شہزادوں سے اُنکی تنخواہ کے بدلے کام لیتے تھے۔ البتہ وہ کام چاہیئے تھا۔ جسکے وہ اہل ہوتے اور یورپین ڈاکٹروں کی آمری ہی موزوں دکھائی دی۔ اسی سلسلے میں میری کتاب پر رائے زنی بھی ایک نرالا فعل نہیں تھا!

سینما اور تھیٹر کا رئیس مولوی احمد شاہ خان بی۔ اے تھا، جسے ہمارے معلموں میں سے منتخب کیا تھا میں نے عرض کیا کہ اس نے ریاضی کے دونو کورس پاس کئے ہیں، ویسا علم آسانی سے ملتا نہیں اُسکی جماعتیں خراب ہو رہی ہیں مگر شاہانہ معلومات بھی اتنی نہیں تھیں۔ کہ بوریا، بافت اور حریر بُننے والے میں تمیز کر سکتیں اور امان اللہ خان کی عادت تھی کہ ہر کام میں خود دخل دیتے! اور کسی کی صلاح کو نہ مانتے۔ اگر سردار کبیر جان کو سینما وغیرہ کی ریاست پر مقرر کر دیتے۔ تو کیسا اچھا تقرر ہوتا ۔

ایک دفعہ سردار ممدوح نے وزارتِ معارف سے استفسار کیا کہ اسسٹنٹ سرجن بڑا ہوتا ہے یا سب اسسٹنٹ سرجن؟ البتہ بولنے اور لکھنے میں تو دوسرا ہی پہلے سے بڑا ہے! میں نے اپنے علم کے مطابق

ڈاکٹروں کے درجات میں تفاوت بیان کر دیا۔ اور ساتھ ہی یہ تجویز کی کہ ہندوستان سے کوئی شفاخانوں کی کتاب منگوا کر اسکا ترجمہ کرایا جائے، جو مدیر مختار طبیّہ کی رہنمائی کے لئے اسکے پاس رہے۔ آخر اس پر عمل ہوا۔ اور تکلیف بھی مجھے ہی دی گئی۔ کہ پنجاب میڈیکل مینوئل کا ترجمہ کرا کے اسکی اصلاح خود کروں، اور اُسکی صحت کا ذمہ وار بھی بنوں، چونکہ نہ صرف مفید بلکہ دولت کیلئے ایک ضروری کام تھا۔ اسلئے میں نے یہ زحمت گوارا کی۔ یہ ترجمہ مدیریت طبیّہ میں موجود ہونا چاہیئے۔ اس سے استفادہ کرنا حکومت حاضر کا وجیبہ ہے :

جب میں نے امان اللہ خان کی شروع سلطنت کی تاریخ لکھکر حضور میں تقدیم کی، تو اس واقعے کو واضح کر دیا کہ پہلے آپ نے کبیر جان جیسے کم علم آدمی کو میری کتاب کی تنقید کے لئے پسند فرمایا تھا۔ اب کسی بہتر شخص کو انتخاب کریں، تو غصے میں جواب دیا کہ ہر شخص اپنے کام کو اچھا جانتا ہے۔ ان کے ارشاد کے بغیر ہی مجھے معلوم تھا کہ ہر انسان پر اپنے فرزند کو جمال اور اپنی عقل کو کمال کی حالت میں دیکھنے کا التزام ہے، مگر مجھے نہ تو اپنے بیٹوں کی معمولی شکل سے انکار ہوا۔ اور نہ ہی اپنی عقل پر افتخار، جس سے طبعزادہ کامل نظر آتا۔ دوبارہ عرض کرنے پر سپہ سالار صاحب غازی کو وہ کتاب دی گئی۔ جب انہوں نے مطالعہ کے بعد اُسکی تعریف کی، تو وزیر معارف کو حکم ہوا۔ کہ مجھے اسکے ہندوستان میں طبع کرنیکے لئے روپیہ قرض دیا جائے (جو میں نے ادا کرنے کے بوجھ سے گھبرا کر نہیں لیا) اور یہ اعلان کیا جائے کہ اگر کوئی شاہانہ وقائع فارسی میں لکھے، تو اُسے آٹھ ہزار روپیہ کا بلی انعام دیا جائیگا :

اس اشتہار کی میعاد میں ایک مہینہ رہ گیا اور میں نے دریافت کیا تو کسی نے بھی کچھ نہیں لکھا تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ میری نسبت یہ گمان کرینگے کہ اپنے ہندوستانیوں کیلئے تو اردو میں کتاب لکھی مگر افغانوں کی پرواہ نہ کی۔ ایک مہینے میں اسی اردو کتاب کا کم و بیش ترجمہ فارسی میں کر کے روز معیّن پر پیش کر دیا۔ ایک سال گذر گیا

اور باوجود تقاضوں کے وہ کتاب بیکار پڑی رہی۔ آخر اعلیحضرت فرمانے لگے کہ وہ تو کھو گئی اور جس نے ضائع کی ہے تحقیق کرکے اُسے سزا دونگا۔ دارالتحریر شاہی سے چوری بھی کئی مہینے بے سراغ رہی تو میں نے منشی حضور کو یاد دلایا، اُس نے کہا کہ میں چند کاتب دیتا ہوں، وہ اور کتاب نقل کرلیں ورنہ میرا کوئی آدمی قید میں پڑ جائیگا اور میری بدنامی ہوگی۔ میں نے کہا کہ وہی ایک تحریر تھی، اسکی نقل میرے پاس نہیں ہے تو اسکے الحاح پر میں نے از سر نو اسی کتاب کو لکھنا شروع کیا اور بڑی محنت کے بعد ختم کرکے پھر حضور میں پیش کی تو دو سال گذر گئے آخر وزیر معارف کے عرض کرنے پر ایک مجلس منعقد کرنیکا حکم دیا۔ جس کے سب ارکان نے اس کتاب کو ملاحظہ کرکے تفصیل کے درجے میں اپنی رائیں قلمبند کیں جو "افغان بادشاہ" کے اخیر میں درج ہیں کابل کے بہترین عالم یہی اشخاص تھے۔ پھر بھی اُن کے فیصلے پر عمل نہ ہوا۔

ڈھائی سال کے بعد جب وزیر معارف فیض محمد خان نے بہت تعریف و توصیف کے ساتھ اِس کتاب کی یاددہانی کی تو آٹھ ہزار روپے کا انعام عطا کیا گیا۔ میں نے فرمان خزانے بھیجکر روپیہ منگوالیا، اور اُسے معارف کے خزانچی کے پاس امانت رکھدیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس سے طلب کیا تو وہ کہنے لگا کہ فرمان واپس حضور میں منگایا گیا اور روپیہ بھی معطل کرنے کا حکم ہوا ہے۔ یہ کارروائی ایسی پنہان ہوئی کہ مجھے کوئی وجہ معلوم نہ ہوسکی کہ کیوں یہ عجیب تغیر پیش آیا۔ میں نے کہنا شروع کیا کہ چھوٹے پیمانے پر سلطان محمود غزنوی کے قصّے کا اعادہ ہوا ہے اور آئیں فردوسی کیطرح میری بدنامی کوئی نہیں، کچھ مدت کے بعد دوسرا فرمان شرف صدور لایا۔ جسمیں انعام کی بجائے صرف بخشش کا ذکر تھا۔ میں یقینی نہیں کہہ سکتا مگر یہ تبدل شاید اسلئے کیا گیا، کہ انعام میں ایک شخص زیادہ مورد احسان نہیں ہوتا، اور بخشش سے اُسے سراپا زیر منت رہنا پڑتا ہے۔ مگر روپیہ معطل کرنے میں سوائے بدعہدی کی نیت کے اور کیا غرض ہوسکتی تھی، پہلی کتاب کی چوری بھی شاید ڈھکوسلا تھا۔

یہ ذاتی امور ہیں اور انکے ساتھ عام دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے، مگر ان سے ایک شخص کی سیرت پر روشنی پڑتی ہے، جو باوجود اپنی غفلت، خطا، ریا اور شکست کے اب بھی بڑا آدمی سمجھا جاتا ہے، جسمیں کوئی شک نہیں کہ ایک حدتک تھا۔ مگر لارڈ نیلسن کی طرح بڑائی اور چھوٹائی دونو ایک وجود میں موجود تھی۔ یہ باتیں میں نے "افغان بادشاہ" میں کیوں شائع نہیں کیں حالانکہ اسی کتاب کے تذکرے میں امان اللہ خان نے مجھسے کہا تھا کہ تم اپنے ایمان اور وجدان (کانشنس) سے میری بابت سچی باتیں لکھو، ورنہ لوگ کہینگے کہ امان اللہ خان کا رفیق تھا۔ اسلئے صرف اچھی چیزیں لکھدی ہیں اور برائیوں سے اعراض کیا ہے۔ یہ تو آپنے فرمایا مگر میں حیرت میں تھا کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا، صرف پشتو زبان کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرنے پر مجھے موت کا مزہ چکھانے کو تھے، جسکا ذکر اخیر میں آئیگا۔ اگر خود شخص شاہانہ کے بارہ میں کوئی راستگوئی کردوں تو پھر کیا نتیجہ ہو۔ کسی نے طبیب سے فصد کرایا، اور مرگیا۔ اسکے وارث حکیم کو برا بھلا کہنے لگے، تو وہ بولا۔ اگر فصد نہ کرتا تو پھر دیکھتے کیا ہوتا۔ امان اللہ خان کا مجھے شدید غضب میں گالیاں دینا۔ اور دو دفعہ پستول کھینچنا کیا کافی انتباہ نہیں تھا، کہ میں آئندہ ٹہلکے میں پڑتا؟ حدیث میں ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ ڈسا نہیں جاتا!

میں نے اس مخمصے کی حالتمیں امان اللہ خان کی خوبیاں تو دھڑلے سے لکھیں اور انکی برائیوں سے اغماض کیا البتہ کہہ سکتا ہوں کہ اغراق سے کام نہیں لیا۔ اگرچہ اب لوگوں کو یہی معلوم ہو، جبکہ امان اللہ خان اپنی تمام اُس شانِ درخشاں سے عاری ہیں جس نے شرق و غرب میں چھوٹے بڑے کی آنکھوںکو چندھیا دیا تھا۔ تب میں نے عیب چینی سے مجبوراً پرہیز کی اور یہ کوئی جرم نہیں ہوسکتا، اور اب جو اسپر اقدام کیا ہے، تو اول امان اللہ خان کے اپنے ارشاد کے موجب جسکا بجالانا اُسوقت مہلک تھا اور اب اُنکے لئے بھی مفید ہے۔ کیونکہ اپنے اعمال پر ایک نظر ڈالکر صدق و اخلاص کا شیوہ اختیار کرسکیں گے۔ جو انسانی سیرت کا مقدم وصف ہے۔ اِس سے بڑا فائدہ

موجودہ سلطنت کو بے، جو ان معائب و ذمائم سے احتراز کرکے سراسر حسنات سے آراستہ ہوسکیگی اور بلیات ان مصائب آلام سے محفوظ رہیگی جو گذشتہ حکومت کی غفلت اور منافقت سے اسکی بیزاری اور بغاوت کے اسباب ہوئے۔

وہی کتاب ناول "جہاد اکبر و اصغر" جو سردار کبیر جان کو پسند نہیں آئی تھی، جب جشن استقلال کی نمائش میں پیش ہوئی، تو جو مجلس کتابوں کے ملاحظے کیلئے مقرر تھی، البتہ معارف اور دوسرے طبقات کے علماء پر مشتمل تھی، اس نے اسکی بہت تحسین کی اور انعام کی مستحق قرار دی۔ سب سے اچھی کتاب پر ڈھائی سو روپیہ کابلی انعام ملتا۔ اور کبھی ایسا ہوتا کہ دو کتابیں مساوی نکلتیں، تو یہ رقم دونوں میں تقسیم کی جاتی۔ سب سے اچھے گھوڑے پر ایکہزار روپیہ معین تھا۔ حالانکہ ہر شخص ایک عمدہ گھوڑا خرید کر لا کھڑا کرسکتا اور ایک مفید کتاب تیار کرنا برگزیدہ آدمیوں کی ہزار جگر خونی کے بعد ہوسکتا تھا۔ چند سالوں کے بعد یہ عملی تشویق بھی جشن کی نمائش سے جاتی رہی اور صرف معارف کے دارالتالیف تک محدود رہ گئی، اچھا ہوا کہ گھوڑوں گدھوں والوں کے سامنے شرمانے سے مصنف لوگ چھوٹے۔

میں نے مختلف اوقات میں امان اللہ خان کو حسب الضرورت ڈیڑھ درجن کتابیں موقع کے مطابق تالیف کرکے دیں مگر انہوں نے کبھی شکریہ ادا نہ کیا۔ خیر مجھے اسکی پرواہ نہ تھی۔ مگر انہوں نے کبھی اتنا بھی کیا کہ ان میں سے کسی کتاب کے متعلق یہ فرمادیتے کہ اچھی تھی یا بری۔ اس سے مطلب برآری ہوئی یا نہیں۔ اب یہ موازنہ کیجئے۔ کہ جیسا "افغان بادشاہ" میں لکھ چکا ہوں، ہمیشہ آپکی خدمت میں بھونے ہوئے اصیل مرغ پیش کیا کرتا اور ہمیشہ ہی ان کی لذت کا ذکر کرتے کہ سوائے انکے میں اور کوئی چیز کھانا پسند نہیں کی، حتیٰ کہ دوسرے وقت کے لئے بھی انہیں رکھ چھوڑا۔ اگرچہ میرا گلا دکھتا تھا۔ پھر بھی جہاں تک ہوسکا، میں نے کھلایا۔ جب آپ یورپ تشریف لے جارہے تھے تو وہاں کے ممالک کی ضروری تاریخ تقدیم کی، تاکہ محافل اور ملاقاتوں میں کام آئے۔

جب مراجعت فرما ہوئے تو مہمانی کے طور پر میں نے نو بھونے ہوئے اصیل مرغ پیش کئے اسی دن محاذ میں
آپکے لئے گارڈن پارٹی تھی۔ جہاں آتے ہی میری طرف لپکے اور بڑی خوشی سے مرغوں کی تعریف میں
رطب اللسان ہوئے۔ اہلِ دربار وغیرہ میری طرف رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے، بلکہ بعض تو حسد سے
دشمنی پر تُل بیٹھے۔ میں بھی محیط اور ماحول کے اثرات سے مجبور تھا۔ کہ اس بادشاہی التفات پر مسرور ہوتا۔ مگر
بے اختیار خطور کرتا کہ یہ مرغے تو ہر باورچی تھوڑی سی کاریگری سے تیار کر سکتا ہے، مگر میری کتابیں خصوصاً
ممالک یورپ کی خاص تاریخ تو نادر اشخاص ہی لکھ سکیں اور وہ بھی مہینوں کی شب بیداری اور دماغی محنت کے
بعد، وہی انڈے سے چوزے کا نکلنا اور کھانے لگنا اور خود کھایا جانا زیادہ قیمتدار تھا بہ نسبت آدمی زادے
کے جو سینکڑوں مُرغ کھا کر علمی فضیلت پیدا کرتا ہے ؛

اب تماشا دیکھئے پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ امان اللہ خان اور اُنکے خاندان ذیشان کا کابل میں نام و
نشان نہیں رہتا۔ اُنکی بجائے بچہ سقا اور سید حسین بادشاہی کر رہے ہیں۔ جا بجا مرغ جنگی کے اکھاڑے جم گئے ہیں۔
اعلیٰ اصیل مرغوں کی سرگرم تلاش ہو رہی ہے، کتابیں لٹ رہی ہیں اور کوئی انکا نام نہیں لیتا، کیونکہ ملاؤں نے اعلان کر دیا ہے
کہ اگر کسی کے پاس کتاب میں بھی تصویر نکل آئے تو اُسکے گھر کو آگ لگا دی جائیگی۔ میں نے قدِ آدم گڑھا کھدا کر سب
کتب دبا دی ہیں مگر میرے مرغے آزاد پھر رہے ہیں اور اب امان اللہ خان کی بجائے انکا خریدار نائب السلطنت سید حسین آغا
ہے جو سوائے مرغوں کے کتابوں کی بابت ظاہر داری نہیں کرتا۔ اسکا ظاہر و باطن ایک ہے اگرچہ فسق و فجور ہے۔ میری بابت
یاد کرتا ہے کہ فلانے کے پاس دس دکنی مرغ ہوتے تھے اور میں نے سب اُسکے پاس بھجوا دیئے۔ کیا یہ نعم البدل تھا۔ یا
برعکس؟ اتنا اظہر من الشمس تھا کہ ریاکاری اُٹھ گئی اور اسکے عذاب میں ایسے اشخاص مسلط ہو گئے جو بعض اطوار میں امان اللہ خان
کے ہم پلہ تھے جنکو وہ چھپائے ہوئے تھے، اور یہ علانیہ دکھاتے تھے۔ مثلاً سید حسین کہتا تھا کہ امان اللہ خان نے ظاہرہ

ایک عورت روا رکھی ہے اور در پردہ دوسرے نکاح کئے ہیں، میں بغیر کسی کے ڈر کے نقارے کی چوٹ پر ایک سو بیس نکاح کرونگا۔ چنانچہ چند مہینوں میں کوہستان سے ۱۴ بیویاں کیں اور بعد میں معلوم ہوا کہ ترکستان میں بائیس اور ازدواج میں لایا؛

یہ سب تعجب اور عبرت کے مقام تھے منجملہ انکے یہ کہ بچہ سقا کی عورتیں محلات شاہی میں متبرج تھیں، جہاں ملکہ ثریا اور انکی ہمشیرہ وغیرہ رہا کرتیں، درحقیقت کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی، یا دونو عجیب باتیں تھیں۔ یہ دونو بہنیں شام میں ایک مسافر افغان کی بیٹیاں بغیر کسی اہلیت و قابلیت کے کابل کے بادشاہی محلوں کی مالک بن گئیں۔ اب انکی بجائے کوہدامن کی عورتیں پھر رہی ہیں، فرق دونو میں کچھ نہیں، شاید حقیقی اخلاق کے لحاظ سے دیہاتی نسوان بہتر ہوں اور بلاشبہ اس امر میں تو فوقیت رکھتی ہیں کہ نفاق و ریا سے بری ہیں؛

امان اللہ خان اور دوسرے شاہان عظام کے لئے جنہیں اپنی سلطنت و حشمت پر غرور ہو، بچہ سقا جیسے رذیل چور کے احمد شاہی تخت پر پورے متصرف ہونے میں ایک نکتۂ نصیحت ہے جس سے عجز بشری حاصل ہوسکتا ہے ع بندہ باید کہ حد خود داند ؎

تا نخوت سعادت بیروں رود ز مغز ش   با سگ شریک روزی کردند زاں ہما را

امان اللہ خان کے سفر یورپ سے اخباروں میں چھپ نکلا، کہ ملکہ ثریا نے پردے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ مولوی احمد جان قندھاری کا شعر تو صادق آتا تھا ؎

اگر در لندن و پاریس رویش جلوہ گر گردد   کلف بر عارض مہتاب ہدیان فرنگ افتد

مگر تحریر کی لیاقت کہاں سے حاصل ہوسکتی۔ بیگم مرحومہ بھوپال کے تاریخ نویس نے مجھسے ملکہ ثریا کی وہ کتاب طلب کی، میں نے کابل سے موجز جواب دیا کہ اسکا دستیاب ہونا ممکن نہیں۔ خود امان اللہ خان کے بارے میں

شائع ہوا تھا کہ وہ بھی افغانستان پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں، البتہ دونو لکھوا سکتے ہیں، کیونکہ بیچاری ملّت کا کافی روپیہ لے گئے ہیں جس سے مصنف استخدام کر کے جتنی جی چاہے کتابیں لکھوائیں اور چھپوائیں، ورنہ ذاتی علم و حسب میں ان رہزن مرد و زن پر بہت زیادہ برتری نہیں رکھتے جنکو قدرتِ قہاری نے عذاب کے لئے چندے تسلّط دیدیا تھا:

جیسا امان اللہ خان نے انانیت کیوجہ سے محمّد نادرخان اور انکے بھائیوں کو حکومت سے دور کر دیا تھا تاکہ انکی شہرت میں کوئی شرکت نہ کر سکے، اسیطرح انکی مستورات کو زنانہ مکاتب میں شامل نہیں کرتے تھے تاکہ شاہ خانم اور انکی بہن مفتشہ اور وکیلۂ مفتشہ کی حیثیت میں تنہا نامداری حاصل کر سکیں، جسطرح محمّد نادرخان اور انکے اقربا تمام ملک میں روشن خیالی اور پارسائی کے سبب معروف تھے۔ اور انکی خدمات سے بیحد فوائد ملّت کو پہنچ سکتے، ایسا ہی انکی مستورات میں دو کیمبرج کی اعلیٰ تعلیمیافتہ خاتونیں موجود تھیں، جن کی تعلیم و تنظیم سے مدارسِ انانیہ کو بیشمار منافع ملتے، مگر معاملہ شخصیّت کا تھا، ملّت کا اسمیں دخل کہاں؟ اسی مکر و فریب کا انجام انقلاب عقاب ہوا جسکے بعد حق حقداروں کو نصیب ہوا۔ وَیُحِقُّ اللّٰہُ الْحَقَّ بِکَلِمَاتِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ہ خدا تعالیٰ حق کو حق کر دکھاتا ہے۔ اگرچہ مجرم ناپسند کریں +
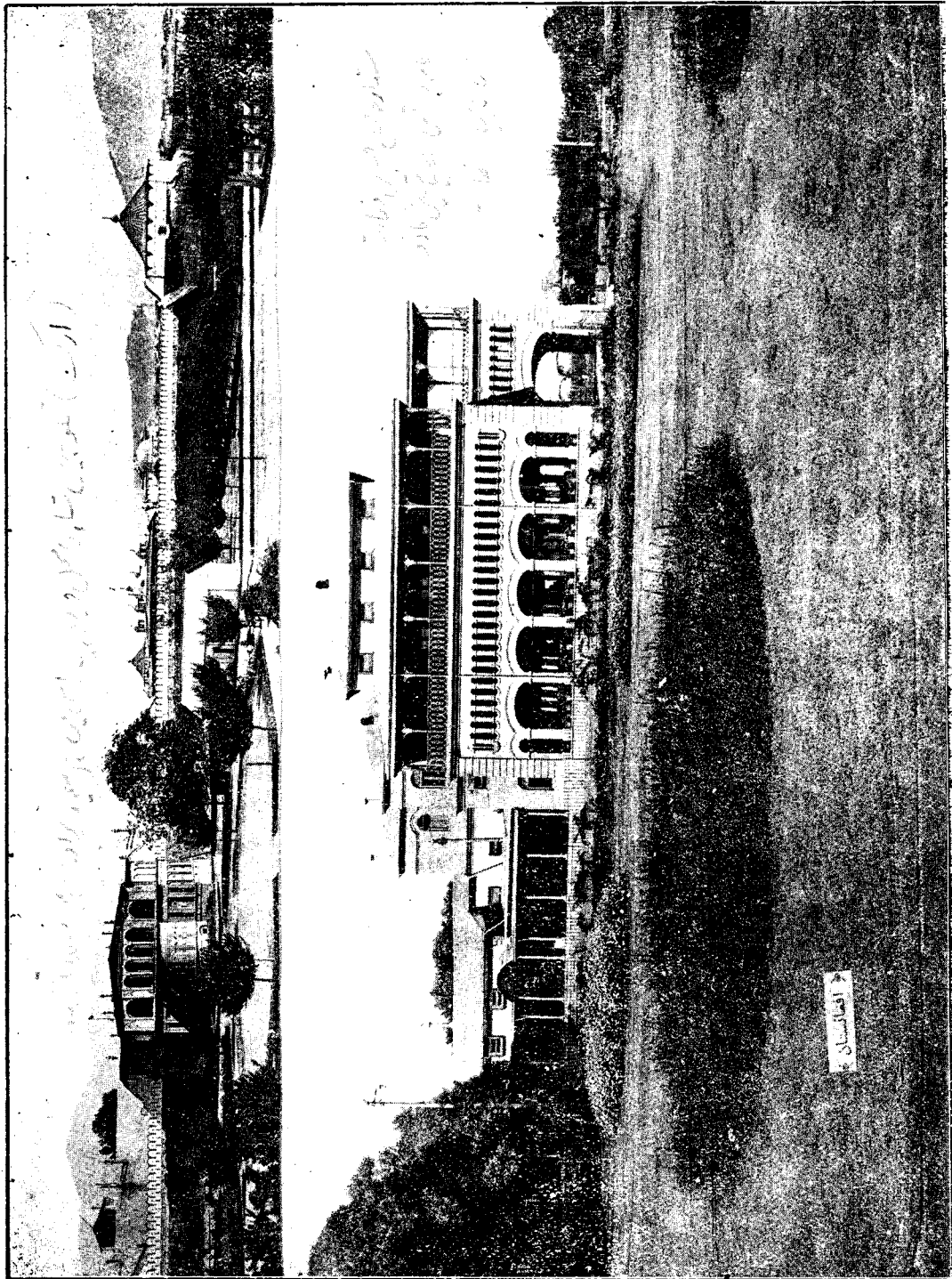
افغانستان

(۳۷)

غافل، بزدل اور بیوفا کے ساتھ وفاداری؟

امان اللہ خان کی نسبت بعض اشخاص کو اس درجہ عقیدت ہے، کہ جو لوگ اُنکے عہد میں افغانستان کے خدمتگذار تھے، اگر اب اعلیحضرت محمد نادر خان غازی کی ملازمت میں داخل ہوگئے ہیں یا اُنکے حق میں کلماتِ خیر کہتے ہیں بلکہ خود موجودہ بادشاہ بیوفا اور نمکحرام ہیں۔ دوسرے الزام کے متعلق تو خود امان اللہ خان کہا کرتے تھے کہ اگر نمکخوری کوئی حقیقت رکھتی ہے تو بہ نسبت آقا کے دکاندار کا نمک زیادہ کھایا جاتا ہے۔ سرور خان پروانی ایک کوہستانی خان تھا۔ جو امیر شیر علی خان کے وقت میں بڑی عزت اور منزلت رکھتا تھا۔ پھر اُسکا خاندان امیر عبدالرحمٰن خان کی حکومت کے ماتحت ہوگیا۔ سرور خان کی بیوی نے ایک دفعہ لونڈی کو کہا، کہ میرا نمک تجھے اندھا کرے! وہ باہر جاکر دامن میں بہت سی مٹی بھر لائی۔ اور اُسے زمین پر ڈالکر کہنے لگی، کہ تمنے امیر شیر علی خان کا اتنا نمک کھایا اور تمھاری بینائی میں اُنکا ساتھ چھوڑنے سے کوئی فرق نہ آیا۔ تو (چٹکی بھر مٹی اٹھاکر) میں اتنا سا تمھارا نمک کھانے سے اندھی ہوجاؤنگی!

ایک بلند نظر آزاد آدمی یا سچا مسلمان دین ملّت اور وطن چھوڑکر مورد ملامت ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ان تین چیزونکو زوال یا تبدل نہیں مگر ایک شخص کے حق میں ارادت با ثبات احرار کی شان کے شایاں نہیں، البتہ جب تک وہ شخص خود دین، ملّت اور ملک کا مفید و مصلح خادم ہے۔ تو لوگوں کا مخدوم ہے، جب وہ خود اس قابل نہ رہا جب اس نے خود ان تینوں امور سے رُوگردانی کی، تو دوسرے کس زمینی دلیل سے اسکے ساتھ وابستگی

قائم رکھ سکتے ہیں، چونکہ ہم لوگ نماز بے معنی پڑھنے کے عادی ہیں۔ اسلئے توجہ اسطرف منتقل نہیں ہوتی۔ یا روزمرہ کی باتیں زیادہ قابل وقعت نہیں ہتیں ورنہ ہر رات پڑھا جاتا ہے۔ نَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ۔ جس نے اے خدا تیری نافرمانی کی ہم اُسے خلع اور ترک کرتے ہیں، بادشاہ کو تخت و تاج سے خلع کیا کرتے ہیں اور عام لوگوں کو چھوڑتے ہیں۔ افغانستان میں تو واقعات نے ایسا رنگ پکڑا، کہ خود بادشاہ برطرف ہوگیا۔ اور اسکی اس بزدلانہ حرکت سے جو دو دفعہ سرزد ہوئی، اسکے نمکخواروں اور وفاداروں کو بڑی بڑی آفات کا سامنا کرنا پڑا؛

امان اللہ خان نے پہلے دیرے کی جانب سے، درپردہ بغیر کسی کے مشورہ کے اپنے صادق خدام کی بیخبری میں، راتوں رات اپنی معزولی کا فرمان لکھکر بلا استحقاق اپنے سے بڑھکر جبان بھائی کو بلا کسی کے انتخاب وصلاح کے اپنی بجائے بادشاہ مقرر کرکے، صبح سویرے پوشیدہ اور بدوں کسی کو اطلاع کئے فرار کی راہ اختیار کی۔ اب رعیت پر ان کی تابعیت کا کیا حق رہا؟ پھر بھی کیا کیا بے لطف باتیں پیش آئیں۔ ایک دلاور جرنیل جلال آباد کیطرف باوجود پیہم پریشانیوں کے ثابت قدم تھا۔ جب علی احمد خان نے اپنی بادشاہی کا اعلان کیا تو اُسے اپنی بیعت کے لئے کہا۔ جرنیل نے جوابدیا کہ ایک کی اطاعت اختیار کرنے کے بعد دوسرے کی فرمانبرداری جوانمردی نہیں ہے۔ دھمکیوں پر بھی امان اللہ خان کا ہی دم بھرتا رہا۔ یہاں تک کہ مارپیٹ کے بعد قید میں ڈالا گیا جہاں اُسے معلوم ہوا کہ امان اللہ خان تو خود تاج اتار پھینک چل دیا۔ بلکہ اُسکا بھائی بھی اُڑ گیا۔ اب بادشاہ بچہ سقا ہے یا علی احمد خان۔ بیچارہ حیرت میں تھا، البتہ امان اللہ خان کو کوستا تھا ع اوخویشتن گم است کرا رہبری کند گمراہوں کو چھوڑ کر ناچار سیدھی راہ کی تلاش کرنی پڑی، اور آخر اعلیحضرت محمد نادر خان کی بیعت میں جاکر ایسی بہادری اور فداکاری کے کام کئے، اور بعد ازاں سمت مشرقی میں ایسی انتظامی قابلیت دکھائی، کہ وزارت کے

رتبے کو نائل ہوا۔ جب یہ وفادار جرنیل وزیر ہو کر کابل میں پہنچا۔ تو اُس نے مجلس وزراء اور پھر فوج کے سامنے تقریر کی اور یہ امر بیان کیا کہ افغانستان میں لائق خدمتگذار موجود تھے، مگر ان سے کوئی کام نہ لیتا۔ اور نہ انکو خدمت کرنے دیتا۔ اب ہر کسی کو موقع دیا جاتا ہے اور یہ موجودہ سلطنت کی ترقی و استحکام کا سبب ہے البتہ پہلی حکومت اسی غفلت سے برباد ہوئی؛

ایسے بہت سے واقعات پیش آئے کہ منچلے اپنی نمک حلالی اور وفاداری کا ثبوت دیکر پچھتائے۔ مینوں کے اکھڑنے کیساتھ جب گھوڑے کی اگاڑی پچھاڑی ہی نہ رہی تو سوائے کودنے، پھاندنے، ٹھوکریں اور ٹکریں کھلے نیکلے اور کیا چارہ تھا۔ امان اللہ خان اور عنایت اللہ خان کے بھاگنے اور علی احمد خان کے لوٹے جانے کے بعد ملت واماندہ ناچار بچہ سقا اور اُسکے ڈاکوؤں کی گمراہی میں پھنسکر عذاب کے دن کاٹنے لگی، البتہ تلاطم نہیں تھی طوفان اور بھونچال پر بھلا کوئی اطمینان کرسکتا ہے۔ ہر کسی کی آنکھیں ناجی کے انتظار میں مضطرب دیکھ رہی تھیں اور جنوب کی طرف سے ایک شعاع نظر آئی جو آہستہ آہستہ روشن ہوتی سورج کیطرح درخشاں ہوگئی۔ پہلا آفتاب مشرق میں طلوع ہو کر استقلال اور قانون کی آب و تاب افغانستان کو بخش کر مگر بعد میں ظلم، تکبر، غفلت اور جہالت کے بادلوں میں چھپکر مغرب میں جا غروب ہوا؛

امان اللہ خان کے قلعہ کا افسر پکڑا اور اُسکا گھر بار لوٹا جاتا ہے۔ بچہ سقا کے دربار میں حاضر ہو کر بغیر کسی خوف و خطر کے کہتا ہے کہ میرا بادشاہ ہی بیوفا بنکر بھاگ گیا ورنہ تجھے دکھا دیتا کہ کیسا بہادر ہوں۔ اسکے بعد دوسرا بھی جس سے کچھ امید ہوئی تھی بزدلی سے ہمیں چھوڑ گیا، ورنہ پھر ہم لوگ اپنی بہادری دکھاتے، دوبارہ یہی حال قندھار میں ہوا جن لوگوں نے غیرت اور ہمت سے امان اللہ خان کی کمر سلطنت از سر نو باندھی تھی شہر اور فوج میں موجود تھے وہ ناگہاں تنہا اور بیکس رہ گئے۔ اور بچہ سقا کے دھاڑیوں نے امان اللہ خان کی وفاداری کے جرم میں

انہیں طرح طرح کی عقوبتیں دے کر مارا؛

یہاں اقبال و ادبار کا مسئلہ چھیڑتے ہیں۔ ان کلمات کے معنی ایک تاریخی اہمیت رکھتے ہیں، جو مسلمانوں کی ترقی و تنزل کیساتھ عجیب رنگ بدلتے رہے ہیں۔ غزوہ احد میں رسول اللہ صلعم نے ابو دجانہ انصاریؓ کو لڑائی میں بڑھنے کے لئے اپنی تلوار عنایت کی، جس پر یہ شعر کندہ تھا ؎

بِالْمَنِّ وَالْاِقْبَالِ مَکْرُمَۃٌ   بِالْجُبْنِ لَا یَنْجُو الْمَرْءُ مِنَ الْقَتْلِ

احسان کرنے اور آگے بڑھنے سے بزرگی ملتی ہے۔ بزدلی آدمی کو قتل سے نہیں بچاتی! اسی اقبال یعنی پیشقدمی اور آگے بڑھنے سے کیا میدان جنگ اور کیا مجالس سیاسی میں غرض تمام مقابلوں میں جن سے دنیا کا ہر شعبہ پٹا پڑا ہے عزت اور مکنت حاصل ہوتی ہے۔ انسان کا علو اور اقتدار منفرد اور مجتمع حالات میں موج کی مانند ہے، جسکی زندگی ہی اوپر چڑھنے اور آگے بڑھنے میں ہے۔ کوئی قوم ایک جگہ نہیں ٹھہر سکتی آگے بڑھیگی یا پیچھے ہٹیگی۔ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ جب رومنوں نے برطانیہ میں سدیں بنائیں تو گویا آگے بڑھنے کا خیال چھوڑ دیا۔ اسی دن سے انکا زوال شروع ہوا۔ یہی حال چین اور مصر میں ہوا؛

نوشیروان نے اپنے تخت نشینی کے جلوس میں اسلئے کہ اسکے باپ نے خورمی مذہب اختیار کرنے پر بہترین نسل پیدا کرنے کیلئے عربی عورتوں کی ضرورت پڑی تھی اور عربوں نے اسیر نوشیروان کی ماں کو جو مزدک کے ساتھ سر دربار اٹھ گئی تھی، برا بھلا کہا تھا۔ اس کینے کی بنا پر نعمان لخمی سردار کو مخاطب کیا کہ تمہارے ملک میں کوئی بادشاہ نہیں، کوئی محل نہیں، کوئی قلعہ نہیں۔ اور یہ تین چیزیں ہی ایک قوم کے فخر کا باعث ہو سکتی ہیں۔ اسلئے میں تمہارے ملک و قوم کی بابت کیا اچھے الفاظ استعمال کروں۔ جواب ملا، کہ جس قوم میں بادشاہ ہو بس وہی حر اور باقی سب غلام ہوتے ہیں جس ملک میں بادشاہ نہ ہو، وہاں ہر فرد آزاد ہوتا ہے یعنی اگر بادشاہ

کا ہونا باعثِ افتخار ہے تو ایران میں صرف ایک بادشاہ اور باقی سب غلام ہیں، اور ہم میں سب بادشاہ اور کوئی بھی غلام نہیں اسلئے ہزار درجے زیادہ فخر ہمیں حاصل ہے۔ دوسرا محل ہے جو آرام و تعیش کے لئے ہوتا ہے سو یہ مردوں کا کام نہیں، عورتوں کو زیب دیتا ہے، ہمنے جہاں خیمہ گاڑا، وہاں بسیرا کر لیا۔ باقی تمام اوقات مردانگی کے اوصاف میں بسر کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم عورتیں نہیں، مرد ہیں۔ تیسرا قلعہ ہے جو پناہ کیلئے ہوتا ہے جب خوف ہو کہ دشمن حملہ آور ہو کے ملک میں داخل ہو جائیگا۔ ہم ہمیشہ پیشقدمی کرتے اور دوسروں کے ملک میں جا گھستے ہیں اسلئے اوروں کو قلعوں کی ضرورت ہے نہ ہم کو۔ ہمارے گھوڑوں کی زینیں ہمارے قلعے ہیں، جو ہمیں غیروں کے علاقوں میں لیجاتی ہیں۔ اِسلئے یہ فخر بھی ہمیں پر عاید ہوتا ہے۔

جیسا عجیب اتفاق ہے خود ہی حکما کی تجویز صحیح ثابت ہوئی کہ اسلامی مساوات سے جب عجمی مردوں نے عربی عورتوں سے نکاح کئے تو انکی اولاد میں بہترین عالم، عامل پیدا ہوئے۔ انکی اصولِ محاربت کے موافق قرآن مجید نے قلعوں میں بیٹھکر لڑنے کو مذموم قرار دیا۔ لَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ کفار کے دل پراگندہ ہیں۔ اِسلئے میدان میں اکٹھے نکلکر نہیں، بلکہ فصیل والے قریوں میں یا دیواروں کے پیچھے سے تمہارے ساتھ لڑتے ہیں۔

مراد یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں آگے بڑھنے کی طاقت رہی جو اقبال کے اصلی اور لغوی معنی ہیں تو حاکم رہے اور دوسرے انکے محکوم۔ جب یہ خصلت ادبار میں مبدل ہوگئی جو پیچھے ہٹنے سے عبارت ہے تو خود غلام اور دوسرے ان پر مسلط ہو گئے۔ اس اسارت اور ماتحتی کا سبب البتہ سستی، غفلت اور آرام طلبی ہوئی۔ اور اس حالتمیں لفظوں کے معنوں پر بھی اثر پڑا۔ اقبال و ادبار بابِ افعال پر آئے ہیں، اور اسکی بڑی خاصیت یہ ہے کہ اپنے لئے مفعول پیدا کر لیتا ہے اور اگر کوئی لفظ پہلے بھی متعدی بیک مفعول ہو۔ تو افعال کے وزن پر آکر

دو مفعول لے لیتا ہے یعنی اسمیں تعدی تجاوز اور جد وجہد کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ اقبال کوشش سے آگے بڑھنا اور ادبار سعی سے پیچھے ہٹنا اور دوسروں کو بھی ساتھ لے مرنا۔ اب کس اصطلاح کے رو سے ان دو نو کلموں کے یہ معنی ہوئے کہ جو شخص گھر بیٹھا ہو اور اُسے اتفاقاً مال و دولت ملجائے تو کہا جاتا ہے کہ اسکا اقبال غالب ہے۔ بلکہ جتنی بیہادہ ہمت لڑنے پر بڑا رتبہ ملے اتنا ہی اقبال کا غلبہ بتایا جاتا ہے۔ برخلاف اسکے جتنی کوشش زیادہ کیجائے اور اسمیں کامیابی کی کوئی صورت نہو، تو اسمیں ادبار کا اثر سمجھا جاتا ہے۔ اگر امیر تیمور اور رابرٹ بروس مکڑی کو چھ دفعہ گر کر ساتویں بار تانے کو مطلوب جگہ پر چپکاتے نہ دیکھتے، تو شاید ادبار کے اندیشے سے دوبارہ پھر اُٹھنے کا قصد ہی نہ کرتے۔ الغرض مسلمانوں کے زعم میں لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کے علی الرغم اور وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا کے باوجود کہ انسان کے لئے ہرگز سعی کے بغیر کچھ نہیں، اور ہر ایک شخص کیواسطے اسکے عمل کے مطابق درجے ہیں۔ سعی و عمل، اقبال و ادبار کے غلط معنوں کے اعتبار سے عبث معلوم ہونے لگے۔ حتیٰ کہ نصیب کے بھی اسی طرح غلط مراد لی گئی اور جد وجہد کے ساتھ اسکا تعلق قطع کیا گیا۔ اقبال و ادبار اچھے اور بُرے بخت کے مرادف ہوگئے۔ حالانکہ اسکے بارے میں صریح نص وارد ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ مردوں کے لئے وہ نصیب ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کیلئے وہ نصیب ہے جو وہ کمائیں نصیب اور اکتساب کے لازم و ملزوم ہونیکی تاکید کے لئے ذکور و اناث کو جدا جدا بیان کیا گیا تاکہ مرد و زن اپنی کوشش اور کمائی سے حصہ لیں اور یہی انکا علحدہ علحدہ نصیب ہے۔

اب امان اللہ خان نے میدان میں نکلنے اور آگے بڑھنے سے پرہیز کی۔ البتہ خیال ظاہر کیا، کہ بچہ سقا کے مقابلہ میں جاؤں، اور رعایا نے بھی تائید کی کہ ضرور جانا چاہیئے، مگر سسر نے کہا کہ ایک چور کے مقابلہ میں نکلنا بادشاہ کے لئے اپنی ناک کٹوانا ہے۔ اسمیں کچھ بعید بھی نہیں تھا۔ کیونکہ بچہ سقا نے کوہدامن میں اپنے رفقا

کے ساتھ بیٹھکر تجویز کی تھی کہ امان اللہ خان کی ناک کاٹ کر انہیں تمام افغانستان میں پھرایا جائیگا۔ امیر حمزہؓ کو اسسے بدتر مثلہ کا شکار ہونا پڑا۔ تو کیا اس مثال سے مسلمانوں نے لڑائیوں سے منہ موڑا۔ محمد نادر خان کے متعلق بچہ سقا اس سے زیادہ پلید خیالات کا اظہار کرتا تھا تو کیا انہوں نے ڈر کر اسی یورپ کو خیرباد نہیں کہا جسمیں امان اللہ خان نے خوف کھا کر عافیت ڈھونڈی؟ اقبال کو ہاتھ سے دیکر پہلے کابل سے بھاگے پھر قندھار سے یعنی دو دفعہ خود ادبار کو اختیار کیا اور انکا نصیب وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ ان کے مقابلہ میں پہلے بچہ سقا نے پیشقدمی کی اور اقبال کا حق ادا کر کے فتح کو نائل ہوا چونکہ اسمیں صلاحیت اور استعداد سلطنت نہیں تھی۔ جاہل مطلق اور ڈاکہ زنی کے زمانہ میں کئی آدمیوں کو جان سے مار، کتنے گھروں کو آگ لگا چکا تھا مال و منال لوٹنا اور بادشاہی عہد کے ظلم علاوہ، اسکی پہلی سرگزشت اُسے واجب القتل قرار دیتی تھی۔ بلکہ غضب خدا لعنت اور دوزخ کا مستوجب بناتی۔ ایسے سیاہ رو ظالم اور غاصب کو اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹ کرانے، پھانسی دینے اور دنیا سی نفی کرنے کی غرض سے پیشقدمی کرنا، البتہ بڑا مستحسن کام تھا۔ اور اس اقبال کے اجر میں شاہ غازی محمد نادر خان کو عزت حرمت عظمت اور سلطنت کا نصیب ہونا اس ملت کیلئے نعمت غیر مترقبہ اور نجات غیر متوقعہ تھی۔ جو امان اللہ خان کے وقت میں غفلت اور بچہ سقا کے زمانے میں جہالت کے لشکروں سے پامال ہو رہی تھی۔

اسی اقبال و ادبار کے سمجھنے سے وہ حیرت ایک حد تک رفع ہو جاتی ہے جو جہان میں ابتک پھیلی ہوئی ہے کہ ایک گمنام سقے کا بیٹا، جلا ہوں کے علاقہ کا باشندہ، ایک معمولی سپاہی، سرحدی شہروں میں چاے پکا کر بیچنے والا عادی چور اور رہزن دفعتہً اس تاج و تخت کا مالک کیونکر بن گیا۔ جسے امان اللہ خان نے حریت، تہذیب اور ترقی کے سامان سے شہرہ آفاق بنا دیا تھا۔ اسکے ابتدائی اور تمہیدی اسباب بہت ہیں مگر آخری سبب یہی بیداری اور بہادری ایک طرف اور دوسری جانب غفلت اور بزدلی ہے، ایک طرف جان کی حفاظت

جہالت کے درجے تک پہنچ گئی، دوسری طرف موت سے بے پروائی جو تھوڑے سے بھی گذر گئی تھی جب بچہ سقا نے پہلے جمعہ کے روز کابل پر دھاوا کیا تو اسکے ہراول کے آدمی شہر کے نوآباد حصے میں آپہنچے اور جھنڈا اُنکے آگے لہراتا تھا۔ اور بادشاہ اور وزراء سے لیکر کسی کو بھی اتنی بڑی حرکت کی اطلاع نہیں تھی۔ آیا اس سے بڑھکر بیخبری اور غفلت وہم و گمان میں بھی آسکتی ہے؟

امان اللہ خان کے پاس ایک دائرہ ضبط احوال (محکمہ خبر رسانی) خاص انکی ذات کے ساتھ تعلق رکھتا تھا اور اُسکے ملازم مختلف صورتوں میں تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے، ان کی اطلاعات نہ پڑھنا یا پڑھکر ان پر عمل نہ کرنا کس کا جرم تھا؟ اگر وہ صحیح اطلاعیں نہ دیتے تو انکی دروغ نویسی پر باز خواست نہ کرنا کس کا گناہ تھا؟ بیشک امان اللہ خان بیکار نہ رہتے مگر ایسے کام میں مشغولیت جو کمتر ضروری ہو اور ایسے امر سے بے اعتنائی جو نہایت لازمی ہو اسی مشغولیت کو جو بذات خود بُری چیز نہیں، اس بارے میں معیوب اور مہلک بنادیتی ہے، ایک متعلم امتحان کی تیاری میں رات کو نہیں سوتا، ورزش بالکل نہیں کرتا اور ہر وقت پڑھتا رہتا ہے، جو اچھی بات ہے۔ مگر یہی اسکو اندھا کرکے امتحان ہی کے ناقابل بنادیتی ہے۔ بادشاہ کا یاور (اے۔ڈی۔سی) عین زمان میں کابل کا نائب الحکومۃ اور ایک اور دائرہ ضبط احوال کا افسر اور اسکے ماتحت ساتھ ہی پولیس کا محکمہ خبر رسانی ان سب کو مطلق خبر نہ ہوئی اور بچہ سقا دارالسلطنت کے اندر آپہنچا اور انکی خبرداری کی یہ حالت تھی کہ راتدن کو ہستانی کھلم کھلا خبریں پہنچاتے حتیٰ کہ ایک روسی جرنیل کا آوارہ لڑکا جو مسلمان ہو گیا تھا، اور اُسے کوئی ملازمت نہیں ملتی تھی، بچہ سقا کو اطلاعیں بھی پہنچاتا اور اسکی طرف سے لڑتا بھی تھا۔

ارک مبارک (قلعہ جسمیں شاہی محلات ہیں) کے دروازے فوراً بند کیے گئے اور صبح کھولے گئے تاکہ لوگوں کو لڑنے کے لیے بندوقیں اور کارتوس دیئے جائیں کیونکہ بچہ سقا نے میگزینوں پر قبضہ کرلیا تھا جو باغ

بالا وغیرہ میں تھیں اور خود وہیں متمکن ہوگیا تھا۔ انقلاب فرانس میں ایک لاکھ آدمی بادشاہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے مگر اُنکے پاس بندوقیں نہیں تھیں، کیونکہ اسلحہ خانے سب سرکاری قبضہ میں تھے۔ اسلئے ابتدا میں ناکام رہے۔ اور کوہستانی ڈاکوؤں نے ان سے زیادہ دور اندیشی اور تدبیر سے کام لیا شیخ سعدیؒ نے کہا ہے۔ کہ خبث نفس نگردد بسالہا معلوم۔ اور امیر محمد اعظم خان کا ایک بیٹا کہا کرتا تھا کہ آدمی ۱۲ سال میں پہچانا جاتا ہے امان اللہ خان کی سلطنت کو ابھی گیارہ سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ اُنکی ساری خصلتیں ظہور میں آئیں ؎

پیشتر از واقعہ آساں بود — در دلِ مردم خیالِ نیک و بد
چوں در آید اندرونِ کارزار — آں زماں گردد بر آنکس کارزار

انتہائی غفلتوں کے علاوہ اب حواس باختگی بھی اسی غایت درجہ کی ظاہر ہوئی۔ آپ کھڑے بندوقیں تقسیم کر رہے ہیں اور اُنکی رسید بھی نہیں لیجاتی، جو کوئی آگے ہوا بندوق لیکر چل دیا۔ ہزاروں آدمی کچھ شہر میں اور باقی سمت جنوبی میں بندوقیں لیکر نو چکر ہو گئے، اگر کسی کا لڑنے کا ارادہ بھی ہوا، تو ارک کی بندوق کے کارتوس بالاحصار میں تھے، وہاں سے لینے میں بہت دیر ہوئی۔ جب ارک میں ہزاروں آدمی آگھسے، جنمیں اگر دوست تھے تو دشمن بھی تھے۔ والدۂ شاہانہ نے خود بڑی زحمت سے اُنکو باہر کیا۔ اس ہولناک بدنظامی کے ساتھ پہلی بداندیشیوں کا علاج بھی ضرور ہوا جنمیں سے ایک کا تو چارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ہیگ کی مجلسِ اقوام تو امنِ عمومی کے فیصلے کر چکی، امان اللہ خان نے پہلے ارک کے گرداگرد کی خندق بھروا کر اسمیں کاشت شروع کرا دی تھی! امیر حبیب اللہ خان نے اندر سے سب میوہ دار درخت کٹوا ڈالے تھے۔ امیر عبدالرحمٰن خان کی پالکی کیساتھ ایک توت کا ٹہنا ٹکرایا، تو باغبان نے اُسے کاٹ ڈالا۔ اس پر سخت غصے ہوکر کہنے لگا۔ کہ جب میں محصور ہوتا تو اسکے سائے تلے سپاہی آرام کرتے، اسکے توت کھاتے اور پھر اُسے جلا کر آگ سینکتے۔ امان اللہ خان کو اب سوجھی کہ قلعہ میں سدھی

نہیں ہے۔ آٹے کی بوریاں لائی جانے لگیں جو پھر اقبال کی مخالفت تھی۔ بجائے اسکے کہ بچہ سقہ کے مقابلہ میں نکلکر لڑتے اور ایک حملہ میں اس چور کو بھگا دیتے اپنے محاصرہ کی خود تیاریاں کرنے لگے۔

جو تھوڑی بہت فوج میدان جنگ میں پڑی تھی۔ اسکے لئے خوراک کا سامان پہنچانا مشکل تھا۔ جب حضور بادشاہی میں انتظام کا سررشتہ مفقود ہوا، تو وزارت حربیہ میں اس سے بدتر انتشار تفرقہ ہونی لازم تھی۔ بیسیوں عسکری افسروں کی موجودگی میں وزیر حربیہ کے ساتھ وزیر معارف معاونت کرنے لگے۔ یہ سخت تعجب معلوم ہوگا، مگر وزیر حربیہ خود کیا چیز تھا۔ امان اللہ خان کی شہزادگی میں انکے دربار کا اہتمام کیا کرتا، اور بغیر کسی فوجی یا ملکی خدمت کے اب وزیر حربیہ بھی تھا، اور وزیر داخلہ بھی۔ اسکی مدد البتہ ضرور تھی۔ اگرچہ اسکے پاس ثروت کے جمع کئے ہوئے لاکھوں روپے تھے۔ مگر اب اسی قسم کے مال سے وزیر مالیہ نے ہمت کی اور لشکر کو کھانا پہنچانے کا ذمہ خود لیا، اگرچہ خشک روٹی ہی تھی۔ جو وقت پر نہ پہنچتی۔ میں نے ان تینوں وزیروں کو کہا، کہ شہر کے لوگ گھی والی روٹی کا بیڑا اٹھانے کو آمادہ ہیں۔ مگر وزیر مالیہ کا خیال تھا کہ لڑائی ختم ہو جائیگی اور اسکا احسان رہ جائیگا۔ شہریوں کو کیوں اسمیں شریک کیا جائے۔

اس اثنا میں ہزارہ جات سے چند ہزار آدمی پہنچ گئے۔ اب انکے لئے رہنے کو جگہ نہیں۔ امان اللہ خان نے ہزاروں روپے خرچ کرکے سب پرانی چھاؤنیاں مسمار کردی تھیں تاکہ دارالامان میں نئی بنائی جائیں، اور جدید نمونے پر ہوں۔ گرمیوں میں پہلا گھر ڈھا دیا کہ نیا بننے سے پہلے باہر سوئینگے۔ وہ بھی نہ بنا اور بارش کے ساتھ سردیاں آپہنچیں اور وہ بھی برفانی۔ ہزاروں کو شہر کی مسجدوں میں رکھا گیا، پھر میں نے کہا کہ مکتبوں میں تعلیم برائے نام جاری ہے۔ اسے بند کرکے فوج کو وہیں جگہ دیجائے۔ مگر امان اللہ خان کا ایمان ظاہرداری پر تھا انہیں ڈر ہوا کہ شہر کے لوگ غیر معمولی تعطیل مکاتب سے گھبرائینگے۔ اس تجویز کو قبول نہ کیا۔ ہزارہ لشکر مہمان کے

طور پر نیا وارد ہوا تھا۔ انکو بھی وہی سوکھی روٹی دی جانے لگی۔ تو کہنے سننے پر ساتھ کشمش اور خشک توت اضافہ کئے گئے۔ اول تو وہ لوگ ان میوں کے عادی نہیں تھے، پھر ان میں کئی برس گذرنے کے سبب کیڑا لگ رہا تھا۔ انہوں نے یہ ضیافت رد کردی ؎

سپاہی در آسودگی خوش بدار — کہ ہنگام سختی بیاید بکار

یہاں سختی کی وقت سپاہیوں کو خوش نہ کر سکے، حالانکہ تمام جہان میں لڑائی کے ہنگام میں ڈگنی اور اچھی خوراک دیجاتی ہے!

اس پراگندگی کے ساتھ لڑائی جاری رہی۔ بچہ سقا کے دس آدمیوں نے ایک پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔ تو توپوں اور طیاروں کے گولے انکو وہاں سے اتار نہ سکے۔ آخر اسی قطعہ نمونہ کی پلٹن نے جس میں بچہ سقا بھی مورچے بنانا سیکھ چکا تھا۔ اس پہاڑی پر تصرف کیا مگر دوسرے دن پھر وہ کوہستانیوں کے ہاتھ میں تھی۔ میں اس پلٹن کے کرنیل سے اسکا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ کیا کروں، اکثر سپاہی شام کو کھانا کھانے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ میں نے کہا تم کہاں ہوتے ہو، تو چپکے سے جوابدیا کہ میں بھی رات کو گھر آجاتا ہوں۔ درحقیقت یہ کرنیل ایک ہشیار اور ذہین جوان تھا۔ جس نے جدیدیوں کے مکتب حربیہ میں تعلیم پائی تھی۔ مگر مشرقین اندڑ افغانوں کی قانون شکنی دور کرنے پر جو مقرر ہوا تو وہاں سے ایک لاکھ روپیہ لے آیا۔ اسکی حفاظت کے لئے رات کو گھر چلا آتا تھا!

بچہ سقا بارہ دن ڈٹا رہا۔ اور اس عرصہ میں تقریباً ۱۵ ہزار گولے اس پر برسائے گئے۔ ہوائی جہاز بھی لگاتار بم گراتے اور کوہستان کی طرف بھی جاتے۔ دیکھا گیا کہ چھ سات طیارے جنمیں ایک بڑا مضبوط جہاز جرمنی کا تحفہ بھی تھا۔ قندھار کی طرف جارہے ہیں۔ اب بادشاہی وفاداری کا ثبوت ملا۔ کانوں کان سارے شہر میں افواہ پھیل گئی کہ اعلیحضرت "عاشق ملت" نے اپنی ماں بیوی اور اسکی اور اپنی بہن کو مع زر و جواہر کے ساحل سلامت پر پہنچا کر باقی سب کی عورتوں، بچوں اور عزیز اشیاء کو گرداب میں چھوڑ دیا۔ جب بچہ سقا صحت

کرکے کوہستان چلا گیا، تو پھر اُسکا تعاقب نہیں کیا گیا۔ ۴ ۲ دن کے بعد پھر آدھمکا تو امان اللہ خان خود بھاگ نکلے اور ساری ملت معشوق کو اُسکے حوالے کر گئے۔ اب کونسا انصاف مقتضی ہے کہ ایسے غافل، بزدل اور بیوفا بادشاہ کے ساتھ کوئی وفاداری کا ارادہ کرے۔ اطاعت تو خود اس وقت قطع ہو گئی جب انہوں نے خود بادشاہی سے دستبرداری اختیار کر لی۔ عقیدت اُس وقت زائل ہو گئی۔ جب قول و فعل میں سخت خلاف ظاہر ہوا آپنے جشنِ پغمان میں کہا تھا کہ میرا عزم میرے پہاڑوں کی طرح ہے، میں کرۂ ارض سے بھی نہیں ڈرتا۔ میں اپنی ملت کا عاشق ہوں، اور اس پر فدا ہو جاؤنگا۔ اپنا آخری قطرۂ خون اُنکی خدمتمیں ٹپکاؤنگا۔ امتحان کا موقع آیا۔ تو ان میں سے ایک بات پر بھی قائم نہ رہے ؎

گفت پیغمبر سپہ دارِ غیوب ۔۔۔ لاشجاعۃ یا فتی قبل الحروب
وقتِ لاف حرب مستاں کف زنند ۔۔۔ وقتِ جوش جنگ چوں کف مے تنند
وقتِ ذکرِ غزو شمشیر دراز ۔۔۔ وقتِ کرّو فرّ تیغش چوں پیاز
وقتِ اندیشہ دل او زخم جو ۔۔۔ پس بیک سوزن تہی شد جنگ او

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ۔ آیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اسی پر چھوڑ دیے جائینگے۔ کہ وہ کہیں ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہیں جائینگے۔ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا۔ اور ضرور خدا معلوم کرے گا۔ کہ کون سچے ہیں۔ اور ضرور معلوم کر لیگا، کہ کون جھوٹے ہیں +

(۴)

نفاق اور ریاکاری کو پائیداری نہیں!

بصدق کوش کہ خورشید زاید از طلعت — کہ از دروغ سیاہ روئے گشت صبح نخست

جب امان اللہ خان یورپ میں تھے، تو جرنیل شاہ محمود خان اعلیحضرت محمد نادر خان کے چھوٹے بھائی جواب ذریہ حرمیہ ہیں۔ جلال آباد میں حاکم تھے۔ اور جیسا کہ انکا اور انکے عزیزوں کا شیوہ ہے، بڑے عدل و فضل سے حکومت کرہے تھے۔ کہ انکو بے بنیاد شبہات پر تبدیل کر کے وزارت داخلہ میں معین دوم مقرر کر دیا۔ جس حیثیت میں فی الواقع ان کا کوئی کام اور کوئی اختیار نہیں تھا۔ اگر انکو سمت مشرقی میں رہنے دیتے، تو جس بغاوت نے وہاں سے سر نکال کر تمام افغانستان کو آگ لگادی، شاید اٹھنے ہی نہ پاتی۔ اور انکے تدبر و توسط سے وہاں کے خونخوار باشندوں کو شکایت کا موقع ہی نہ ملتا۔ حکام امان اللہ خان کی اصلاحات یا مبدعات کو نافذ کرتے ہوئے پہلے اپنی رشوت کا راستہ نکال لیتے۔ اسلئے انکا عملدرآمد دوچند شاق گذرتا۔ نئے لباس اور زنانہ تعلیم کی ترویج بھی اخذ مال کا ذریعہ بنائی گئی۔ لوگ جرنیل شاہ محمود خان کی معدلت اور رافت کے عادی تھے، غیر معمولی عجلت کے ساتھ بھڑک اُٹھے، ہزاروں جانیں تلف ہوئیں، اور لاکھوں روپیوں کا نقصان ہوا۔ جلال آباد میں ایک عمارت باقی نہ رہی۔ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا!

سمت مشرقی کی لڑائی نے بچہ سقا کو غلبے میں سہولت بخشی۔ جب وہ بارہ دن کی جنگ آزمائی کے بعد کوہستان میں واپس چلا گیا، تو پھر جرنیل شاہ محمود خان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اُن کو ملکی عہدے سے پھر

فوج میں منتقل کر کے بچہ سقا کے مقابلہ میں بھیجا گیا۔ اور انہوں نے دوسرے جرنیلوں سے بڑھکر اس معرکے میں بھی شجاعت و ہمت کا ثبوت دیا۔ جب بچہ سقا ایک راہ سے بڑھکر کابل کے قریب چار میل کے فاصلہ پر آپہنچا۔ اور یہی امان اللہ خان کے ناگہانی فرار کا باعث ہوا۔ تو جرنیل شاہ محمود خان دوسرے راستے سے اسکے علاقے میں دس بارہ میل اندر چلے گئے تھے اور یہی بچہ سقا کے فوری کابل میں ورود کا مانع ہوا۔ اگر امان اللہ خان جرنیل موصوف کی اس جرأت اور پیشقدمی سے استفادہ کرتے، تو شاید بھاگنے سے باز رہتے اور پھر حملہ آور لشکر بچہ سقا کو اپنے علاقے میں لوٹنے پر مجبور کرتا، مگر یہ زرین موقع بھی ہاتھ سے گیا، افغانستان جیسے ملک میں بادشاہ کا بھاگنا یا نئے بادشاہ کا مقرر ہونا بڑے ہنگاموں کا آغاز ہوتا ہے۔ یہاں دونو باتیں اکھٹی واقع ہوئیں۔ سب فوج یہ خبر سنتے ہی میدان جنگ سے پلٹی اور جرنیل شاہ محمود خان کو بھی ناچار واپس آنا پڑا۔

امان اللہ خان بھاگنے سے پہلے کن کاموں میں مصروف تھے؟ ملک کے مشرق و شمال میں لڑائی کے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ اور اغلب معلوم ہوتا ہے کہ سارا افغانستان آتش فشاں ہو جائیگا۔ ان ایام میں امان اللہ خان کی مصروفیت کو بچہ سقا کے اخبار حبیب الاسلام کے ایک مقالہ کے رو سے بیان کرتا ہوں۔ جسکا سر دبیر میں تھا۔ جیسا کہ اس اخبار کا سردبیر مجھے مجبوراً بننا پڑا تھا۔ ویسا امان اللہ خان کے دوسرے نکاح کا مواد بھی مجھے بہم پہنچایا گیا، اگرچہ اس واقعہ کے صحیح ہونے کی مجھے پہلے اطلاع تھی۔ کیونکہ یہ دوسری منکوحہ مکتب مستورات کی متعلمہ تھی۔ اور شاہ خانم اور ان کی بہن وکیلہ اسکے غیر حاضر ہونے پر بے چینی سے بازخواست کر رہی تھیں۔ اس سے زیادہ واقفیت امان اللہ خان کے زبان فرانسیسی کے ایرانی استاد کی زبانی بعد میں ہوئی۔ کہ قندھار کی طرف بھاگتے ہوئے اس لڑکی کو طلاق دے گئے تھے۔ خوب ہوا کہ بچہ سقا اس سے بیخبر تھا۔

ترجمہ۔ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ

انکشافِ فاحش

اچھا اور بُرا عمل خوب اور خراب بو کی طرح امکان نہیں کہ انتشار پاکر چھوٹے بڑے کے مشامِ سامع یا انظار میں جلوہ گر نہ ہو۔ اسی لئے اولیائے کرام مانند خواجہ عبداللہ انصاریؒ نے فرمایا ہے کہ ظاہر کو خلق کیلئے اور باطن کو خالق کیلئے آراستہ و پیراستہ رکھنا چاہیئے۔ بلکہ اصلاحِ باطن کی تاکید زیادہ کی گئی ہے۔ کیونکہ خلاق متعال سب سے بڑھکر بصیر اور عالم الغیب والشہادہ ہے۔ اس امر سے غفلت لوگوں کو ریا اور تصنع کی مرتکب بناتی ہے۔ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ۔ خداتعالیٰ کو غافل مت سمجھ، اس چیز سے جو ظالم کر رہے ہیں۔ انکو مہلت دیجاتی ہے تاوقتیکہ حلم و تحمل کا پیمانہ لبریز ہوکر راز فاش اور طشت از بام ہوجاتا ہے۔

امان اللہ خان نے بادشاہی نشے میں مخمور ہوکر اس ملیک مقتدر سے بے اعتنائی اختیار کی، جس نے اسلام کو بمنزلۂ دین خود قرار دیا ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اور اُسے مکمل کرکے اپنی نعمت کا مسلمانوں پر اتمام فرمادیا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ اس مقدس مذہب کے رُو سے جسے خدا نے ہمارے لئے پسند فرمایا ہے۔ ازواج کی تعداد خاص حالت میں چار تک تعیین پائی ہے۔ البتہ حکیم مطلق نے اپنے بندوں کی مصلحت اسی میں دیکھی کہ ایک عورت سے زیادہ کی اجازت دی۔ ممالکِ غرب میں چونکہ صرف ایک ہی عورت کے ساتھ بیاہ کرتے ہیں۔ زنا بہت پیش آتا ہے، اور اکثر مرد علاوہ اپنی بیوی کے ایک دو عورتوں کے ساتھ نہانی آشنائی، بلکہ بعض اوقات علنی تعلق رکھتے ہیں۔ یورپ میں یہ ایک آشکارا بھید ہے۔ کہ بڑے بڑے شہروں میں ہزاروں حرامی بچے متولد ہوتے ہیں، باوجود اس سخت رسوائی کے یورپ کی تقلید کرنا اور اسلام کے احکام سے بے پرواہ ہونا ایسی ضلالت ہے۔

جو دل کی بینائی پر ضلالت کرتی ہے؛

قرآنمجید میں مثنیٰ و ثلاث و ربٰع کا حکم وارد ہے۔ البتہ شرط بھی رکھی گئی کہ اگر عدل نہ کرسکو، تو ایک ہی پر اکتفا کرو اور دوسری آئیہ شریفہ میں یہ بھی بیان ہوا، کہ تم عدل نہیں کرسکتے۔ اگرچہ حرص رکھو۔ پس تمام میلان و رغبت ایک کی طرف رکھکر دوسری کو تغافل سے لٹکتی مت رہنے دو۔ اس سے استنباط ہوتا ہے کہ ہرچند عدل نہ کرسکنے کی صورتمیں ایک ہی عورت لازم ہے لیکن متعدد ضرورتوں کے لحاظ سے جیسا ابقائے نسل، جب ایک عورت سے اولاد نہ ہو، یا فتنۂ زنا کے اندیشہ سے بچنے کیلئے جب قوائے جسمانی محرک شہوت ہوں، یا قومی اتحاد کے مصالح سے اور اسی قسم کے امور سے جو اجتماعی وغیرہ معاملات میں پیش آتے ہیں، تعدّدِ ازدواج کا لزوم ہو جاتا ہے اسی حالتمیں نہی نازل ہوئی کہ ایک کے ساتھ پوری محبت اور دوسری سے نفرت یا غفلت مت کرو؛

اِس حکم منصوص کے علاوہ سنت نبویؐ، اصحاب کبار، اولیائے کرام اور حکمائے الٰہی کا طریقہ ساڑھے تیرہ سو سال اسی طرح جاری رہا ہے۔ ع

ہمہ شیرانِ جہاں بستہ ایں سلسلہ اند

اس سلسلہ جلیلۂ اسلامی کو ہاتھ سے دینا اور بجائے اسکے تمدنِ یورپ کو پکڑنا جو ظاہراً روشن اور باطناً تیرہ و تاریک ہے۔ کوہ سے توڑنا اور کاہ سے جوڑنا ہے۔ یَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ۔ بعض کوتاہ بین لوگ خدا کے سوا دوسروں کی طرف رجوع کرکے ان سے مدد چاہتے ہیں۔ جنکا ضرر نفع سے زیادہ نزدیک ہے، البتہ یہ لوگ بُرے صاحب اور بدرفیق ہیں؛

امان اللہ خان نے اہل یورپ کی پیروی میں اعلان کردیا۔ کہ مامورین دولت صرف ایک عورت رکھیں، اور اگر پہلے زیادہ ہوں تو باقی کو طلاق دیدیں، اس اخبار کے گذشتہ پرچے میں بحث کیگئی تھی۔ کہ حضرت

عمرؓ نے اپنے بیٹے کو خلافت سے اسلئے محروم کردیا، کہ اس نے اپنی عیال کو بے سبب طلاق دی تھی۔ کیونکہ ارشاد خیر البشر صلعم ہے اَلطَّلَاقُ اَبْغَضُ الْاَشْیَاءِ عِنْدَ اللّٰہِ۔ طلاق سے بڑھکر اور کوئی چیز قہر خداوندی کا موجب نہیں ہوتی۔ اگر وصیّت فاروقی کے بموجب امان اللہ خان صرف اسی طلاق کی وجہ سے محروم سلطنت کئے جاتے، تو بجا تھا۔ ایک تو اپنی بیوی کو طلاق دی، جسکے بیٹے کو ولیعہدی سے ہٹا کر جو ۱۹ سال کی عمر میں فرانس میں تحصیل علم کر رہا تھا۔ دوسری عورت کے نابالغ بچے کو اسکی بجائے مقرر کیا، حالانکہ کسی کو جانشین بنانا ہی اسلام کیخلاف ہے۔ پھر دوسروں کو بھی طلاق کا امر دیا اور ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی نہی کی۔ یہ دونو فعل خدا اور رسولؐ کے احکام سے خلاف ورزی اور عبادت طاغوت تھی، جسکا نتیجہ خسران مبین ہوا۔

اسلام کے احکام کی حقانیت کی یہی دلیل ہے کہ جو شخص علانیہ ایک عیال کی منادی کرتا ہے۔ وہی شہوانی تقاضے سے مجبور ہوتا ہے کہ دوسرے نکاح پر اقدام کرے۔ جلوت میں ایک عورت کا اعلان مگر خلوت میں خود دوسری کے ساتھ نکاح کرتا ہے۔ وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا۔ جو کوئی بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے، رغبت سے یا جبر سے اسکا تابع ہے۔ صادق مسلمان خدا کے حکم کو دل اور رضا سے قبول کرلیتا ہے اور اسکے سوا دوسرا ناچار تسلیم کرتا اور بے اختیار مطیع ہوتا ہے۔

دوسروں کو غلط نصیحت کرنے میں امان اللہ خان کی اپنی فضیحت یوں عیاں ہوتی ہے، کہ جب مامورین کو ازدواج ثانی کی ممانعت کرتا ہے اور اپنے تئیں بھری مجلس میں جسمیں علاوہ ارکان و اعیان مملکت کے سفراء اور اجنبی لوگ بھی موجود ہیں، بطور مرشد کے پیش کرکے کہتا ہے کہ آئندہ سپاہ اور رعیت بجائے مشائخ و علماء کے میری پیروی کریں تو ہدایت پا دینگے۔ خود دوسری عورت کیساتھ عقد نکاح باندھتا ہے۔ ع

چوں بخلوت میرود آں کار دیگر میکند

پھر طرفہ یہ کہ ان دونوں سمت مشرقی کا اغتشاش ملت کی پریشانی اور اضطراب کا باعث تھا اور سمت شمالی میں جداتِ بےتاب اور تشویش تھی، گویا تمام رعایا و برایا اندیشے اور خدشے میں مبتلا یہ "عاشق ملت" عیش و عشرت میں مشغول تھا حالانکہ حافظ رفیق حجرہ وگرما بہ و گلستان کو درست پیمان اور عاشق صادق شمار کرتا ہے۔

آئندہ زنکو گرافی کے ذریعے ان مکتوبات کے عکس شائع ہونگے جو اس نکاح کے متعلق ہیں، فی الحال تائید نوق کے لئے انکی نقل و تاریخ درج کرتے ہیں:۔

(عیناً نقل عریضہ سردار عزیز اللہ خان ولد سردار نصر اللہ خان مرحوم)

بحضور مبارک اعلیحضرت امیر صاحب غازی خادم دین رسول اللہ صلعم۔ عرض کمترین خلق اللہ عزیز اللہ یہ کہ حضور انور والا کا فرمان مرحمت ترجمان بنام غلام اصدار لایا۔ پہلے وزیر دربار اور رئیس ضرابخانہ کے معروضات سے اس ظلم و بیدادی کی طلاع حضور والا کو ہوئی تھی، جو میرے مرحوم باپ اور ہمارے خاندان کے حق میں امان اللہ خان نے کی تھی اسلئے ہمکو امان اللہ کے برخلاف اور بے طرف قرار دیکر مرحمت کر کے ہمیں موردِ الطافِ شاہانہ بنایا تھا، اسی لئے طرح مواصلت و دوستی ڈالنے کا خیال فرمایا۔ اب ہمکو حضور والا کے خلاف اور امان اللہ کے طرفدار قرار دیا گیا ہے۔ حاشا وکلا معاذ اللہ کہ ہم یا ہمارا خاندان اس ظالم، بیرحم کے ساتھ رابطہ، واسطہ، امیدواری یا نامہ و پیام رکھتے ہوں، تمام جہان کو معلوم ہے کہ ہمارے خاندان سے زیادہ شکستہ حال اور پامال امان اللہ کے کارداروں اور دوستوں میں کوئی نہیں تھا۔ پھر جب حضور والا نے ہم لوگوں کے حق میں ترحم فرما کر الطاف شاہانہ سے وصلت اور دوستی کا خیال کیا ہے، ہم جانتے ہیں کہ بمضمون تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ حق تعالیٰ ایسا قادر و مقتدر ہے کہ افغانستان کا سوسالہ تاج آپکو مرحمت فرمایا اور آپنے سب لوگوں میں سے

ہمارے خاندان کو انتخاب کیا۔ نہ یہ سعادت اور اقبال جو ہمارے خاندان کو آپ کی نوازش سے نصیب ہوا۔ لیکن ایسی بات ہے کہ اگر کہوں تو زبان جلتی ہے۔ اور اگر چھپاؤں تو سینے میں ہڈی کا مغز جلتا ہے۔ اگر حضور والا یقین کریں تو خوب، ورنہ بذات پاک اقدس خداوندی جل جلالہٗ سوگند کھاتا ہوں کہ کل تک میں بھی اس واقعے سے واقف نہیں تھا۔ کل رات یہی میری بہن عالیہ اظہار کرنے لگی کہ امیر امان اللہ خان نے رجب کے مہینے میں دس جدی کو مجھے نکاح کیا۔ اور گواہ لالا سید میر اور حاجی غلام محمد سید میر، کاتب نکاح حافظ جی محمد حسن وکیل خان محمد گلخانے کا خانساماں تھے[1]۔ عالیہ کو تاکید و تکرار سے کہا تھا کہ جبتک میں تمہارے بھائیوں کو یا کسی کو نہ کہوں اور اظہار نہ کروں، تم خبردار کسی پر یہ امر ظاہر نہ کرنا۔ اب اس نے یہ بتایا حضور والا مختار ہیں۔ جب الحمد للہ محض دین مبین محمدی کی خدمت کے لئے کمر باندھی ہے اگر شرع شریف احمدی جسکے حامی اور خادم آج خود حضور والا ہیں حکم دے، تو ہمارے لئے چارہ نہیں۔ ہم سب بھائی بسر و جان دوست اور خیر خواہِ صادق حضور مبارک بادشاہ کے ہیں۔ خدائے متعال ہماری اس بات پر شاہد ہے، باقی ایام اقبال مستدام باد برب العباد۔ تحریر ۲۶ رمضان ۱۳۴۷ھ۔ آپکا خادم عزیز اللہ۔

(اس کے ساتھ عالیہ خانم اور گواہوں اور وکیل کے خطوط ہیں، جو سب اسی بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ طوالت کے خیال سے انکا ترجمہ نہیں کیا گیا)۔

اگرچہ دوسرا نکاح جائز ہے لیکن اسکے چھپانے سے کیا مدعا تھا؟ اگر دوسرا نکاح روا تھا، تو دوسروں کو کیوں اس سے نہی کی جاتی تھی؟ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ خدا کے نزدیک بڑی رنجش کی

[1] خان سامان محل یا کوٹھی کے اسباب کا نگران اور درست رکھنے والا ہوتا ہے۔

موجب ہے۔ کہ وہ بات کہو جو نہ کرو۔ اگر گفتار اور کردار مطابق نہ ہو، البتہ جھوٹ اور فریب ہے۔ جو عتاب و عقاب کبریائی کا موجب ہوتا ہے۔ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور ذلت ہے۔ اور اگر نفاق و کذب سے تائب نہ ہوئے تو آخرت میں شدید عذاب ہے؛

حضرت فاروقؓ کی خدمت میں ایک مجرم کو حاضر کیا، جس پر گناہ ثابت تھا۔ اسلئے شرعی سزا کا حکم ہوا اس نے فریاد کی کہ مجھے معاف کیجئے۔ پہلی دفعہ جرم کیا ہے۔ فرمایا کہ خدا تعالیٰ ستار العیوب ہے۔ کئی خطاؤں کو چھپاتا ہے، جب اصرار دیکھتا ہے۔ تو آخر فاش کرتا ہے۔ اگر کہے تو تیرے دوسرے جرموں کو تحقیق کر کے اس سے زیادہ سخت سزا کا مستوجب ثابت کردوں۔ ملزم اسی پہلی سزا پر قانع ہوگیا۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

---

(۵)

خود سری، مطلب پرستی اور کوتاہ بینی

کب سے اے سودا شراب اس بزم میں پیتے ہیں یار + تو نے اے کم ظرف کی پہلے ہی پیمانے میں دھوم

امیر شیر علی خان کے زمانہ سے انگریزی ٹوپی افغانستان میں مروج آئی ہے اور اسوقت کے مکتب حربیہ میں یہی سب طلبہ پہنتے تھے، بعد ازاں بھی اسکے استعمال میں فرق نہ آیا۔ اور عام لوگ تقریباً مانوس ہو چلے تھے، مگر امان اللہ خان نے ایک طرف ملاؤں کو مجبور کیا، تو دوسری جانب سکھوں کو بھی نہ بھلایا۔ جب اکراہ کے بغیر کام چلتا تھا، تو جبر کی کیا ضرورۃ تھی ؟

ترکوں نے انور پاشا کے وقت ہوش سنبھالی، تو رومی ٹوپی کو ناپسندیدہ سمجھا۔ کیونکہ ابتدا میں کفار روم کے ساتھ منسوب تھی، پھر بھی بعض ترکوں کو اسکا چھوڑنا ناگوار ہوا۔ جب یورپین ٹوپی آئی، تو کچھ لوگوں نے یہ تاویل کی کہ سرخ ٹوپی کی طرح کھالدار بھی کافروں کا لباس رہ چکا ہے، جب ترک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مگر ایک ملا نے یورپین ٹوپی پہننے کا حکم سنتے ہی ایک گہری نہر میں کود کر جان دی۔ آیا حرام موت بہتر ہو سکتی تھی، کلاہ تتری یا کسی قسم کی ٹوپی سے بھی؟ امان اللہ خان نے بھی ترکوں کا مقلد ہونا پسند کیا، اور یورپین ٹوپی کو رواج دینے کی ٹھان لی، حالانکہ اسکے بغیر بھی علم و فن اور عقل و فکر سروں میں سما سکتے تھے، جنکے ساتھ ایک ملک کی ترقی وابستہ ہے، کہا کہ پگڑی قدیم ہندوؤں سے لیکر مسلمانوں نے اسے اسلامی نشان بنا دیا۔ افغانستان کے پہاڑوں میں ایک قطع کا کلاہ مروج ہے، جو ہیٹ سے مشابہ ہے اور چونکہ متمدن دنیا کا یہی لباس ہے۔ اسلئے

توحید اطوار کے لحاظ سے اسی کو استعمال کرنا چاہیئے۔ مُلّا وغیرہ جو بھی دولت کے ملازم تھے، ہیٹ پہننے لگے اور اسی حالت میں مجھے حکم ہُوا کہ کابل کی سب سے بڑی مسجد میں جُمعہ کا خطبہ پڑھا کروں؛

لوگ میرے اجنبی لباس کی طرف ضرور دیکھتے تھے مگر ساتھ ہی میری باتوں کو بھی سنتے جو کردار کیمطابق تھیں، اسلئے کوئی تنفّر کی وضع ان سے ظاہر نہیں ہوتی تھی، بلکہ بیش از پیش اشتیاق سے چند جمُعے خطبات کے سامعین کی تعداد بڑھتی رہی۔ جو چیز امان اللہ خان کیطرف سے لوگوں کو بیزار کر رہی تھی، وہ اسی مسجد میں جمعے کے بعد رشوت کا علانیہ طور پر جمع کرنا تھا۔ جو کسی سابقہ سلطنت میں کبھی نہیں ہُوا تھا، ہاں ایک قاضی امامت کی حالت میں سجدے میں پڑا رشوت لیتا، جب مُقتدی مُٹھی میں نقدی بھر کر آگے بڑھاتا۔ کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ نماز بھی بجا رہتی۔ مگر دونو راشی و مرتشی عین عبادت میں اس فعل شنیع کے مرتکب ہونیسے نار کے زیادہ مستحق بنتے، پچھلی سلطنتوں کی یہ روائتیں ایک بیج تھیں، جو امان اللہ خان کے عہد میں تناور درخت ہوگئیں، اور انکی اونچی اور پھیلی ہوئی شاخیں مساجد کے احاطوں میں اپنے کڑوے پھل دینے لگیں؛

بیشک پُرانا بُرقعہ بڑا بھدّا لباس تھا، مگر اُسکو زبردستی نئے سے تبدیل کرنا، جو فی الحقیقت بہتر تھا ایسی عجلت تھی، جو تھوڑی مدّت میں پشیمانی کا باعث ہوئی، جب بچہ سقا پہلی دفعہ باغ بالا میں آ کر امیر بنگیا، اور ایک ہفتہ اُسے کامیابی میں گذرا، تو امان اللہ خان نے شہر کے لوگوں کو باغِ عمومی میں جمع کرکے کہا کہ میں نے کب بُرقعہ میں تبدیلی کی ہے؟ سب اس ندامت اور جھُوٹ پر ہنستے تھے، کیونکہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گُذرا تھا کہ بھرے دربار میں جہاں یورپین ملازم اور سب سفیر جمع تھے، آپنے پردے کے خلاف تقریر کرتے ہوئے قول کو فعل کے موافق بنانے کے لیئے اپنی ملکہ کو کہا، کہ نقاب اٹھا دو، اگرچہ وہ پہلے ہی سے جالی کا تھا، البتہ افغانستان میں لاکھوں عورتیں ننگے مُنہ پھرتی تھیں، اور اُنکو حجاب اوڑھنے کی بابت کبھی نہیں کہتا تھا؛

امان اللہ خان نے علماء کو پردے کے بارے میں فتویٰ طلب کرکے مخمصے میں پھنسا دیا۔ فی الحقیقت یہ بہت دشوار مسئلہ تھا، اگر یہ حکم ہوتا کہ پردہ توڑا جائے، تو شہروں کے وہ باشندے بگڑتے، جو ستر پر عملدرآمد رکھتے ہیں۔ اگر برعکس رائے دیجاتی کہ عورتیں کھلے منہ باہر نہ پھریں تو دیہات کے لوگ اور کوچی یا خانہ بدوش آدمی اٹھتے اور انکی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بادشاہ مصلح بننا اور ملت کو ایک ہی رنگ میں رنگنا یا ایک ہی رسے میں پھانسنا چاہتا تھا۔ دنیا میں مرد اور عورتیں اندر اور باہر مساوی بن رہے ہیں! افغانستان میں عورتیں آدھی سے زیادہ باہر پھر رہی ہیں، اور کم اندر بند ہیں۔ یا تو سب باہر نکلیں یا سب اندر بیٹھیں۔ بڑے مدبر ملا حیرت زدہ رہ گئے کھائیں تو کوڑھی نہ کھائیں تو کلنکی، شہروں کی عورتوں کو برقعہ پہننے سے کیسے منع کریں اور گاؤں اور میدانوں کی عورتوں کو مستورات بنا کر ایسے گھروں میں کیونکر بٹھاویں جنکی چار دیواری ہی نہیں۔ شریعت میں جہاں ہر جرم کیلئے حد معین ہے۔ نہ تو ننگے پھرنے کی، نہ نقاب ڈالنے کی جزا مقرر ہے۔ قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ۔ مومن عورتوں کو کہو کہ اپنی آنکھیں نیچی کئے رکھیں۔ اگر برقعے میں ہوں تو آنکھیں نیچے یا اوپر چنداں فرق نہیں رکھتیں۔ البتہ کھلا منہ ہو تو شرم و حیا سے آنکھیں نیچے کرنا شائستہ ہے۔ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس سے باہر رہ جائے۔ اسمیں ہاتھ اور منہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے پھر وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى کے اعتبار سے گھروں میں وقار سے رہنا اور پہلی جاہلیت کیطرح اترا کر باہر نہ چلنا پھرنا موجودہ زمانے میں فتنے کے لحاظ سے بھی ضروری ہے۔ پھر مسلمان خواتین غزوات میں نکلتی اور لڑنے کے علاوہ متعدد خدمات بجالاتی رہی ہیں! اور افغان عورتیں ابتک میدان جنگ میں حصہ لیتی ہیں۔ امان اللہ خان نے ڈاکوؤں کی باگوں کو ڈھیلا چھوڑ کر جو سینکڑوں کی تعداد میں تاخت و تاز کر رہے تھے۔ اور حکام کی طرف سے غافل ہو کر جو دن دھاڑے لوٹ مچا رہے تھے، ستر پردے میں پڑ کر ایسے مسائل کو چھیڑا جنکا حل ہونا مشکل، ملک میں خواہ مخواہ

ہلچل مچ گئی۔ شاید اس آیۃ میں ایسی ہی مبہم باتوں کی جانب اشارہ ہو۔ لَا تَسْئَلُوا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ایسی چیزوں کی بابت سوال مت کرو جو اگر ظاہر کیجائیں تو تمہیں بُری معلوم ہوں۔ قاضی القضاۃ اس فتوے سے عاجز آکر بھاگ گیا۔ اور پکڑا جاکر گولی کا نشانہ بنا۔ یہ شخص رشوت نہ لینے کے سوا بڑا روشن خیال اور تعلیم و اصلاحات کا حامی تھا۔ حضرت شور بازار قید میں ڈالے گئے جب بچہ سقانے زدہ پکڑا تو انکو چھوڑا تاکہ مصالحت کرادیں۔ انہوں نے ڈاکوؤں کی سلطنت میں شرفا مرد وزن کو اپنے ہاں پناہ دی۔ اور اسیوجہ سے چوروں کے معتوب ہوئے؛

حضرت شور بازار یا اور مشائخ افغانستان میں دو بڑے اہم کام انجام دیتے تھے۔ ایک تو اپنے مریدوں کی تہذیب نفس، دُوسرا جہاد کے وقت اعلائے کلمۃ اللہ میں امداد۔ یہ امر مشاہدے میں آتا کہ عام مرید بہ نسبت اوروں کے اخلاق میں بہتر ہوتے، اور لڑائیوں میں اُن سے بہت کمک ملتی، پھر بھی اس بھری محفل میں امان اللہ خان نے پیری اور مریدی کو محدود کردیا۔ فوجیوں کو قطعی ممانعت ہوئی کہ سوائے ذات شاہانہ کے اور کسی کو مرشد نہ پکڑیں بعض دینی باتوں کا مضحکہ اڑایا اور ملاؤں کا تمسخر کیا۔ یہ بھی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ امیر عبدالرحمن خان نے سب سے بڑے ملا ہڈا کی داڑھی اکھڑوادی تھی اور مسواک پر جو پگڑی میں گڑی دیکھتا تو گندے مذاق کرتا۔ اس پر کیا انحصار تھا سینکڑوں سالوں سے شعر مزاح کرتے آئے ہیں ؎

حذر از زاہد مسواک بسر   عقرب دنیش چہ معنی دارد

امان اللہ خان نے داڑھی منڈانے کو بھی ترجیح دی اور یہ عام رواج تھا حتیٰ کہ مشائخ کے مرید اس کے مرتکب ہوتے۔ اور غازی کہلاتے مگر آپ نے ایسی وضع اختیار کی کہ ملاؤں کو سخت اعتراض ہوا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ داڑھی سُنت اور اس پر استہزا کفر ہے۔ جب سمت جنوبی کی بغاوت میں چندے ان کا غلبہ ہوگیا۔ تو پہلا منصوبہ انہوں نے یہ باندھا کہ شہر میں محتسب مقرر ہوکر داڑھی مُنڈوں کو کوڑے لگاتا پھرے۔ یہ اتفاقی امر تھا۔ کہ

باغیوں نے امان اللہ خان اور اُنکے سپاہیوں کو قادیانی کہنا شروع کیا اور گولی چلاتے حملہ کرتے۔ اُنکا نعرہ یہی ہوگیا کہ کیدانیوں کو مارو۔ کابل کے ملاؤں نے بھی داڑھی کو بھلا کر مرزائیوں کی تلاش جاری کی وہ بیچارے ایک ہاتھ کی انگلیوں پر شمار ہوتے تھے۔ ایک دو کو سنگسار کردیا۔ مگر امان اللہ خان کو اسمیں یہ تسلی تھی کہ قادیانی لوگ انگریزوں کیساتھ موافق ہوتے ہیں۔ جب یہ بلا بھی ٹلی تو بغاوت کے حقیقی اسباب کو رفع کرنے کی بجائے پھر جزئیات کی طرف توجہ رہی۔ ایک دن کسی شخص کو داڑھی منڈے دیکھکر جو پہلے ریشدار دکھائی دیتا تھا۔ آپنے موٹر ٹھیرالی اور خوشی سے کہنے لگے کہ اب کیسے وجیہ معلوم ہوتے ہو۔ اسی وقت ایک کرنیل کی گاڑی گذری، جو اسکی تنخواہ سے بہت بڑھکر شاندار تھی۔ اگر اسکا تعاقب کیا جاتا تو وہ ایسے گھر میں جا داخل ہوتا جو پچاسہزار روپے میں تیار ہوا تھا۔ اور یہ سب رشوت کا حاصل تھا۔ اسطرف التفات نہ کی اور داڑھی میں اُلجھے رہے؛

اغایۃ الدین ان تقصوا شوار بکم۔ یا امۃ تضحک علی جہلہا الامم۔ کیا دین کی نہایت یہی ہے کہ مونچھوں کو کاٹو۔ اے امت تمہارے جہل پر امتیں ہنستی ہیں۔ متنبی کو نبوت متکلف کا تخلص یے دلیل نہیں ملا تھا۔ سمت مشرقی کی بغاوت میں شنواریوں وغیرہ نے انہی مونچھوں کی خاطر کئی ہونٹ کاٹے، اور کئی منہ گولی کا نشانہ بنائے۔ ایک ملّا نے کابل کی عیدگاہ میں بچہ سقا کا پہلا خطبہ یوں پڑھا کہ سنت رسول اللہ صلعم یہ ہے۔ کہ دائیں بائیں مونچھیں رکھکر درمیان سے منڈائی جائیں۔ امان اللہ کافر، زندیق، لامذہب نے رسولؐ کی دشمنی سے آس پاس سے منڈا کر بیچ میں رکھ لیں۔ اسلئے آئندہ جس نے یہ روش پکڑی، زجراً اُسکے ہونٹ کاٹے جائینگے، اب حقیقت ملاحظہ کیجئے۔ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ۔ تم بلند، آزاد اور مستقل ہو کسی کے ماتحت نہیں ہو اگر مومن ہو۔ ایمان کے اس اونچے معیار کے مطابق افغانستان دنیا میں یگانہ اسلامی ملک تھا اور سب ممالک کی آنکھیں اسکی طرف لگ رہی تھیں۔ اور یہاں کے باشندے شاہ سے لے کر ادنےٰ رعیت تک فروعی امور میں الجھ رہے تھے

جنمیں عفو و درگذر اولی تھی۔ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ۔ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ۔ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور کھلم کھلا بیحیائی کی شناعتوں سے بچتے ہیں۔ سوائے چھوٹی چھوٹی برائیوں کے جن پر معمولی ملامت ہوتی ہے، تو تیرا پروردگار وسیع مغفرت والا ہے۔ مگر مسلمانوں میں عجیب منطق سے اسکے برعکس عمل ہو رہا ہے ؂

نسبتِ مے سے نہ چکھیں دانۂ انگور کو ہاتھ پڑ جائے تو کرلیں باغ انگوروں کے غصب

چرس کے گندے دھوئیں کو برا نہ سمجھا جو سپاہیوں کی بارکوں سے نکل رہا تھا۔ شراب کی بدبو سے تنفر نہ کیا جو افسروں کے کمروں سے آرہی تھی۔ رشوت اور جوئے کے روپیوں کی جھنکار سے نہ چونکے، جو ووٹو کے مکانوں سے سنائی دیتی تھی، حاکموں، قاضیوں اور دیگر عہدیداروں کی حرامخوریوں کو نہ پکڑا جو حق کو باطل بنا کر ملت کی جڑیں اکھیڑ رہے تھے۔ اب لفِ کاکل کی بجائے داڑھی اور مونچھیں ایسا دام نہیں کہ سب ان میں پھنس گئے!

یہ سب باتیں جو امان اللہ خان نے کیں، انکے باپ دادا نے بھی کی تھیں۔ بلکہ امیر حبیب اللہ خان نے باغ ارم بنایا اور اسمیں اکثر عورتیں جمع ہوتیں اور خود امیر صاحب بھی تشریف فرما ہوتے۔ پھر امان اللہ خان تو کام بھی کرتے اور رات دن ہی مصروف رہتے تھے۔ اسی سے امید بندھتی تھی۔ کہ اگر وہ مذہب کے بعض مسائل کو حقارت سے بیان کرتے تو ایسی امتیں بھی ہیں جو خدا ہی کے نام سے بیزار ہیں، پھر بھی وہ جیتی جاگتی ہیں۔ اگر فرانس نے گرجے کو حکومت سے علحدہ کر کے اسکے مال و متاع کو چھینا، تو پھر بھی زندہ رہا۔ اور عبد الکریم کو باوجود اسکی مجاہدت کے مغلوب کرلیا۔ روس نے دہریت کا اعلان کر کے گرجوں اور مسجدوں کو آثار عتیقہ بنا کر اپنا رعب و تسلط دنیا میں قائم رکھا۔ ترکوں نے بھی کچھ ایسی ہی غیر متدین روش اختیار کی۔ اگر امان اللہ خان بھی اسیطرف مائل ہوئے تو ان کے سقوط کی ظاہرہ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی تھی ؂

لالہ ساغر گیر و نرگس مست و بر ما نام فسق　　　داوری دارم بسے یارب کرا داور کنم

امان اللہ خان کے زوال کے بہت گہرے اسباب ہیں جو اسی کتاب کے مختلف مقامات میں مذکور ہوئے ہیں۔ شروع سلطنت سے ایک بات لیجیے۔ چونکہ مدعیانِ تخت بہت سے تھے اور خزانہ امان اللہ خان کے پاس تھا۔ اسلئے اسکا منہ کھول دیا اور چھوٹتے ہی سپاہیوں کی تنخواہ بڑھادی۔ اِس سے جو گرویدگی اُن کے دلوں میں پیدا ہوئی اُسکا میں مشاہد ہوں۔ ہم اُسوقت قید میں تھے، اور جب ہمارے بعض ذی رسوخ اصحاب کو رہا کیا گیا، جن سے مدد کی امید تھی، تو باقیماندوں کو بُرا معلوم ہوا۔ ہم مسافر عدل تو کیا ترحم کے قابل بھی نہ سمجھے گئے۔ اسلئے دل کا بخار نکالنے کیلئے نئے بادشاہ کی مذمت کرتے۔ سپاہیوں کی تنخواہ بڑہنے کے بعد جب ہمنے ویسی ہی مخالفانہ باتیں کہیں تو انہوں نے سننی گوارا نہ کیں، بلکہ شدّت سے رد کرنے لگے۔ جلال آباد میں فوراً نصر اللہ خان سے مُنہ موڑ بیٹھے۔ غرض ساری فوج امان اللہ خان کا دم بھرنے لگی!

ایک دن غزنی کے حاکم نے ٹیلیفون میں کہا کہ لوگوں نے تقریباً چالیس ہزار روپیہ یورپ کے طلبہ کی تحصیل علم کے لئے اعانہ دیا ہے۔ میں نے کہا کہ حکام اپنی نیکنامی کی غرض سے طوعاً و کرہاً بڑی بڑی رقمیں وصول کر لیتے ہیں۔ اور بعد میں شکایت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ لوگر کے حاکم نے بہت سی مُہریں کرا کے ایک عریضہ بھیجا تھا۔ کہ رعیت نے معارف کے لئے فی روپیہ سات پیسے مالیات میں اضافہ قبول کر لیا ہے۔ جب میں مکتب تاسیس کرنے کیلئے وہاں گیا۔ تو اکثر لوگوں کو اسکی اطلاع ہی نہیں تھی۔ امان اللہ خان نے حاکم غزنی کو تو کہدیا کہ رعایا کی رضامندی سے روپیہ لیا جائے، مگر ساتھ ہی فرمانے لگے کہ اب ملت میں بیداری واقع ہوگئی ہے۔ چنانچہ بدخشان کی فوج نے میری فداکاری کی پیروی میں اپنی تنخواہ سے چھ روپے کم کرکے عرض کی ہے کہ اس رقم کو بادشاہ جس مصرف میں چاہے لائے، اس طرح دو روپے پہلے عہد کی تنخواہ سے بھی

کم ہوگئے۔ اور مجھے پھر افسروں پر اعتراض کئے بغیر رہا نہ گیا۔ کہ انہوں نے شاہانہ رضا جوئی کے لحاظ سے فوج کو بزور رضامند کرالیا ہے۔ میں سپاہیوں کی خوشی چار روپے کی افزونی پر دیکھ چکا تھا، اور اب انکے رنج کا اسی سے قیاس کرتا تھا۔ امان اللہ خان کو میری معترضانہ وضع پسند نہ آئی، تھوڑے عرصے کے بعد معلوم ہوگیا کہ یہ ایک پیش خیمہ تھا۔ سارے ملک میں فوج کی تنخواہ میں تقلیل کا، جس سے وہ بنیاد رکھی گئی، جو ٹیڑھی اوپر جاکر عمارت کو گرانے کا موجب ہوئی۔ سپاہ پر ثابت ہوگیا کہ بادشاہ کی طرف سے سوئے مطلب آشنائی کے اور کوئی عملی وضع ظاہر نہیں ہوتی، اگرچہ باتوں اور تقریروں میں سوائے قربان ہونیکے اور کوئی کلمے ایزاد نہیں کرتے۔

بعض بادشاہوں کا یہ قاعدہ ہے کہ ایک معاملے میں رنجیدہ ہوکر کسی دوسری بات پر مواخذہ کرتے ہیں اگرچہ وہ کتنی ہی معقول نہ ہو، امان اللہ خان اور اسکے باپ دادا کی یہی عادت تھی۔ امیر حبیب اللہ خان نے کرنیل شاہ محمد خان کے ایک جرم پر اغماض لازم سمجھکر دوسری ذرا سی بات پر ایکہزار چھڑی مارنیکے بعد موقوف کردیا۔ امیر عبدالرحمان خان جب سردار ایوب خان کے مقابلے پر قندھار جارہا تھا، تو کابل کے ایک کباب فروش نے اپنی دوکان کی گھنٹی بجاکر بلند آواز سے کہا، کہ گدھے کی موت آئی ہو، تو خود بھیڑیے کے منہ میں جاتا ہے سنئے امیر کو ایسی سخت باتیں سننی پڑتیں، چنانچہ اُس نے پہلی مجلس میں یہ بیان کیا کہ میں افغانستان کو یہ ترقی دونگا، وہ آسودگی بخشونگا، تو ایک خانِ جبار خیل نے کہا، کہ اپنی پیٹھ پر لائی ہوئی بلا! کتنی باتیں کرتا ہے۔ قندھار کے راستے میں مُلا مشک عالم سے ملاقات ہوئی، تو اُس نے کہا، کہ ایوب خان خالص غازی ہے۔ جو انگریزوں کے ساتھ لڑ رہا ہے اور تم اُنکے ساتھ دوستی کرکے بادشاہ ہونا چاہتے ہو۔ کوچ کے اثنا میں فوج نے خربوزوں کے کھیت اُجاڑنے شروع کئے، تو اُنکو بھی کچھ نہ کہہ سکا۔

البتہ لڑائی کے شروع میں انکو جتایا کہ اگر شکست کھا کر بھاگے تو جنکے خربوزے کھائے ہیں، وہ تمھیں زندہ نہیں چھوڑینگے۔ فاتح ہوکر لوٹا تو مُلّا مشک عالم نے سُنا کہ اسے موش عالم کہتا ہے۔ حقیقت کو تاڑ کر خود ہی فرار ہوگیا۔ کبابی کی دوکان کے سامنے اسی کے انداز اور محاورے سے الٹا مُکّا دکھا کر اُسکے طعنے کا جواب بدتر الفاظ میں دیا۔ اور فرمایا کہ میرے اردلیوں کو کباب کھلاؤ۔ اس نے جان بخشی غنیمت سمجھکر اطاعت کی اور امیر نے اُسے تین ہزار روپے انعام دیئے، جو اُسکے اردلیوں کی تعداد تھی۔ خان جبار خیل کو ہاتھی بھیجکر بلایا اور حرمسرا میں مہمان رکھکر لونڈیوں کے ذریعے سے ریشمی رومالوں کیساتھ گلا گھونٹ کر مروایا۔ امان اللہ خان نے بھی اپنی حیثیت کے مطابق پہلے تحمل دکھا کر بعد میں لوگوں کو ڈرایا، دھمکایا اور پستول کا نشانہ بنانا چاہا ہے!

نجراب کے حاکم کے پاس ریزہ کوہستان کے کچھ مجرم محبوس تھے، جنکو اُنکے ہم وطن بزور چھڑا کر ایک سپاہی کو مار گئے۔ امان اللہ خان نے کہا کہ حاکم کی اپنی رضا سے یہ کام ہوا ہے اور دوسرا حاکم محمد امان خان وہاں کی حکومت کے لئے موزوں ہے، میں جانتا تھا کہ یہ شخص بڑا حیلہ باز ہے۔ اُسکا بھائی فراشباشی (فراشوں کا افسر) ہے۔ اور اُس نے اہلِ دربار کے وسیلے سے یہ تدبیر و تندویر کی ہے، اسلئے میں نے عرض کیا، کہ میں ان دنوں نجراب میں تھا۔ حاکم بہت شریف اور نیک آدمی ہے۔ فی الواقع ریزہ کوہستان کے باشندے بڑے مفسد اور بیباک ہیں۔ چاہیئے کہ اُنکے بنجر پہاڑ دیکے اکھاڑ کر انہیں افغانی ترکستان کے حاصل خیز علاقوں میں آباد کیا جائے، جیسا کہ امیر عبدالرحمان خان اور سردار نصر اللہ خان کا وتیرہ تھا کہ مجرموں کو جلاوطن کر کے آمو کے نزدیک بساتے، پہلے انھیں زحمت ہوتی پھر اُنکی خوشحالی اور فارغ البالی دیکھکر اُنکے دوسرے رشتہ دار بھی اپنا ویرانہ چھوڑ کر وہیں جا رہتے، جس سے وہ حصہ ملک آباد ہوتا۔ ریزہ کوہستان کے علاقوں سنجن، بولہ

غین ورنامہ اور گیادہ کے لوگ ہمیشہ حکام کو تکلیف دیتے، سرکشی کرتے اور مالیات نہ دینے پر اپنے دشوار گذار پہاڑوں کی چوٹیوں پر جاپناہ لیتے ہیں۔ اگر انکو نقل مکان پر مجبور کیا جائے تو ملک میں امن ہو جائیگا۔ ورنہ عارضی مصلحت سے جیسا کہ حکومت کی طرف سے ابتک ہوتا رہا ہے، ایک پھوڑے کی طرح جو اوپر سے مندمل ہوکر نیچے ماؤف جگہ سے اور کہیں سر کریگا۔ یہ لوگ بھی آئے دن بغاوت ہی کرتے رہینگے۔ امان اللہ خان نے کہا کہ تمہارے خیال میں مصالحت کے بعد کتنی مدت آرام میں رہینگے؟ میں نے جوابدیا کہ بمشکل چار یا پانچسال، تو فرمانے لگے یہی غنیمت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کوہستان اور کوہدامن کے باشندے جو نسبتاً مطیع ہیں، متواتر اپنے ہمسائیوں کو باوجود نافرمانی کے موردِ اکرام ہوتے دیکھکر لامحالہ بگڑ جائینگے اور ایسی ہی سرکشی کی ترغیب پائینگے۔ تو آپ جھنجلا کر بولے کہ تم ہمارے ملک کے حالات سے آگاہ نہیں ہو!

حضرت علیؓ نے سچ فرمایا ہے ؎

حُسَیْنُ اِذَا کُنْتَ فِیْ بَلْدَۃٍ غَرِیْبًا فَعَاشِرْ بِآدَابِھَا ۔۔۔ وَلَا تَفْخَرَنْ فِیْھِمْ بِالنُّھٰی فَکُلُّ قَبِیْلٍ بِاَلْبَابِھَا

اے حسین جب تو کسی شہر میں مسافر ہو تو اُسکے آداب پر رہتے ہوئے ان میں دانائی پر فخر مت کر۔ کیونکہ ہر قبیلے کے اپنے عاقل ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ سالہا سال کے مطالعے اور واقفیت سے مجھے افغانستان کے قبائل اور اُنکی زبانوں اور رسم و رواج پر پوری اطلاع حاصل ہو گئی تھی، پھر بھی دوسرے ملک کیساتھ آبائی تعلق اگرچہ میرے اجداد افغانستان میں تھے، مجھے غیریت سے خارج نہ کر سکا۔ اس قسم کی معاملت اور اسطرح کے پھیکے ایجاب نے مجھے اپنی حالت سے دل برداشتہ بنا دیا، پھر امان اللہ خان کا بقول فیض محمد خان وزیر معارف (حال وزیر خارجہ) شطرنج کی ایک ہی چال کو سوچ سکنا، ملک کی آئندہ حالت پر افسوس و اندیشہ لاحق کرتا تھا۔ نوشیروان ایک کھجور لگانے والے کو دو تین بار انعام بخشتا ہے۔ کیونکہ وہ آئندہ نسلوں کے لئے

درخت لگاتا اور اسیوقت بادشاہی پھل پاتا ہے۔ امان اللہ خان چار پانچسال کو غنیمت سمجھتے، اتنا ہی عرصہ راحت دیکھتے ہیں۔ پھر کوہستان اور کوہدامن کے باشندوں کے ہاتھوں سلطنت کھوتے ہیں۔ جب عنایت اللہ خان امیر بنتے ہیں، تو یہی رینہ کوہستان کے آدمی ارک کے گرد بیٹھے بچہ سقا کی دھمکی کو عمل میں لانے پر آمادہ ہیں۔ کہ اگر جلدی ارک خالی نہ کیا۔ تو ابھی سرنگیں لگا کر اُسے بارود سے اُڑا دینگے۔ اور یہ اُنکے وطن میں ایسی معمولی بات ہے کہ چھوٹے بچے اپنے مُلّا کو سبق سے تنگ آکر سرنگ سے اُڑانے میں قصور نہیں کرتے۔ پھر افغانستان کا ایک وزیر معارف انہی لڑکوں کی رائے پر امتحان کا دینا یا نہ دینا چھوڑتا تھا، جسکا ذکر ہو چکا ہے؎

---

(۶)

سمت جنوبی کی دوسری بغاوت کی ذمہ واری

امان اللہ خان قانون بنا رہے تھے اور اسکا ناقص نفوذ رعایا میں بےچینی پیدا کر رہا تھا۔ وہ تعلیمی امور میں بیجا اور حد سے زیادہ مصروفیت اور مداخلت رکھتے، جو ملک میں عدل اور امنیت قائم رکھنے میں مبذول ہونی چاہیئے تھی۔ مثلاً یورپ میں لڑکوں کا تعلیم کے لیئے جانا بہت پسندیدہ اور مفید کام تھا۔ مگر اسمیں بھی اور اچھے کاموں کی طرح ایسی خرابیاں واقع ہوئیں۔ کہ انکا خمیازہ کئی طلبہ کی عمریں اور روپے ضائع کرنے سے بھگتنا پڑا۔ چھ سال کے بعد جب آپ یورپ گئے۔ تو کئی لڑکوں کو واپس بھیجنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ تعلیم کے قابل ہی نہیں تھے۔ اُنکے یورپ بھیجنے سے پہلے میں نے ایک لمبا چوڑا عریضہ دلائل کے ساتھ پیش کیا، کہ پہلے صرف بڑی عمر کے تعلیمیافتہ نوجوانوں کو بھیجا جائے، اور چھوٹے بچوں میں سے توانا اور ذہین کو منتخب کرکے پہلے کابل میں دینی اور ملی تربیت پانے کے بعد پھر باہر روانہ کیا جائے، سپہ سالار غازی میرے ہمخیال تھے، مگر جمال پاشا کے زیر اثر ہونیکی وجہ سے ہماری تجویز کو قبول نہ کیا۔ اگرچہ ترکیہ میں ایسے واقعات پیش آئے تھے کہ چھوٹے بچے جب یورپ سے فارغ التحصیل ہوکر لوٹے، تو اپنے والدین کے ساتھ باتیں کرنے میں اُنھیں ترجمان کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ اُنکی ترکی تمام ہوچکی تھی۔ خود جمال پاشا کے ساتھ عصمت بے ایک بحری افسر تھا۔ جو انگریزی انگریزوں کی طرح بولتا مگر نماز تو درکنار کلمہ بھی پڑھ نہیں سکتا تھا۔

سپہ سالار صاحب کہنے لگے کہ امان اللہ خان نے طعنے سے فرمایا: میں اپنے بیٹے اور بھائیوں کو

فرانس بھیج رہا ہوں تو اوروں کو کیا تأمل ہوسکتا ہے، البتہ وہ مجھ سے بہتر اور برتر بنے بیٹھے ہیں۔ اس پر انہوں نے بھی اپنے بیٹے کو مجبوراً بھیجدیا۔ باقی مکتب حبیبیہ میں دو جماعتیں رہ گئیں جو ادر مضامین کیساتھ طبعیات اور کیمیا خاص طور پر پڑہتی تھیں۔ امان اللہ خان کے اور کاموں کی طرح جو اتمام کو کم پہنچتے تھے یہ دو جماعتیں بھی ایک سال کے بعد توڑ دی گئیں، تو ان کے لئے کابل میں تعلیم کا انتظام نرہا۔ انہیں سے بعض لڑکونکو بھی ناچار جرمنی روانہ کرنا پڑا۔ ان میں میرا بیٹا بھی تھا۔ تقدیر یوں ہوئی کہ سپہ سالار صاحب کا بیٹا اور میرا بیٹا دونو یورپ میں فوت ہوگئے۔ امان اللہ خان کی عجیب ہمدردی سے ہم دونو کو کئی مہینے بیخبری میں رکھا گیا حالانکہ علمُ الشّیٔ خَیرٌ مِنْ جَہْلِہٖ۔ والدین صبر کی بجائے خواہ مخواہ تڑپتے ہیں کہ انکے بچے جو خاموش ہیں البتہ بیمار یا ناخلف ہوگئے ہیں، اطلاع مرگ سے شکر کا موقع ملتا ہے کہ طلب علم میں رحلت کرجانا ایک شہادت ہے اور پھر لڑکپن کی معصومیت انکی آخرت کی طرف سے اطمینان دلاتی ہے۔ جہاں سراسر نعمات اور دنیا میں باوجود اقتدار و استطاعت کے دکھ، درد بہت اور آرام کم ہے ؎

یا الم بردسد خویشان و جہاں یا رنج خویش   ہست گر آرام کامل بہر کس در جنت است

اب سمت جنوبی میں فتنہ و فساد نے زور کیا، در راہ مشائخ اعزام کئے گئے مگر وہ لوگ اسی بات پر اڑے ہوئے تھے کہ سپہ سالار غازی محمد نادر خان کے سوا ہم کسی اور کیساتھ صلح کی بات نہیں کرینگے۔ اب اگر امان اللہ خان کی نیت میں خود غرضی نہوتی اور صرف ملت کی اصلاح کا خیال ہوتا تو سپہ سالار صاحب کو بھیجکر معاملہ امن چین سے طے کرلیتے۔ مگر بجائے سمت جنوبی بھیجنے کے ان کو فرانس روانہ کرنیکا قصد کیا۔ وہاں جاکر اپنے فرزند کی وفات پر مطلع ہونے کی بجائے مناسب سمجھا گیا۔ کہ یہیں انھیں آگاہ کیا جائے۔ لہذا مجلس تعزیت منعقد کیگئی، جہاں امان اللہ خان نے ہمدردی کا اظہار ذرا مبالغے کے ساتھ کیا۔ سپہ سالار صاحب نے اپنی عادت کے

خلاف جرأت سے جواب دیا کیونکہ ابتک بادشاہی احترام حضور اور غیاب میں زیادہ کرتے تھے۔ کہنے لگے کہ میرا ایک بیٹا بادشاہی حکم کی اطاعت میں جو حصولِ علم اور خدمتِ ملت کے لئے تھا، قربان ہُوا۔ مجھے اسکا غم نہیں، ہم سب فدا ہونے کو تیار ہیں۔ اور بادشاہ کی بقائے عمر کیلئے دعا کرتے ہیں مگر اسوقت سمت جنوبی کی بغاوت درپیش ہے اور جو دہشت وہاں دکھائی دیتی ہے۔ اس سے خوف ہوتا ہے کہ کہیں ملک مع اپنی نئی آزادی واستقلال کے ہلاک نہو جائے۔ اسلئے مجھے یہ غم ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ایک ادنےٰ سپاہی کی حیثیت میں جاکر وہاں خدمت کروں۔ اور اس خدمتمیں موفق ہونے کا مجھے یقین ہے کیونکہ پہلے دو دفعہ میں ان لوگوں کو پہچان چکا ہوں اور وہ مجھے پہچانتے ہیں! اعلحضرۃ کو میرے بیٹے کا رنج ہے اور میری محرومیت پر تاسف کرتے ہیں، میرے لڑکے کی طرح کئی فرزندان وطن اس ہلے سے معرضِ ہلاکت میں پڑینگے۔ اُن کو بچائیں اور انکے والدین کو ماتم سے محفوظ رکھیں!

سپہ سالار صاحب نے الحاح کے ساتھ یہ التجا کی اور واضح طور پر اپنی خدمت کا سمت جنوبی میں مؤثر ہونا بتادیا۔ جسکا زود اثر یہ ہُوا کہ ان کو دوسرے ہی دن بلا احباب کو وداع کئے بیخبرانہ فرانس کی طرف رخصت کردیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہُوا کہ باغی بھڑک اُٹھے۔ انھوں نے اپنی اطاعت کی یہ شرط قرار دی تھی کہ محمد نادر خان اُنکی شفاعت کر کے اپنی وساطت سے مصالحت کرادیں۔ امان اللہ خان کو یہی بات شاق گذری کہ میرے مخلوقوں کے سوا آیا اور کوئی جداگانہ بھی اتنا رسوخ رکھتا ہے، میں ایک نااہل شخص کے ذریعے اس سمت کو مغلوب کر کے دکھادونگا۔ کہ ملک میں ایک میں ہوں، جو چاہوں کروں۔ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ۔ میں نے اپنے سوا تمہارے لئے اور معبود نہیں جانا تھا!

پایۂ تخت کا جنوب اور مغرب سے ایک طرح محاصرہ ہوگیا۔ لوگر میں سخت ہنگامہ برپا ہُوا، اور ادھر باغی وردک

میں آ پہنچے، شہر میں ایسی افواہیں پھیلنے لگیں کہ باشندے حواس باختہ ہو کر اپنے قیمتی اسباب کو گڑھے کھود کر دبانے لگے۔ کئی گھرانے چپکے چپکے دیہات کی طرف بھاگ گئے۔ اگرچہ کہتے کہ وہاں بھی معقول پناہ نہیں ہے، وحشی حملہ آور گھروں میں گھستے مال متاع کو زمین کے اوپر اور نیچے سے نکال کر اگر دہیں کوئی مواشی پاتے تو اسی پر لاد کر اسی گھر والوں کے ذریعے اسے ہنکاتے اپنے علاقے کو لیجاتے تھے، ذرا سے انکار پر زخم لگاتے اور اکثر مار ڈالتے تھے۔ عبدالکریم بھی ہندوستان سے انکے درمیان آ پہنچا اور ایک بادشاہی کی صورت بنگئی۔ اگرچہ حکومت خود ملا لنگ ملا کرتا تھا جسکی کرامتوں کے قصے ہر طرف مشہور ہو گئے، عبدالقدوس خان صدر اعظم لوگر میں بھیجے گئے اور وہاں سے انکو ایسا بھاگنا پڑا کہ انکی عمر بھر کی عزت تلف ہوئی۔ کابل کے مستند علماء و مشائخ جو صلاح کے لئے مقرر ہوئے تھے گھر لئے گئے۔ اور جس قالین پر وہ بیٹھے ہوئے تھے اسکے چاروں کونے چھروں سے کاٹ لئے گئے تاکہ انکا ظریفانہ تبرک رہے۔ یوں انکو شرمندہ واپس آنا پڑا۔ سفارتخانوں کو بہت خوف لاحق تھا کیونکہ باغی پہلے انہی پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ کہتے تھے کہ ملک اسلام میں کفار کی کیا مجال ہے کہ مسلمانوں کے مساوی بلکہ ان سے بڑھکر شان سے اقامت کریں۔ انکو گھوڑوں پر چڑھنے کی اجازت نہیں ہوسکتی، گدھے پر سوار ہو کر پیٹی کی بجائے کمر میں رسّی باندھنی ہوگی۔ پہلے تو انکو سزا دیجائیگی کہ کیوں مسلمانوں سے زیادہ عظمت میں رہتے تھے یعنی موجودہ سفیروں اور انکے ملازموں کو مار کر آئندہ صرف انہی کو سفارت لانے کی اجازت ہوگی، جو ذلیل ہو کر رہینگے۔ امان اللہ خان کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ انکی لمبائی دیکھ کر ترس آتا تھا۔ باغی کہتے تھے کہ اس نے قرآن کی بجائے قانون رائج کر دیا ہے۔ اسکا اثر سارے ملک میں برا پڑتا تھا۔ اور انکی ہمدردی کی لہر ہر جانب دوڑنے لگی تھی!

امان اللہ خان کے اکثر کاموں میں صدق اور عقل کو کم دخل ہوتا، مگر چونکہ غلاو سطوۃ شامل حال تھی۔

قیاس کیا جاتا کہ شاید کوئی ایسی دلیل عمیق ہو، جو سمجھ میں نہیں آتی۔ عبدالحمید خان نامی مکتب حربیہ کا ایک ممتاز متعلم رہ چکا تھا۔ مگر بد معاش بھی پرلے درجے کا تھا، چنانچہ امان اللہ خان نے اپنی شہزادگی کے دوران میں اُسے مارا۔ اور محبوس کیا تھا۔ اب اسے رئیس ارکان حربیہ بنایا گیا۔ اس نے شہر کے اوباش جوانوں کی جماعت بھرتی کر کے اُسکا نام پلٹن جانباز رکھا۔ اور اُسکو لیکر سمت جنوبی کو فتح کرنے کیلئے روانہ ہوا۔ لوگر سے گذر کر شام کو اس پہاڑی کے دامن میں پہنچا۔ جہاں سے کوتل تیرہ (تیز گھاٹی) شروع ہو کر سمت جنوبی کو جاتی ہے اور یہ قصد کیا کہ علی الصبح اسکو عبور کر کے فوراً دشمن پر ہجوم لے جاؤنگا۔ کیونکہ نئے عسکری قواعد میں حملہ رات کے پچھلے حصے میں کیا جاتا ہے اسلئے جاگنا مناسب سمجھا گیا۔ مگر اس طرح کہ لوگر کے حاکم کے ساتھ شطرنج کھیلتے اور اکیلے شراب کا دَور چلاتے کیونکہ بیچارا حاکم پرہیزگار شخص تھا۔ باوجود اسکے جب گرد و نواح کے احمد زائیوں نے شبخون مارا، تو دونو مارے گئے بلکہ ایک اور برگڈیر بھی ہلاک ہوا، اور اکثر پلٹن کے سپاہیوں کو بھی اپنی جانوں پر کھیلنا پڑا۔ یہ وہ احمد زائی تھے جو انگریزوں کے کوچ کے وقت سے روپیہ لینے پر بدنام چلے آتے تھے۔ عبدالحمید نے انکی طرف سے بے پروائی کی اور اپنے لشکرگاہ میں بھی حفاظت کا اہتمام نہ کیا۔ شہر میں اُسکے قتل کی خبر عام ہوگئی۔ اور لوگ بجائے افسوس کے ہنستے تھے، کیونکہ ایک عیاش اور نکما جوان تھا۔ مگر امان اللہ خان اور اُنکے اہل حکومت اس خبر کو چھپاتے جس پر لوگ اور ہنستے ؛

محمد ولی خان کو وزیر حربیہ مقرر کر کے سپہ سالار کی حیثیت میں سمت جنوبی روانہ کیا۔ یہ شخص یورپ کے سفر میں بڑی محنت سے سیاسی خدمات بجالایا۔ اور عیش و عشرت ناجائز میں بھی نہیں پڑا تھا۔ ویسے بھی لوگ اُسکی شرافت اور مروت کی تعریف کرتے تھے۔ مگر میدینہ سطونیہ بھی اچھا آدمی تھا، لیکن اسکی انسانیت ہسپانوی آرمیڈے کی قیادت کی قابلیت نہیں پیدا کر سکتی تھی۔ اسکے انگوری باغوں میں سے اکھاڑ کر اسے انگریزوں کے

مقابلے میں بھیجدیا جہاں ہاکنس اور ڈریک جیسے بحری تازی اسے نوک دم بھگانے کیلئے کافی تھے۔ محمد ولی خان کی آدمیت اسے ایک صف معرکے کی لیاقت نہیں دیسکتی تھی۔ بلکہ وہ تماماً اسکی افسری کیلئے نااہل تھا اور جتنے لوازم ایک سپہ سالار کیلئے لابدی تھے، ان سب سے عاری تھا۔ اول ایسا شخص درکار تھا، جسے فوجی فنون سے آگاہی ہوتی، لڑائیوں میں تجربہ کار ہوتا۔ دوم سمت جنوبی میں کبھی گیا ادر وہاں کے جغرافی حالات سے واقف ہوتا۔ سوم افغانی قبائل کی خصوصیات سے مطلع ہوتا جنمیں بڑی الجھنیں ہوتی ہیں۔ چہارم پشتو دان ہوتا جسکے سوا وہاں کوئی اور زبان بولی اور سمجھی نہیں جاتی، پنجم نسب کے اعتبار سے ایک خاندانی یا معمولی ہی افغان ہوتا۔ ششم اس طرف کے افغانوں کے ساتھ آشنائی اور لحاظ ہوتا، ہفتم فیاض ایسے وسیع پیمانے پر ہوتا کہ اسکی شہرت سے سمت جنوبی کے لوگ بھی متاثر ہوتے۔ محمد ولی خان ان ساتوں ہی چیزوں سے کمال درجہ بے بہرہ تھا۔ ایک ملا کو جس نے لہو ولعب میں کبھی حصہ نہ لیا ہو تاش یا شطرنج کی بازی میں لگادینا، ایک جوان قوی پہلوان کو جسنے نئی ورزشیں کبھی دیکھی نہ ہوں، کرکٹ یا فٹ بال کا کپتان بنادینا اگرچہ اسکا مقابلہ سکول کے خام بچوں کے ساتھ ہو، سوائے ہار کے اور کیا نتیجہ بخش ہوسکتا ہے۔ مگر افغانستان کی مال وجان کی کھیل تھی، لاکھوں روپے ضائع ہوئے اور ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ جو اندھیرا تمام ملک میں چھایا رہا اور قریب تھا کہ استقلال قانون اور سلطنت ہی ملیامیٹ ہو جائے، اسکا ذمہ دار کون تھا؟ محمد ولی خان جاتے ہی گردیز میں محصور ہوگیا۔ اور لڑائی کے اختتام تک وہیں رہا۔ کیونکہ اس قصبہ کے لوگ نسباً افغان نہیں ہیں۔ اور فارسی بولتے ہیں۔ شاید دل بہل گیا ہوگا!

(۷)

عین خطرے میں شہکاری اور عیّاری

پغمان میں وزارتیں کام کر رہی ہیں اور جشن کی تیاریاں بھی ہو رہی ہیں تاکہ لوگوں کو بغاوت کے خطرے اور وخامت کا احساس نہ ہو مگر وہ سیلاب اُمنڈ رہا تھا خبر آئی کہ غزنی کے علاقہ کو بھی بہالے گیا، اور کابل کی طرف دو جانب سے بڑھ رہا ہے۔ شہر سے تقریباً ساری فوج کوچ کر چکی ہے اور مع توپوں کے اکثر غرتاب بھی ہو چکی ہے۔ پغمان میں تھوڑا سا رسالہ شاہی ہے اور باغی صرف پہاڑ کے دوسری طرف لوٹ مار مچا رہے ہیں۔ میں نے ایسی حالتمیں نقشۂ جنگ کھینچکر ایک عریضہ لکھا جسکا مضمون یہ تھا کہ برمنی گولے برستے اور بیچ میں طلبہ امتحان دے رہے تھے۔ ادھر انگریز بھی کہتے کہ ہر چیز حسب معمول جاری ہے، اور لڑائی کی تیاری بھی ہو۔ لارڈ کرزن نے آخر قطعی طور پر اعلان کیا کہ لڑائی جبھی کامیابی سے ہو سکتی ہے کہ کوئی چیز بھی حسب معمول نہ ہو۔ افغانستان میں یہی نوبت پہنچ چکی ہے۔ اب لوگونکو بیخبری میں رکھنے کی بجائے انہیں مدافعت کیلئے آمادہ کرنا چاہیئے۔ وزارتیں واپس کابل میں جائیں، جشن فوراً ملتوی کیا جائے اور باغیوں کو اطلاع ہو کہ حکومت اپنی تمام موجودیت سے مقابلہ کرنے پر اُتری ہے۔ چونکہ وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر کابل اور غزنی کے نواح میں پھیل گئے ہیں۔ اسلئے مشہور کیا جائے کہ قندھار کے باشندے ایک طرف سے اور جلال آباد کے دوسری جانب سے ان کے علاقوں پر ہجوم لانے کو ہیں۔ بلکہ آفریدی اور وزیری بھی پیچھے سے ان کے گھروں میں داخل ہو کر نہ صرف مال و متاع کو بلکہ ان کے زن و فرزند کو اٹھالے جائینگے۔ اس تجویز کے ثبوت کیلئے فی الفور

بعض اشخاص روانہ کر دیئے جائیں مثلاً علی احمد خان سمت مشرقی میں تاکہ سرحدی قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملائے۔ کیونکہ اسکا رسوخ جلال آباد کی طرف زیادہ ہے۔ اسیطرح دوسرے نامدار اصحاب کو جنہیں پہلے سے باغی پہچانتے ہیں اور انکی بہادری کی شہرت عام ہے، اُنکے مقابلہ میں بھیجا جائے۔ جب چار طرف سے گھرنے کی خبریں پہنچینگی، تو وہ اپنے حملوں میں ثابت قدم نہیں رہینگے۔ اور اکثر اپنی عورتوں، بچوں اور اموال کو بچانے کے لئے میدان سے ہٹ نکلینگے۔ کابل میں جتنی سپاہ باقی ہے سب لڑائی کے لئے بھیجدی جائے، اور پولیس کے علاوہ شہر اور دیہات سے جوان آدمی نکل کر اپنے اپنے محلوں کی حفاظت کریں۔ مکاتب کے معلم، متعلم اور چپڑاسی بھی عسکری خدمات پر مامور ہو جائیں، اور طلبہ خصوصاً اعلیٰحضرت کی پاسبانی کریں، کیونکہ ان سے بڑھکر ذاتِ شاہانہ کا فدائی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے یہ بھی لکھا کہ اگر میری پانچسال پہلے کی تجویز پر عملدرآمد ہو جاتا تو اب سنج اور آزمودہ فن اہل معارف دو ہزار حاضر ہوتے۔ اب بھی ایکہزار جوان تیار ہو سکتے ہیں، جو کچھ دن نشانہ لگانے کا کام بھی سیکھیں اور رات کو پہرہ بھی دیں۔

میں نے یہ عریضہ وزیر دربار کو دیدیا اور تاکید کر دی کہ نہایت ضروری ہے، فوراً حضور میں تقدیم کر دیا جائے۔ اور وہ پہلے معمولی خط بھی پہنچا دیا کرتا تھا۔ میرے جن احباب کو اس نقشہ اور عریضے کی اطلاع تھی وہ دوسرے دن کہنے لگے کہ کتنی جلدی اسپر عمل شروع ہوا۔ وزارتیں کابل کی طرف روانہ ہو گئیں۔ جشن ملتوی ہو گیا علی احمد خان کو بلا تاخیر جلال آباد جانیکا حکم مل گیا۔ قندھار وغیرہ کی طرف انہی لوگوں میں سے بعض مقرر ہوئے جنکا میں نے ذکر کیا تھا اور یہ اشتہار بھی کیا گیا کہ باغیوں کو آگے پیچھے اور ہر جانب سے گھیرا اور اُن کے گھروں کو تباہ کیا جائیگا۔ اسکے علاوہ دوسری تحریک کی یوں تعمیل ہوئی، کہ وزیر معارف نے مدیروں کو بلا کر کہا، کہ اب خدمت کا وقت ہے۔ اگر وہ مناسب سمجھیں تو ایک عریضہ حضور میں پیش کریں کہ ہم سب فوج

ین داخل ہونے کو آمادہ ہیں۔ امید ہے کہ اعلیٰحضرت ہماری درخواست قبول فرمائینگے۔ مدیر ہنستے تھے کیونکہ میرے ماتحت اور اکثر شاگرد بھی تھے اور عریضے سے ضرور آگاہ تھے ؛

اس کے تین چار دن بعد وزیر دربار کہنے لگا کہ اگر آپ کا عریضہ بہت ضروری ہو، تو میں اب پیش کردوں۔ میں نے مسکرا کر کہا کہ اسکی سبھی باتوں پر عمل ہوگیا ہے۔ امان اللہ خان کو یہ گوارا نہ ہوا کہ انکی اپنی تدبیر کے سوا اور کسی کی تجویز بھی لڑائی کی کامیابی میں شامل سمجھی جائے۔ اور مجھے یہ بتانا چاہا کہ میرا عریضہ انکی نظر ہی سے نہیں گذرا، اور انھوں نے خود ہی سب تجاویز سوچی اور نافذ کی ہیں۔ مجھے تو کوئی مفتخرانہ گمان نہیں تھا اور میں ہمیشہ گمنامی میں عاجزانہ خدمات بجالاتا رہا۔ مگر امان اللہ خان کی تنگدلی، خودغرضی اور مکاری اسی سے خوب ثابت ہوتی ہے۔ ایسی بدنیتی کے مالک کو بھلا ملک میں پائیداری ہوسکتی تھی ؟

پھر پانچسال اور گذر جاتے ہیں اور جنوب کی بجائے اب شمال سے خطرہ پیش آتا ہے، میں خاموش ہوں کیونکہ اب ۱۰ سال سے لڑکے بالکل عسکری تعلیم سے ناآشنا ہیں، حالانکہ پہلی بغاوت میں انہی میں سے ۵۰ نوجوان طلبہ لنگڑے ملا کو اپنی حراست میں سمت جنوبی سے کابل لیکر آئے تھے۔ اب بچہ سقا کو لے آتے، اگر اتنے برس انکی فوجی قواعد سے کامل بے پروائی برتی گئی۔ پھر بھی وقت پڑے پر انھیں بندوقیں دیجاتی ہیں۔ جن کو چلانے کی بجائے اُٹھانے سے قاصر اور لوگوں کا مضحکہ بن رہے ہیں۔ امان اللہ خان کی سب باتیں ادھوری رہجاتی ہیں، کسی اچھی چیز کو مکمل نہیں کرتے۔ مہلت دیجاتی ہے۔ پھر بھی متنبہ نہیں ہوتے، آخر گرفت واقع ہوتی ہے اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ؛

میں نے اپنے مذکورہ بالا عریضے میں ایک تجویز کا اشارہ دیا ہے جس پر عمل نہیں ہوا تھا۔ مدیر مکاتب مقرر ہونیکے پہلے ہی دن میں نے بارگاہِ خسروی میں یہ معروض کیا۔ کہ تحصیل علم کیساتھ طلبہ کے جسم کا پورا لحاظ رکھنا

چاہیئے کیونکہ قلب سلیم قالب صحیح میں جاگزین ہوتا ہے۔ کرکٹ، فٹ بال وغیرہ تندرستی حاصل کرنیکا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں اور انمیں ایک طرح کی اجتماعی تربیت بھی ہوتی ہے، مگر یہ کھیلیں نفسِ خود ناقص ہیں۔ ایک میں افراط سے ریاضت ہوتی ہے اور دوسری میں تفریط سے۔ پھر یہ دیکھنا ہے کہ آیا ہم افغانستان میں انکو رواج دیسکتے ہیں؟ جیسا ہر افغان لڑکا تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہے۔ اُسے لازماً جسمانی ورزش بھی کرنی چاہیئے۔ ایک کابل میں مثال کے طور پر دسہزار طلبہ فرض کیجئے۔ مذکورہ کھیلوں کے لئے سولڑکے ۴ کھیتوں میں جنکی معین لمبائی چوڑائی ہوتی ہے، سما سکتے ہیں، ہزار کے لئے ۴۰۔ اور دسہزار کے لئے ۴ سو میدان چاہیئں۔ آیا کابل شہر میں گنجائش ہے کہ چارسو میدان ورزش کیلئے علٰحدہ کئے جاسکیں۔ موجودہ حالتمیں پانچ زمینیں بھی نہیں اور آئندہ بھی نہیں ہوسکتیں۔ اور نہ کسی دنیا کے شہر میں ممکن ہیں۔ کرکٹ وغیرہ ایسی کھیلیں ہیں جنمیں پہلوانوں کے طور پر سو میں سے چند لڑکے بمشکل حصّہ لیتے ہیں۔ باقی ہوا خوری وغیرہ پر اُترتے ہیں، اور ہمیں ایسا انتظام کرنا چاہیئے۔ کہ سب لڑکے مساوی اور مکمل ورزش کرسکیں اور ورزش کے خیال سے اسمیں شریک ہوں نہ کہ اسے ہی ایک ہنر بنالیں اور علم و فن سے اسی اندازہ سے بے بہرہ رہجائیں جیساکہ ہندوستان حتّیٰ کہ انگلستان میں ہوتا ہے۔ اسکے لئے یہ چارہ ہے کہ جمناسٹک مکتبوں میں لازمی ہونیکے علاوہ باہر ڈیڑھ دو گھنٹے ہر روز جو کھیلوں میں صرف ہوں، فوجی قواعد سیکھنے میں خرچ ہوں، جس سے ورزش کا سامان پُورا مہیّا ہوجائے گا ہفتے میں ایک دن اکٹھے ہوکر چکر لگائیں اور مہینے میں ایکبار میدانوں اور پہاڑوں میں مصنوعی لڑائیاں لڑیں؛ اس طریقہ سے سب کو ورزش کا مساوی موقعہ ملیگا۔ اور اجتماعی جذبات کو منضبط کرنے کی بھی تعلیم ہوتی رہیگی پھر آڑے وقت پر ان سے بڑھکر حکومت کا جان نثار عسکر اور کوئی نہیں ہوگا؛

امان اللہ خان نے بڑی خوشی سے اسے قبول کیا۔ پہلے ہی دن میں نے ڈھائی سو نوجوانوں کو مکتب

حربیہ میں عصر کے وقت جا حاضر کیا اور انہوں نے چار مہینوں میں جرنیل محمود سامی کے شاگردوں کے برابر سب فوجی کام سیکھ لئے۔ اسکی آنکھیں کھُلیں کہ لاکھوں روپے سالانہ اسکے مکتب پر خرچ آتا ہے، اور یہ لڑکے اپنی اصلی تعلیم کے علاوہ خارج وقت میں کوشش کر کے قواعد اور نشانہ لگانے میں اسکے طلبہ سے آگے بڑھنے کو ہیں، تو اُس نے خیانت سے میرے ۹۰ شاگردوں کو اپنے مکتب میں داخل کر لیا اور اعلحضرت کو ایسی پٹی پڑھائی کہ فوجی تعلیم کا کام ہمیں خود سرانجام دینا پڑا۔ یہ بھی کوئی دشوار امر نہیں تھا، ایک دو افسروں کے ذریعے شام سے پہلے ہم خود قواعد سکھاتے رہے اور بندوقیں بھی سنبھالتے تھے :

ایک سال کے بعد میں ہندوستان آیا، اور چونکہ بارہ سال عزیزوں سے دُور رہا اور انکے نزدیک قبر سے نکلا تھا، لامحالہ چھ مہینے اُن سے ملتے ملاتے اور گھر بار کا انتظام کرتے گذر گئے۔ جب واپس کابل گیا تو کرکٹ، فٹ بال وغیرہ شروع ہو گئے تھے۔ اپنے ارادوں کو مدنظر رکھکر امان اللہ خان نے یہ شبہ کیا ہوگا کہ حکومت کی بے اعتدالی پر پہلے ہی تعلیمیافتہ نوجوان بگڑینگے۔ اور اگر یہ قلم کے ساتھ شمشیر پر بھی قابض ہوئے تو انکو کون تھامے گا۔ اسلئے آلہ جارحہ سے انکو آشنا ہی نہ کیا جائے۔ اور فارغ اوقات میں کھیلوں کے گرویدہ بنایا جائے۔ تاکہ اسمیں مشغول رہکر حکومت پر نکتہ چینی کی فرصت نہ پائیں۔ اسیطرح شہریوں میں پہلے بٹیر، مُرغ اور کبوتر وغیرہ موقوف کرکے پھر جاری کر دئیے۔ تاکہ ایسی فضول عادات میں پڑکر حکام کی غیبت اور بدگوئی سے باز رہیں۔ مگر ان میں بھی مردانہ ورزشیں جاری کیجاتیں۔ تو "پلٹن جانباز" بہتر شجاعت رکھا سکتی، اور طلبہ تو ضرور سب سے زیادہ فداکاری کا ثبوت دیتے، مگر پہلے غفلت اور آخر وقت پر بیداری کیا فائدہ پہنچا سکتی تھی، خصوصاً جبکہ نیت میں خلل ہو۔ فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا، کہ ایسا عالم جس کا علم عمل کے موافق ہو، اور ایسا عامل جسکا عمل اخلاص کے مطابق ہو، ملنا مشکل ہے۔ محمد بن فضلؒ نے لکھا ہے ۔۔ کہ

اگر علم کے ساتھ عمل اور عمل کے ساتھ اخلاص نہ ہو، تو یہ شقاوت کی علامت ہے۔

اب دیکھئے کہ امان اللہ خان سمت جنوبی کے عین خطرے میں کیا کیا عیاریاں دکھاتے ہیں، جرگہ منعقد کرکے جسمیں تمام ملک کے وکلاء و مبعوثین بلائے گئے ہیں۔ ملاؤں اور عوام کیلحاظ بعض قوانین مثلاً نکاح، محصول، فوجی جبری خدمت وغیرہ میں ترمیمیں کرتے ہیں۔ اور یہ سب تبدیلیاں مجلس میں بحث ہونیکے بعد کیجاتی ہیں۔ جب یہ سب امور فیصلہ ہوکر لکھے اور حضار کے دستخطوں کے لئے پیش کئے جاتے ہیں، تو انمیں ایک یہ فقرہ بھی پایا جاتا ہے کہ مشروطہ شریعت کے خلاف ہے۔ جو شخص بادشاہ کے اختیارات کو مشروط و محدود کرنیکا خیال رکھے وہ شریعتِ غرا کا مخالف ہے۔ اس پر بھی سب کا امضاء کرالیا۔ ہم لوگ اسی الزام پر امیر حبیب اللہ خان کے ہاتھوں محبوس رہے، اور نو آدمی مارے جاچکے تھے۔ اسی روش کو امان اللہ خان نے شروع سلطنت میں علانیہ اختیار کیا، اور داخلی و خارجی آزادی اور حریت کو اپنا مسلک قرار دیا تھا، اپنی مشروطیت[۵] کے اعلان سے وہ ترکیہ، ایران اور دیگر ممالک میں اپنی وسعتِ خیالی اور فراخدلی کیلئے مشہور ہوئے۔ جب مقصد حاصل کرلیا تو مشروطہ والوں کو اپنی شخصی آزادی اور استبداد میں مخل اور مزاحم جانکر ملاؤں اور عوام کے جھگڑے میں جو مشروطہ کے نام سے بھی واقف نہ تھے، ورنہ وہ بھی مشروطہ خواہ ہوتے، اس فیصلے کو بھی گھسیڑ دیا، اور اپنی بادشاہی شخصیت کا مطلب بھی نکال لیا۔ یہ امر مطلق معرضِ بحث میں نہیں تھا، اور نہ کسی کو اسکی مخالفت کا خیال تک تھا۔ محمود بیگ خان اسوقت فرانس میں تھے، جب واپس آئے تو بہت مایوس اور برافروختہ تھے، کہتے تھے۔ کہ امان اللہ خان نے نہ صرف اپنی ذات کو بلکہ ملک و ملت کو دنیا میں بدنام کردیا۔ اسی طرح اور بیدار مغز اشخاص سخت ناراض تھے، امان اللہ خان کو منافق سمجھنے لگے کہ بہرحال اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتا ہے، بوڑھوں اور جوانوں، کہنہ خیالوں اور روشن فکروں سبھی کو دھوکا دیتا ہے۔

---

[۵] عبدالہادی خان نے کہا تھا ؎ محب قوم و فدای دین جزاہ اللہ۔ کہ ماند سنت مشروطہ را قوام داساس۔

اسی طرح آخری جرگے میں تمام ملک سے وکلاء طلب کئے جاتے ہیں، انکو سرکاری لباس پہنایا جاتا ہے جسمیں یورپین ٹوپی اور نیکٹائی داخل ہے۔ جن پر لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں۔ جب وہ لوٹ کر گھروں کو جاتے ہیں، تو ان کی وضع دیکھکر ہی عوام بگڑتے ہیں، چہ جائیکہ ان کی باتوں کو وقعت دیں۔ اوّل تو پورے واپس بھی نہیں جاتے، کیونکہ کوہستان کئی صوبوں کا راہ ہے۔ بچہ سقّا اور سید حسین انکو لوٹتے ہیں۔ اس اجنبی پوشاک کے ساتھ وکیل اپنے ہاں کیا تحفہ لے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بالغ لڑکے کی بجائے چھوٹا بیٹا ولیعہد ہوا۔ دوسرا یہ کہ دیوبند کے تعلیمیافتہ لوگ جو باہر کے رہنے والے ہیں ملک میں نہیں آسکتے اور جو افغان ہیں وہ زیر حراست رہیں۔ تمام ملت دیوبندی علماء کو حرمت کی نظر سے دیکھتی ہے، بادشاہ کو اس بات پر تلے ہوئے پاکر وکلاء اسکے ساتھ متفق ہوجاتے ہیں، کہ اپنے علاقوں میں پہنچکر پھر مخالف ہوجائینگے، دیوبند کے ملاؤں کو بھلا جرگے میں لپیٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب سب لوگ انکے ہمخیال تھے۔ مطلب صرف یہ تھا۔ کہ اپنے ذاتی عقیدے کو قومی رنگ دے کر ایسے علماء کو دور رکھیں، جو اسکی ترویج میں مانع آسکتے ہوں، اور لباس وغیرہ کے متعلق جن متبدعات کا منصوبہ باندھا تھا۔ اس میں کوئی حائل نہو سکے۔ ع نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔ یہ حیلے اور تزاویر دونو طرف سے شروع ہوئے۔ بادشاہ اور ملت فی الواقع ایک دوسرے سے بیگانہ ہوگئے۔

اسی طرح ہر طرف سے مکر و فریب کا بازار گرم ہوا۔ کوئی وزیر چار جوانوں کو اپنے ساتھ گانٹھ کر جن میں سوائے روشن ظاہر اور نئے لباس والوں کے متنور باطن کوئی نہیں تھا، جدید فریق کا لیڈر بنتا، اور اس طرح بادشاہ کو اس کی تنزلی میں تائی اور ترنیع کے لئے ترغیب ہوتی۔ درحقیقت نیا فریق جیسا کہ ترکیہ، ایران اور بخارا میں مورد انقلاب ہوا۔ افغانستان میں نہایت معدود اور ملمع تھا۔ امان اللہ خان اپنے گھر میں شاہانہ سیاست کی تعریف کر کے افتخار سے کہتے کہ میں دونو فریقوں کو ترازو کے

پلڑوں کی طرح بڑے حزم واحتیاط سے برابر بٹھائے ہوئے ہوں، ورنہ دو نوکٹ مریں جہاں انچہ ایک وزیر اگر نوجوانوں کو لئے لئے پھرتا تو دوسرا یہ دکھاتا کہ انکی جمعیت بڑھ رہی ہے۔ اور ملت عام طور پر انکو پسند نہیں کرتی۔ اس لئے انکو نیچا دکھانا چاہئیے۔ اس مشورہ سے وہ اپنے آپ کو مفرط خیال گروہ سے الگ قرار دیکر اعتدال پسند بنتا اور یوں اپنی مطلب برآری کرتا۔ فی الواقع بہت کم لوگ ان امور کی پرواہ کرتے تھے۔ صرف بعض اشخاص اُسے ایک ذریعہ اپنی بڑائی اور بڑھنے کا اختراع کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ نئی روشنی سوائے صبح کاذب کے عرض کے کوئی جوہر نہیں رکھتی تھی۔ بچہ سقا کے آنے پر اگر داڑھی اور مونچھوں کا مُنڈانا سفید چمڑے کی روشنی مراد تھا تو پھر گھنے اور لمبے بالوں نے اندھیرا کردیا۔ انگریزی مثل کے مطابق شیطان کو بھی اسکا حق دینا چاہئیے۔ بچہ سقا جاہل مطلق، سفاک اور رہزن تھا، مگر بادشاہی کے زمانے میں اُس نے بعض محیّر العقل باتیں بھی کیں ہیں، چنانچہ گیارہ آدمی مجلس تنظیمیہ میں الحاد اور ارتداد کے الزام پر مستوجب قتل قرار دیئے گئے، مگر بچہ سقا نے کہا کہ امان اللہ بے دین تھا اسلئے بعض جوانوں کو بھی لامذہبی کی جرأت ہوئی، اگر اب انہوں نے ویسے خیال ظاہر کئے تو البتہ سزا دونگا۔ جاہلوں تک کو معلوم تھا کہ جدید خیالی ایک عارضی چیز ہے، مگر امان اللہ خان اس بارہ میں بھی دھوکا دیتے اور کھاتے تھے۔

(۸)

حق تلفی، بے انصافی، ظاہر داری اور غرض برآری

ضرب المثل ہے دو ملّا میں مرغی حرام۔ کابل میں کہتے ہیں کہ بہت سے قصابوں میں بھیڑ مُردار ہو جاتی ہے۔ انگریزی مقولہ ہے کہ اندازے سے زیادہ باورچی سالن کو بگاڑ دیتے ہیں۔ باوجود اس عام حقیقت کے امان اللہ خان ملکی اور فوجی کام اسی طرح خراب کرتے۔ ہر ایک وزیر کے ساتھ ایک معین جکڑا جاتا، جو ہمیشہ اسکا مخالف ہوتا اور اسی کو نظر شاہانہ منظور رکھتی۔ عبدالہادی خان جیسے راستباز، مخلص، دلاور اور یگانہ فرزند افغانستان کے ساتھ ایسے شخص کو باندھا جاتا جو رشوت لے کر سب اچھی تجویزوں اور مناسب تجویزوں کو منقلب کر دیتا۔ علم سیاست میں مجالسِ مشورۃ کو محاربے کے لئے مضر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جبتک بحث اور فیصلہ ہو، جسمیں ضرور دیر لگتی ہے۔ دشمن فوری پیشقدمی سے فتح کی بنیاد مستحکم کر سکتا ہے۔ اسی لئے انگریزوں نے لارڈ کچنیر کو جنگ عظیم میں پورے اختیارات دیئے مگر امان اللہ خان نے سمت جنوبی میں کسی ایک شخص کو مختار نہ بنایا۔ ایک پر دُشمنی کیوجہ سے دوسرے کو اسپر نگران مقرر کیا۔ پھر ٹیلیفون میں خود بھی دخل در معقولات ہمیشہ دیا۔ جرنیل محمد عمر خان کہتا تھا کہ بچہ سقا کی آخری فتح کا ایک سبب امان اللہ خان کا ٹیلیفون میں اپنی بات منوانا اور ہر موقعہ افسر کی تجویز کو رد کرنا تھا۔ ایسے حالات کے اندر لوگر کی لڑائی میں جرنیل شاہ ولی خان محصور ہو گئے اور کئی دن چنے چبا کر اور کیچڑ پی کر جب باغیوں کو شکست دی تو واپس بلائے گئے۔ ابھی لڑائی بڑی شدت سے جاری تھی اور پغمان میں جرگہ ہو رہا تھا، جسمیں محمد نادر خان کے خاندان کو کلیتہً شریک نہیں کیا۔

میری متواضعانہ یا متکبرانہ عادت تھی کہ وزراء اور سرداروں کے ہاں شاذ ہی قدم رکھتا جتنی کسی کی عزت اور مرتبت زیادہ ہوتی، میں اس سے استغنا برتتا اور جب وہ عتابِ مذلت میں پڑتا میں اُسکے پاس حاضر ہوکر تعظیم و تسلی کا وظیفہ بجالاتا۔ جرنیل شاہ ولی خان کے پاس میں جرگے سے نکلکر اکثر جایا کرتا۔ انہوں نے بڑے غمگینی کے لہجے سے کہا کہ ہم اگر معتوب ہیں تو کوئی سبب ہوگا۔ ہمارے والد اور چچا بوڑھے ہیں اور کئی سلطنتوں میں عزت سے سرگرم آزمودہ کار ہو چکے ہیں، اُنکو تو صلاح و مشورہ کیلئے جرگہ میں مدعو کر لیتے۔ امان اللہ خان کا ایک مقصد دنیا کو یہ دکھانا تھا کہ سپہ سالار محمد نادر خان کے خاندان کے بڑوں اور چھوٹوں سے وہ بے نیاز ہیں۔ اور اُنکے بغیر بھی اہم اور سب کام اتمام کو پہنچا سکتے ہیں۔ چونکہ اس ارادے میں قیمتی جانوں کا تلف ہونا اور بیت المال کا خالی ہونا متصور تھا جو معتد بہا درجے تک ہوا۔ امان اللہ خان کو پہلی دفعہ تو کامیابی ہوئی مگر اُس کی پاداش میں آخر سلطنت اسی خاندان کے ارکان کو سونپنی پڑی۔ جو اگر سمت جنوبی میں بغاوت کو فرو کرنے پر مقرر ہوتے تو بغیر کشت و خون اور صرفِ مال کے کامیاب ہو جاتے ؎

ایک دن معارف کی بعض تجاویز پیش کرنے کیلئے میں امان اللہ خان کے حضور میں گیا آپ گلخانے (محل ہوٹل)، میں کچھ کام کر رہے تھے اسلئے میں ذرا دُور جا بیٹھا۔ جرنیل شاہ ولی خان کو میرے پاس بھیجا۔ یہ پیغام دیکر کہ میں نے افغانستان کے نوجوانوں کی باگ تمہارے ہاتھ میں دی ہے اور اطلاعیں آتی ہیں کہ تم میرے اور میری طرزِ حکومت کے خلاف تقریریں کرتے اور جمہوریت کے خیالات پھیلاتے ہو۔ میں نے بیشک سخت خوف کھایا اور وہی کوٹھڑی دکھائی دینے لگی جو مجھ سے سو قدم کے فاصلے پر تھی۔ اور جہاں میں نے برسوں اسارت کی گذاری تھیں۔ میں نے کہا اگر مجھ میں کچھ عقل ہے، تو چاہیے کہ اس شخص کے خلاف کوئی بات نہ کہوں۔ جو مجھے اُسی قید میں بھیج سکتا ہے جس سے اُس نے چھڑایا۔ اگر بیوقوف ہوں، تو افغانستان کے نوجوانوں

کی رہنمائی کے قابل نہیں ہوں، اسلئے مجھے موقوف کر کے ہندوستان جانے کی اجازت دیجئے۔ میرے خیال میں جوان طلبہ کو حکومت کی مختلف طرزیں بتانا تعلیم میں داخل ہے اور جبتک سب طرح کی حکومتیں بیان کر کے اُنکی خوبیاں اور خرابیاں واضح نہ کی جائیں، لڑکے اپنا ہی خام خیال پختہ کیلیتے ہیں، میں مسلمان ہوں اور خلافتِ راشدہ کے طریقہ سلطنت کو ترجیح دیتا ہوں۔ مگر اعلیحضرت چونکہ مجالس میں سب معاملات مشورہ سے طے کرتے ہیں اسلئے میں انکو اپنی رائے کے غیر موافق نہیں پاتا۔ جمہوریت البتہ بہترین طرزِ حکومت ہے۔ مگر موجودہ افغانستان باوجود اپنی عام جہالت کے اسکے لئے کیسے موزوں ہوسکتا ہے، مثلاً اگر ملّت کی کثرت رائے پر کام چھوڑے جائیں تو پہلے فوراً ہی مکتبوں کو بند کردیں۔ یہی نادانی باعث ہے اُن اطلاعات کا جو میرے حق میں لوگ بادشاہ کو پہنچاتے ہیں، وہ سیاست کے مسائل کو کیسے سمجھ سکتے ہیں، کہ انکی صحیح اطلاع رکھیں۔ ایک شخص کہتا ہے۔ نیخواہم کہ در پایش خلدخارے۔ سامع اگر یہی سُنے تو اُسے خیر خواہ سمجھے گا۔ مگر وہ شخص بعد میں کہتا ہے: ہمیخواہم کہ در چشمش گزدمارے۔ تو پہلا مصرعہ بھی دشمنی کی تمہید ہوجاتا ہے (میں نہیں چاہتا۔ کہ اُسکے پاؤں میں کانٹا چبھے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُسکی آنکھ میں سانپ ڈسے) اعلیحضرت نے شاہ ولی خان سے میرا جواب سنکر مجھے تسلّی دی، کہ میں ان شکایات کو قبول نہیں کرتا تھا، صرف رفعِ اشتباہ کے لئے تمہیں آگاہ کیا گیا۔ تم خاطر جمع رہ کر اپنی خدمت کرتے جاؤ۔

یہ بھی امان اللہ خان کی ایک چال تھی، ورنہ رفعِ اشتباہ میری زبانی کیسے معقول ہوسکتا تھا۔ سردار شاہ ولی خان کو قاصد بنانا انکے اور میرے درمیان منافرت ڈالنا تھا، تاکہ وہ میری نسبت اور میرے ذریعے تمام احرار اور اصلاح طلبوں کے بارہ میں بادشاہی رائے سے واقف ہوجائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا، باوجودیکہ وہ جرنیل تھے یاور دربادشاہ اور انکے بہنوئی تھے، پھر بھی میں ایک دفعہ اُن کے ہاں نہیں گیا، جب وہ معتوب ہوکر

گھر میں رہتے تھے، بقول سعدی ؎

ہر کرا بادشاہ بر اندازد — کس از خیلخانہ نتوازد

جب لوگوں نے ان سے بے التفاتی کی، تو میں اُنکی خدمتمیں حاضر ہوا کرتا، جب وہ پھر بادشاہ کے بھائی اور انکے وزیر مختار کی حیثیت میں سفارتِ لنڈن پر گئے تو ہندوستان میں میرے پاس سے گذرے، مگر میں سٹیشن تک نہیں گیا۔

اسیطرح اعلحضرت غازی محمد نادر خان کو میں نے مبارکباد کا تار نہیں دیا۔ اور نہ ہی تہنیت کا خط لکھا حالانکہ اُن کی میرے ساتھ آشنائی تھی، اور جب میں بچہ سقا کے وقت جان جوکھوں کے سفر کے بعد مع عائلے کے پشاور پہنچا ہوں تو ایم۔ اے حکیم کو میں نے کہا تھا کہ افغانستان کی نجات صرف اسمیں ہے کہ محمد نادر خان کو کامیابی نصیب ہو جائے، میں کشمیر میں تھا کہ میرے بھانجے عبدالمجید خان ڈائرکٹر جنرل کوآپریٹو بنکس و زراعت نے فرطِ مسرت میں دوڑتے آکر مجھے خوشخبری سنائی اور ٹیلیفون میں اپنے دوستوں کو بھی فوراً بشارت دی۔ کہ محمد نادر خان بادشاہ ہو گئے، اس صدق و اخلاص میں نمائش کی آلائش آجاتی، اگر میں تبریک کی رسم بجالاتا۔ ایک دفعہ میں سپہ سالار صاحب کو ملنے گیا، آپ تشریف نہیں رکھتے تھے، اسلئے مجھے خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا:۔

عالیجاہ مشفقی ام مدیر صاحب معارف در حفظِ الٰہی باشید

کاغذِ آں دوست مہربان رسید و از رفتن خود برائے تاسیس مکاتب لوگر و غزنی نوشتہ بود بود و آمدن خود برائے ملاقات ہمراہ ایں دوستدار مرقوم بود۔ اگر ملاقات میسر نشود ہم بندہ را دوست خود داشتہ باشید۔ اللہ تعالیٰ خدمتگاراں را کہ در راہِ معارف ساعی اند از درگاہ خود اجر عنایت کندہٗ

فدوی محمد نادر

چنانچہ اپنے ارشاد پر وہ قائم ہیں اور وہ اور اُنکے بھائی میرے حق میں کلمات خیر کہتے، اور مجھے لُطف آمیز وضع سے یاد فرماتے ہیں، کیونکہ دل سے صادق اور غیور ہیں۔ اور دُوسری طرف سے بھی صداقت غائبانہ اور غیرت کو پسند کرتے ہیں ؛

جب محمدؐ نادر خان فرانس میں تھے اور اُنکے خاندان کو امان اللہ خان گوناگوں حقارت سے برطرف کرتے جاتے تھے۔ تو میں اکثر اپنے گھر میں حلقۂ احباب میں اور دفتر میں بے اختیار بول اٹھتا کہ اس خاندان کا ادنےٰ فرد دوسرے ہر خاندان کے بزرگ سے بہتر ہے۔ انمیں سے کوئی بھی رشوت نہیں لیتا۔ اور دوسرے سب اِس تمام جرائم کی جڑ سے سرسبز ہوئے ہیں، یہ خوش اخلاق، روشن خیال اور متدین ہیں اور باقی سب طرح طرح کے عیبوں سے ملوث۔ باوجود اسکے تمام مناصب اور عہدے مکاروں اور غداروں کے قبضے میں ہیں۔ اور اعزہ و اقربار محمدؐ نادر خان اپنی خالص قابلیتیں لئے گھر بیٹھے ہیں، میں انمیں امان اللہ خان کی بدبختی کا بیج بویا جاتا دیکھتا ہوں۔ جو معلوم نہیں اُنکے لئے کیسا تلخ اور کس شکل کا ثمر لائے۔ دُنیا میں ایک وقت تک لائق اور صلح اشخاص بیکار اور معطل رہ سکتے ہیں، آخر اوج عزت کو پہنچتے اور خلقت کو منفعت پہنچاتے ہیں، مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ۔ خدا تعالی کے کام ایسے نہیں۔ کہ ایمانداروں کو ویسے چھوڑدے جیسا اُنکے مخالف گمان کرتے ہیں۔ بلکہ آخر کھرے کو کھوٹے سے، پلید کو پاک سے جُدا کرکے بُروں کے علی الرغم نیکوں کو امتیاز دیتا ہے۔ اِن خیالات کا اظہار میں اکثر بے اختیار کیا کرتا تھا ؛

اعلیحضرت محمدؐ نادر خان کے والد ماجد مرحوم اور بزرگوار چچا مغفور جیسا برادرانہ الفت کے نمونہ حسنہ تھے اسیطرح چھوٹوں پر بھی کمال شفقت کا اظہار فرماتے۔ مجھے کہنے لگے کہ ہم تمھیں اپنا فرزند سمجھتے ہیں اسلئے اگر ہر روز نہیں تو ہفتہ میں ایک دفعہ ضرور آکر مل جایا کرو۔ میں کبھی کبھی انکی خدمتمیں حاضر ہو کر مشرف صحبت ہوتا، مگر جب

محمد نادر خان کے چچازاد بھائی وزیر معارف ہوئے، تو میں نے اُنکے ہاں جانا ترک کر دیا۔ کیونکہ اب خوشامد کا احتمال ہو سکتا تھا۔ ع۔ باپاس آبرویم از چشمۂ تشنہ رفتم۔ فیض محمد خان وزیر خارجہ میری اس عادت کے سب سے بڑے شاہد ہیں۔ جب وہ مکتب حبیبیہ میں متعلم تھے، تو بیمار ہو گئے۔ میں خبر پرسی کو گیا تو علاج کے درست نہ ہونے سے انہیں بُری حالت میں پایا۔ ڈاکٹر کو لاکر اپنے آدمی کو مقرر کیا کہ روزانہ دو بار خبر لے اور دوا لائے کیونکہ طبی تشخیص یہ تھی کہ سِل شروع ہو گئی ہے۔ اور اگر پوری کوشش نہ کی گئی تو مرض لاعلاج ہو جائیگی۔ جب فیض محمد خان وزیر معارف ہو کر بیمار ہو گئے، تو میں اُنکے ہاں نہیں گیا۔ کیونکہ میری اُنکو ضرورت نہ تھی اور میری عیادت سے غرض عبارت ہوتی، البتہ جب معاملات و روابط بڑھ گئے، تو پھر میری اور اُن کی ایک دوسرے کے ہاں آمد و رفت میں مضائقہ نہیں تھا۔

میری ذہنیت کی یہ کیفیت اور حساسیت کی یہ کمیت امان اللہ خان کی دو رویوں کے کئی مظاہر پاتی اور مجھے دلی تکلیف پہنچاتی تھی۔ مگر صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ تھوڑا سا گلہ سنانے کیلئے خوگر مدح ہونیکی کوشش کرتا۔ کیونکہ امان اللہ خان میں مدح کے قابل بھی بہت سی باتیں تھیں۔ وہ تو سُن لیتے، مگر گِلے پر گلّے پڑ جاتے جس سے جان کے لالے پڑ جاتے۔ سلطنت کے کاموں میں ملّاؤں کو دخل نہیں کرتے کہ ارتجاعی حرکات سے ترقی کے مانع ہیں نوجوانوں کو اُن کے مقابلہ میں تقویت دیتے ہیں۔ تاکہ اصلاحات جلد نافذ ہوں۔ پھر انہی آزاد نوجوانوں کو توڑنے کے لئے کہ بادشاہی میں خلل انداز ہو کر شاہانہ شخصیت کو ٹھیس نہ لگائیں، مشروطیت کو مطعون بناتے ہیں، اور اسکے حامیوں کو ملعون۔ ایک طرف قانون اور مساوات کا اعلان ہے، اپنے ماموں اور نانا کو قید میں ڈالتے ہیں کیونکہ نظامنامہ کے رُو سے یہی سزا اُن پر عاید ہوتی تھی۔ پھر بیسیوں اور اشخاص کو جو اُن سے بدتر قانون شکنی کرتے ہیں، پکڑتے ہی نہیں۔ انکی فعالیتوں کے ہجوم میں دراصل موقع نہیں ملتا تھا۔ کہ کوئی مشغول شخص زراعت

سے تنقید کر سکے۔ اب جو وہ سلسلہ ختم ہوا تو بغیر خوف کے اطمینان سے نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔ قانون کو اعلیحضرت نے اپنا آلۂ استبداد بنا رکھا تھا جس پر چاہتے اسکا اطلاق کروا دیتے اور جسے چاہتے چھوڑ دیتے۔

جب اپنے نانا کو قید کا حکم دیا تو میں نے ایک عریضہ لکھا کہ آپ انہیں بابا گرام کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ آپ کی طرف سے اور پہلے بھی نائب الحکومۃ مقرر ہوتے تھے۔ انکے بیٹے وزیر اور کئی رشتہ دار بڑے بلند عہدوں پر سرفراز ہیں۔ انکی عمر نوّے کے قریب ہے۔ شاید عزّت، غیرت اور ضعف کے سبب حبس کی تاب نہ لا سکیں۔ اس لئے قانون کی دفعہ عفو شاہانہ ان پر عاید کیجائے، جو عین عدل ہے۔ وہ جسے آپنے اور آپکے قانون نے عدل قرار دیا ہے۔ اگر عرف اور رواج کو لیا جائے۔ تو امیر افضل خان کو امیر شیر علی خان نے قید کر کے چاندی کی باریک بیڑیاں طشت میں رکھکر پیش کیں جنہیں وہ اپنی مرضی سے ڈال اور اُتار سکتے تھے، اگر سُنت نبوی کی طرف دیکھا جائے۔ تو آنحضرت صلعم نے باوجودیکہ حکم دیا تھا۔ کہ فتح مکّہ کے وقت کوئی قتل نہ ہو اور خالدؓ نے سترہ آدمیوں کو مار دیا۔ پھر بھی کوئی سزا نہ دی اور اتنا ہی فرمایا کہ میں خالدؓ کے اس عمل سے بری ہوں۔ جدید فن تربیہ میں نحیف اور حسّاس طالبہ کو بدنی سزا نہیں دیجاتی بلکہ جسمانی اور ذہنی کیفیّت دیکھکر مجازات عاید کی جاتی ہے۔ اسی معقول دلیل پر شریعت میں جزاؤں کا تعین نہیں، محکوم حد کو اسکی حیثیت اور استطاعت ظاہری و باطنی کے موجب سزا دیجاتی ہے۔ میرے اس عریضے کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بابائے گرام معمولی قیدیوں کی طرح رہ کر جیتے اور تندرست باہر آئے، جب وہ ہرات میں نائب الحکومۃ اور اُنکے بیٹے محمد ابراہیم خان وزیر عدلیہ تھے، تو میرے کہنے پر ان دونو نے معارف کی خدمت کی تھی، اسلئے میں نے جزائے احسان کا حق ادا کیا اور کبھی اس عریضے کا ذکر اُنکے سامنے زبان پر نہیں لایا تھا۔ باپ بچہ سقا کے وقت اپنی موت سے مرا اور بیٹا ہرات میں مارا گیا۔ تو لاکھوں روپے، بلکہ سُنا جاتا تھا کہ کروڑوں اُن کے ہاں سے برآمد

ہوئے۔ یہ کہاں سے آئے اور کیسے جمع کئے گئے تھے ؟ اس دھڑلے کی اور ڈھیروں رشوت کے سبب تو امان اللہ خان نے انکو کوئی سزا نہ دی اور چھوٹی سی قانون شکنی پر مواخذہ کیا کہ جرنیل کی توہین کی تھی !

محمود سامی نے جسے اعلیحضرت پاشا کہکر بلاتے، مکتب حربیہ کے ایک نوجوان متعلم کو چھڑیوں تلے مروا ڈالا۔ اسکے والدین بہتیرا واویلا مچاتے رہے مگر باوجود خاندان جلیلہ محمدزائی سے منسوب ہونے کے کسی نے اُن کی فریاد نہ سُنی۔ یہ قاتل ترکی عرب اور بہت سے گناہوں کا مرتکب ہوچکا تھا۔ وزیر مالیہ کے ایک رشتہ دار نے کہا کہ اسے مروانے کے لئے ایک سپاہی کو چند سو روپیہ دیا۔ تاکہ مکتب حربیہ کے حسابوں سے چھوٹے۔ جب وہ باغ میں آگھسا تو اطلاع پانے پر جان بچی، بچہ سقا کے وقت وہ سپاہی کرنیل ہوگیا اور اسنے مجھے علیحدہ یہ قصہ سنایا کہ آدھے روپے کو غنیمت جان کر کیونکہ باقی قتل کے بعد ملتا، وہ باغ سے بھاگ گیا تھا۔ وزیر مالیہ اس محمود سامی کا محسن بھی تھا معین السلطنت نے اُسے بعزت و خوار کر کے جب ملک بدر کیا، تو سفر خرچ اور گھوڑا عنایت کیا تھا اعلیحضرت غازی محمد نادر خان نے تحقیق کے بعد اُسے قصاص کو پہنچایا !

مرزا مجتبےٰ خان کابل کے مستوفی (فنانشل کمشنر) ان انگلیوں پر شمار ہونیوالے اشخاص میں سے تھے جنہوں نے بڑی مفید خدمات ایفا کی تھیں اور رشوت پر اقدام نہیں کیا تھا۔ اسلئے بڑی آزادی اور بے پروائی سی زندگی بسر کرتے حتیٰ کہ ذات شاہانہ کو بھی صاف صاف سُنا دیتے۔ یہی انکا جرم تھا جو میں بارہا اُن کو کہتا، کہ کوئی رنگ دکھلا کر رہیگا۔ مستوفی صاحب قانون کے بھی نہایت پابند تھے، اسلئے انکو پکڑنا بھی آسان نہیں تھا۔ آخر وزیر مالیہ کی شکایت پر جنکا ذکر خیر گذر چکا ہے اور جو اسی انقلاب میں جیسا کہ عام مجرموں کیساتھ پیش آیا ہے، لقمۂ اجل ہو چکے ہیں۔ مستوفی کو خلاف قانون مجلس تفتیش کے ماتحت بٹھایا اور جب وہاں سے بھی کوئی الزام ثابت نہ ہوا۔ تو قانون کی کوئی دفعہ نہ ہونے پر محض اپنے مستبدانہ فرمان سے موقوف کر دیا۔ انکی

یہ موتوفی بچہ سقا کے وقت انکی جانبری بلکہ عزّت کا باعث ہوئی اور اعلیٰحضرت غازی محمّد نادرخان تو ایسے قیمتی اشخاص کو عملاً مول لیتے ہیں، اسلئے انکی قدردانی فرماکر خدمت لینگے۔ قولاً تو امان اللہ خان بھی عزّت افزائی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ فرمایا کہ اگر مستوفی مذکور کو جواہرات کے ساتھ تولا جائے تو پلّہ ترازو برابر ہونے پر میں کہونگا، کہ اور جواہرات ڈالو۔ ہمارا مستوفی بہت بیش بہا ہے۔ آپ کو زعم تھا۔ کہ یہی باتیں ہمیشہ دُنیا کو دھوکا دیتی رہینگی۔ دل میں ان کے پُورا کرنے کا عزم ہو یا نہ ہو۔ یہ باتیں بہت وسیع دائرے پر حاوی تھیں، اور آئندہ بیان ہوتی ہیں +

(۹)

کبر، حسد اور بغض کیساتھ مطلق العنانی کی تجلیاں

مجھے اپنی تیز نہی کا دعوے نہیں ہے کیونکہ برسوں امان اللہ خان کے ساتھ رات دن نشست و برخاست کرکے یقینی طور پر معلوم نہ کر سکا تھا، کہ وہ مسلمان ہیں یا ملحد، سچے ہیں یا جھوٹے، خیر خواہ ملت ہیں یا خود غرض، دونو ہی پہلو نمودار رہتے اور میں ظن خیر کو لینا مسنون سمجھتا، مگر مدتوں کے بعد جب نتائج نے اسباب کا تعین کر دیا، تو کئی باتیں برخلاف دکھائی دینے لگیں۔ مثلاً سودیشی کپڑے کا رواج آپنے بڑے زور شور سے شروع کیا۔ تو میں نے کہا کہ دو سال پہلے جب میں ہندوستان گیا تو سر سے لیکر پاؤں تک میرا تمام لباس افغانی مواد و ساخت کا تھا، اکیس سال پہلے مجلس جان نثاران اسلام جو ہمارے قید کا موجب ہوئی فیصلہ کر چکی تھی۔ کہ افغانستان ہی کی اشیا حتی الوسع استعمال کی جائیں۔ آپنے یہ سنکر ایسی خاموشی اختیار کی، جو اسوقت کسی اور سبب پر محمول نظر آئی، مگر بعد میں واقعات کے ساتھ ملکر یہ ثابت ہوا۔ کہ میری بات اور وضع ناگوار گذری تھی۔ کیونکہ آپ یہ مطلق پسند نہیں رکھتے تھے کہ دنیا میں کوئی اچھی چیز ان کے سوا کسی اور منبع سے نکلے، یا نکلتی دکھائی دے ؛

آپ وطنی لباس اوڑھتے مگر حرم سرا میں ایک سرے سے لیکر دوسرے تک یورپین کپڑے سئے اور پہنے جاتے ہیں۔ بلکہ یورپین عورتیں انکی قطع اور انتخاب قماش پر مقرر ہیں۔ کہ فرانس سے منگوائے جائیں یا کسی اور ملک سے۔ شاہ خانم اور انکی بہن اور دوسری عورتیں رات دن کپڑوں ہی کی دھن میں لگی رہتیں۔ یہ بادشاہی خواتین

نہ صرف یورپین اصل اور وضع کی پوشاک زیب تن کرتیں، بلکہ وطنی کپڑے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ چونکہ دونو بہنیں زنانہ مکتبوں کی مفتشہ اور وکیلہ مفتشہ ہیں اسلئے وہاں بہت مزاحمت کا سامنا ہے۔ میری ہمشیرہ کے سپرد سارا انتظام اور چونکہ وہ خود دیسی اشیا کو ملی تربیت کیلئے ضروری سمجھتی ہے اور تمام مکتبوں میں اعلیٰحضرت کے فرمان بھی پہنچ گئے ہیں کہ طلبہ وطنی لباس پہنیں۔ اسلئے شاہی بہنیں جو مکتب میں ہیں مجبور کیجاتی ہیں اور وہ کہتیں کہ ملکہ اور انکی بہن انہیں حقارت سے دیکھتی ہیں۔ اور وہ خود جب کبھی سرسری تفتیش کیلئے آتیں تو تمام لڑکیاں انکے بدیشی کپڑے دیکھکر میری ہمشیرہ پر اعتراض کرتیں اور وہ انہیں شاہانہ شخصیتوں سے نوق تر امور ملی کیطرف رجوع دلاتی۔ امان اللہ خان کے گھر سے باہر اقتصادی دعوے اور اندر یہ حالت آہستہ آہستہ عام شہرت پکڑ جاتی ہے۔ حتیٰ یہ بھی مشہور ہو جاتا ہے کہ آپ لوگوں کے قیمتی کپڑے غیر وطنی ہونیکے سبب کتر ڈالتے ہیں اور گھر والیوں کو کچھ نہیں کہتے بلکہ خود بھی اندر اجنبی ریشم کا زیر جامہ اوڑھتے ہیں ؟

جیسا لباس کے بارے میں اپنا سودیشی نمونہ پیش کرنیمیں میں نے غلطی کھائی اور بجائے حوصلہ افزائی کے تند خاموشی ملاحظہ کی تھی، پشتو زبان کے مسئلہ میں بھی ایسی ہی خطا کی۔ غلام محی الدین خان (مرحوم) دار المعلمین کے مدیر ایک ملیت پسند افغان تھے ہیں نے انکی قبر پر چھوٹا سا منار بنوایا اور وہ کتبہ جسپر بعض آیات کندہ ہوتی ہیں، زمین سے گز بھر اونچا رکھوایا تاکہ اور الواح مزار کیطرح کتے بے ادبی نہ کریں۔ اس لوح پر پشتو میں متوفی کی سوانحعمری اور مردانہ خصائل لکھائی گئیں۔ ایک موقعہ پر میں نے عرض کیا کہ دنیا میں یہ پہلا کتبہ ہے جو افغانوں کی اپنی زبان میں لکھا گیا ہے۔ چہرہ بجائے مسرت کے میں نے تعجب سے رنج کے آثار چہرہ شاہانہ پر نمودار پائے جو بعد میں معلوم ہوا کہ اسی حسرت و حسد کی علامت تھی کہ جہان میں اس کام نے کبھی انکی ذات کے سوا اور کسی سے آغاز پایا ؟

جیسا پہلے بیان کر چکا ہوں کہ میرے اتنا کہنے پر کہ کابلی یا سرحدی پشتو مردانہ اور قندھاری زنانہ سی ہے آپنے پستول کھینچ لیا، آپکے باپنے تو مجھے قید ہی میں ڈالا، آپنے مجھے مار ہی ڈالا تھا اگر ترکی سفیر وغیرہ ہاتھ نہ تھامتے۔ زور سے چھڑا کر پھر مجھے نشانہ بنانا چاہا۔ اور اس دفعہ تو اپنے ظالم باپ پر سبقت لے جاتے اگر سید احمد خان قندھاری آگے بڑھکر میری بانہہ پکڑ باہر نکلجانے کی تاکید نہ کرتے۔ یہ میرے دوست بڑے منصف مزاج اور ملت خواہ بزرگ تھے، انھوں نے عرض کیا کہ اگر کوئی کابلی یہ بات کہتا تو البتہ ملامت کا مورد ہوتا اور پہلے میں اُسے پکڑتا، وہ ہندی افغان ہے اور اس نے اپنی افغانیت کے جوش میں جو رائے پیش کی ہے محض ملی خیر خواہی سے، اگرچہ بہت بُری طرز اور نہایت بدوضع سے پیش کی ہے۔ بعد میں انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے دس بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں انکی خصلتیں سبھی میں ہیں، مگر طفلانہ خامی لئے ہوتے ہیں۔ اگر کسی پر غضبناک ہوں تو اُسکی تعریف کرنے سے یہ اور بھڑکتے ہیں، اور مذمت سے خوش ہوتے اور آرام سے اسے بُرا بھلا کہکر دل کا بخار نکال لیتے ہیں۔ اسکے بعد غصہ زائل ہوجاتا ہے اور حق بات سننے پر مائل ہوجاتے ہیں۔ مجھے بھی چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد مجلس میں واپس بلا لیا تھا۔ سعدی کے یہ کہنے میں کہ بادشاہوں سے ڈرنا چاہیئے، کبھی سلام پر دشنام اور گالی پر انعام دیتے ہیں شاید کچھ ایسا ہی فلسفہ ہو، اگر محمد ایوب خان (مرحوم) کوہستانی خان بندیخانے میں اپنے لڑکے کو گلستان پڑھاتا تھا۔ اسی مقام پر پہنچکر چھ سات سالہ شاگرد ٹھٹک گیا اور حیران ہوکر کہنے لگا کہ آغا یہ کیوں؟ باپ پہلے ہی قید سے تنگ آیا ہوا تھا۔ جوابدیا کہ ان کی بیہودگی اور نامعقولی ہے۔ سید احمد خان (مرحوم) قندھاری نے کہا کہ میں نے تمھیں باہر جانیکی نصیحت اسلئے کی تھی، کہ بادشاہ مقابلے کے ذرا سے شائبہ کو بھی برداشت نہیں کرسکتے، جب تم پستول کھینچے جانے پر سامنے کھڑے تھے تو اسمیں بھی ایک طرح کا مقابلہ تھا، اور وہ گولی چلا دیتا۔ اگر اس پاس

سے رکاوٹ نہ ہوتی، پھر تمہارا کھڑا رہنا خطرے کا باعث تھا۔ اسلئے میں نے پریشان ہوکر تمہیں جلدی سے باہر نکالا۔ کیونکہ اس حرکت میں ایک طرح کی شکست کا اعتراف ہے۔ اور بادشاہ کو اس میں تسکین ہو جاتی ہے شیکسپیئر میں ایک آزمودہ کار درباری کہتا ہے کہ شاہوں کے دل اطاعت کو چومتے ہیں کیونکہ اسکے عاشق ہیں۔ مگر سرکشی کے سامنے سوجتے اور طوفان کی طرح دہشتناک ہو جاتے ہیں!

عید کے موقعہ پر باغِ بابر میں جشن تھا۔ اور امان اللہ خان مختلف طرح کی تماشوں کا ملاحظہ کر رہے تھے کہ پروگرام کے مطابق ایک کشتیوں کی باری آئی۔ سید احمد خان موصوف کہنے لگے کہ اب اعلیحضرت اٹھکر چلے جائیں گے میں نے کہا کیا آپکو پہلے سے اطلاع ہوگئی ہے؟ جواب دیا کہ نہیں، ایک قیاس کی بنا پر پیشگوئی کرتا ہوں۔ جب واقعی امان اللہ خان چلدیئے تو مجھے حیرت ہوئی۔ سید احمد خان نے کہا کہ پہلوانوں میں سے ضرور ایک سب سے زیادہ قوی ثابت ہوتا اور سب حاضرین یہی گمان کرتے کہ اس سے بڑھکر اور کسی میں قوۃ نہیں ہے یعنی امان اللہ خان کے بارے میں بھی یہی خیال گذرتا کہ اس پہلوان سے کمتر ہیں۔ اگرچہ جسمانی لحاظ سے ہی ہوں۔ چونکہ وہ خود باعظمت شاہانہ اکھاڑے میں اتر نہیں سکتے، اور اس خیالی ظن کے بھی متحمل نہیں ہوسکتے کہ کوئی اُن سے غالب اور برتر سمجھا جائے، لہذا اس صغرا اور کبرا سے یہی استدلال ہوسکتا تھا۔ کہ اس محفل ہی میں شریک نہیں رہینگے!

یہ سید احمد خان ایک غیر معمولی فکر و ثبات کے مالک تھے، امیر شیر علی خان کے مکتب حربیہ کے طالبعلم رہ چکے تھے۔ اور ایک معزز خاندان کے فرد ہونیسے گھر میں بھی عربی، فارسی اور ریاضی کی معقول تعلیم حاصل کی تھی۔ امیر عبدالرحمٰن خان کے عہد میں بھی اور پھر مجلس جان نثارانِ اسلام میں شمولیت کی وجہ سے ہمارے ساتھ بھی قید رہے جہاں انہیں غور و خوض سے ایک نیا طریقہ تعلیم ایجاد کرنے کا موقعہ ملا۔ بندیوں کے چھوٹے لڑکے قابلِ رحم ہونیکی دلیل سے ارک میں ہمارے پاس آجاتے اور اُن پر اس طریقے کا تجربہ کیا جاتا۔ بعض سپاہیوں

کے بچے بھی تعلیم پاتے اور خود سپاہی اور منصبدار بھی کبھی آجاتے اسطرح کہ ایک دفعہ سپہ سالار محمد نادر خان کی طرف سے فوج میں اعلان ہوا کہ آئندہ کسی اَن پڑھ افسر کو ترقی نہیں دیجائیگی۔ ایک کمپنی صرف ایک مہینہ ہم پر پہرہ دیتی، کپتانوں اور صوبیداروں نے غنیمت سمجھکر اس نئے قاعدۂ تعلیم سے فائدہ اٹھایا۔ ایک مہینے میں صحیح پڑھنا لکھنا سیکھ جاتے۔ میں بھی اس قاعدہ کی تمام خوبیوں سے آگاہ تھا، بلکہ جدید تعلیمی کتابیں اور اخبارات پڑھکر جو مفید مطلب بات پاتا۔ سید احمد خان کو بتاتا۔ اکثر تو وہ توارد سے انہیں پہلے معلوم ہوتیں، ورنہ تجربے کے بعد اُسے بھی اپنی کتاب میں داخل کر لیتے۔ اس قاعدہ کو میں نے اتنا عجیب اور نافع دیکھا کہ ثواب سمجھکر ایکہزار جلد خفیہ طور پر ہندوستان سے چھپوا کر تعلیم کے لئے موجود کر دی جس سے کابل میں اور لوگ اپنے بچوں کو درس دینے لگے۔ سید احمد خان بندیخانے میں ایسے بیمار پڑے کہ ڈاکٹر نے اُن کی شفا سے مایوسی ظاہر کی۔ میں نے کہا کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ جو چیز لوگوں کو نفع دیتی ہے زمین میں پائیداری کرتی ہے۔ آپ جبتک اس طریقہ تعلیم کو تمام افغانستان میں جاری نہیں کرینگے۔ زندہ رہینگے۔

امان اللہ خان کے عہد میں یہ واقعات میں نے بیان کئے تو اعلیحضرت نے انہیں بلاکر ایسے کُند ذہن نادانوں کو اُن کے سپرد کیا جنھیں وہ خود جانتے تھے کہ کسی طرح سے حرف شناس نہیں ہوتے تھے۔ ایک مہینہ کے بعد انہوں نے حیرت انگیز امتحان دیا تو سید احمد خان کو انکی ایک لاکھ روپے کی جائداد جو امیر عبدالرحمن خان کے وقت سے ضبط تھی واپس بخشدی اور مکتب میں ابتدائی جماعتوں کی تعلیم اُن کے شاگردوں کے ذمہ کی۔ پھر پولیس اور فوج میں اُسکی ترویج کا بندوبست کیا۔ ان تمام امور میں سردار محمد سلیمان خان وزیر معارف نے نہایت سرگرمی سے امداد کی اور جیسا کہ اُن کے خاندان کا شیوہ ہے۔ جب اس کام کو مفید جان لیا، تو پھر کسی کی مخالفت

کی پرواہ نہ کرکے اس نئے قاعدہ کو تمام افغانستان میں پھیلایا۔ کوئی امر محدث اور نئی چیز ہرچند مفید ہو، بلکہ جتنی زیادہ ضروری ہو، اُتنی ہی شدت سے لوگ اس سے اعراض اور رُوگردانی کرتے ہیں۔ وزیرِ صاحب ممدوح (مرحوم) کے تبدیل ہونے پر مخالفت کا طوفان اٹھا۔ اور اسمیں ڈوب کر امان اللہ خان نے اُسے مکاتب سے موقوف کرکے صرف پولیس اور فوج میں رہنے دیا۔ مگر میں خوب جانتا تھا کہ معلم اتنے سال درس دے چکے ہیں ظاہراً یہ موقوف ہے مگر وہ بغیر کتاب کے مجبور ہیں۔ کہ حفظاً اُسی نئے قاعدہ کو پڑھائیں چنانچہ ناقص طور پر ایسا ہی ہوتا رہا۔ الغرض سید احمد خان کا نام تمام ملک میں مشہور ہو گیا۔ اور مخالفت سے اور بھی چمکا۔ کیونکہ بحث میں اُسکی خوبیاں واضح طور پر بیاں اور عیاں کی جاتیں!

اب اُن کی خود باری آئی جیسا کہ وہ سب سے زیادہ قوی پہلوان کے بارہ میں کہہ چکے تھے۔ بیشک کتاب کا نام طرز امانی تھا۔ مگر سعدی بھی تو کسی بادشاہ کے اسم سے منسوب تھا۔ اسے کون پہچانتا ہے اور دنیا شیخ مصلح الدین شیرازی کو مراد لیتی ہے۔ یہ قاعدہ بھی سید احمد خان کو معروف و ممتاز کر گیا۔ یورپ جانے سے ایک دو مہینے پہلے امان اللہ خان کے اندھادھند حسد کی بجلی گری۔ سید احمد خان پر عتاب فرما کر انہیں فوج کی تعلیم سے بھی علیحدہ کر دیا۔ وہ درحقیقت اپنا مفید فرض بجالا چکے تھے۔ اپنی زمین بیچ بیچ کر معلموں کو امداد دیتے، طلبہ کو انعام بخشتے اور اس طرح کل ملت میں اسکی اشاعت کر چکے تھے، امان اللہ خان کی طرف سے آزردہ مگر اپنے کام کی طرف سے مطمئن، عزیزی ذی انتقام کی طرف رحلت کر گئے جس نے خاص سبب بہت ہی جلدی بدلہ لیا۔ تعلیم کا ایک نظام صوتی (فونیٹک سسٹم) یورپ، ترکیہ اور بخارا سے ہوتا ہوا کابل میں وارد ہوا تھا۔ اور میں نے اسے ایک مکتب میں جاری کیا تھا۔ مگر سید احمد خان نے اسکی اچھی باتیں بھی اپنے قاعدہ میں درج کی تھیں، بلکہ ان کی اصلاح کی تھی۔ اسلئے اسی پر اکتفا کیا گیا۔ امان اللہ خان نے اپنی بیخبری سے کہ یہ

طریقۂ صوتیہ تمام دُنیا میں عام ہے، اسے اپنے نام پر شائع کرنا چاہا؛

پہلے گھر میں بات گانٹھ اور بٹھان کر ایک مجلس منعقد کی۔ وزیر معارف میرے ساتھ اسبات پر بحث کرتے تھے۔ کہ دُنیا میں حق کو غلبہ نہیں، اور انہیں مجھ پر پستول کھینچا جانا بھی نہیں بھولا ہوگا۔ اسلئے انہوں نے طریقۂ صوتیہ غازی کی بہت تعریف کی۔ محمد ولی خان وکیل ذاتِ شاہانہ نے فرمایا، کہ اس طریقے سے بہتر جو کہ اعلیٰحضرت نے ایجاد کیا ہے، وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا۔ بالجملہ سبھی نے دستخط کر دئیے۔ میرے لئے بڑی آفت کا سامنا تھا۔ آخر یہ کہکر کہ طرزِ صوتی مفید چیز ہے اور سید احمد خان کے قاعدے میں بھی داخل ہے، مگر وہ چونکہ اعلیٰحضرت کے ارشاد کیمطابق تعلیم کو اجرا نہیں کر سکے، کثرتِ آرا کیوجہ سے میں نے بھی امضا کر دیا۔ اور اسطرح بلا ٹلی۔ اب امان اللہ خان نے شام کے بعد مسجد میں جاکر شہر کے اَن پڑھ لوگوں کو خود سبق دینا شروع کیا؛

بادشاہ کیلئے ایک معلم کی حیثیت اختیار کرنا کس قدر ظلم ہے۔ جب اُسکے ملک میں حکام نے لُوٹ مچا رکھی ہو اور رہزنوں نے اتنا زور پکڑا ہو، کہ عدل و امن کا نام و نشان نہ رہا ہو۔ کچھ مدت یہ نیا طریقۂ صوتیہ جاری رہ کر جو سراسر غیر مکمل اور ناقص تھا، مع سلطنت امانی کے برباد ہو گیا اور سید احمد خان کی طرز تعلیم اردو میں بھی نادر قاعدہ کے نام سے ترجمہ اور نشر ہو گئی۔ اور دو ملکوں میں اس سے فائدہ پہنچیگا۔ کیونکہ اعلیٰحضرت محمد نادر خان اس زبان کو خوب سمجھتے اور بولتے اور یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ ہندوستان کے ساتھ افغانستان کے رابطے متعدد اقسام کے ہیں اسلئے افغانوں کے لئے اردو سیکھنا بہت مفید ہو سکتا ہے اور اس قاعدے کے ذریعے سے سیکھنا جو آپکے نام پر لکھا گیا ہو، اور ایک افغان کی تصنیف سے ایک ہندی افغان نے اُسے تالیف کیا ہو کیونکہ اسکے فوائد خود افغانستان میں مجرب اور مسلّم ہو چکے ہیں۔ البتہ اعلیٰحضرت کے نزدیک مقبول ہوگا؛

(۱۰)

وہی بجلیاں جھوٹ کی گھٹا میں

ایک دن معارف کا کام حضور میں پیش تھا۔ امان اللہ خان نے دو ہندی مہاجرین کو جن میں سے ایک طالبعلم تھا ساٹھ روپیہ وظیفہ اور دوسرا معلم تیس روپیہ تنخواہ پر مقرر کیا۔ میں نے کہا کہ عطیہ در مشاہرہ برعکس ہونا چاہیئے۔ کیونکہ میں دونوں کو جانتا ہوں، اور استاد کو شاگرد کی نسبت زیادہ معاش کی ضرورت ہے۔ غصے سے فرمانے لگے، کہ فرشتوں سے جاکر لڑو کہ کیوں ایک کو کم روزی تقسیم کرتے ہیں، دوسرے کو زیادہ۔ ظل اللہ کی بھی شان کبریائی ہونی چاہیئے اور بشریت کی وجہ سے غیر معقول ایسے ارشادات شاہانہ سے مجھے یا کسی اور کو کب جرأت ہو سکتی تھی کہ چون و چرا کریں اور اپنی رائے آزادی سے دیں۔ اگرچہ زبان سے بارہا فرماتے کہ ہر شخص بلا لحاظ و رعایت آزادانہ فکر ظاہر کرے۔ مگر اسی زبان سے موقع پر خلاف عمل میں لاتے۔ یہ عادت بڑھتے بڑھتے اس درجہ کو پہنچ گئی کہ لوگوں کے دلوں میں بے اعتباری اور آخر بیزاری پیدا ہوگئی اور آہستہ آہستہ سارے ملک میں یہی حال ہوگیا کہ کوئی متنفس بھی آپ کا دلی ہمدرد نہ رہا۔ اور وہ لوگ جو آپکے منظور نظر سمجھے جاتے ہر طرف انقلاب کے آثار دیکھکر آپس میں کہتے۔ ع

بگذار تا بمیرد در عین عشق و مستی

میں نے افغان بادشاہ میں تصویر کا صرف ایک ہی رُخ دکھایا اور ایما سے جتا بھی دیا تھا کہ وہ نگڑیب نے کمال حق پرستی سے اپنی تاریخ نگاری کی ممانعت فرما دی تھی۔ کیونکہ بادشاہ کی موجودگی میں کوئی شخص صحیح واقعات نہیں لکھ سکتا۔ میں نے لکھا تھا۔ کہ امان اللہ خان نے نہایت فراخدلی سے غلام اور لونڈیاں آزاد

کردیں، جنھیں اُن کے باپ کی سینکڑوں کنیزیں بھی تھیں۔ اب یہ بتانا مقصود ہے کہ اس فعل میں تنگدلی کی بھی کتنی گنجائش تھی۔ آپنے درباروں میں تکراراً فرمایا کہ لونڈیاں خواہ میرے باپ کی ہوں یا اور رشتہ داروں کی مختار ہیں کہ دُوسرا نکاح کریں۔ اسلام کی طرف سے تو رخصت تھی ہی، جب بادشاہی اجازت ہوگئی تو بعض نے ازدواج میں اپنی بہتری بلکہ نجات سمجھی۔ ایک دفتر شاہی کے کاتب کے حصے میں آگئی۔ تو آپ فرماتے تھے کہ جب اسے دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ میرا ایک اور باپ پیدا ہوگیا ہے۔ کسی بہانے سے اسے موقوف کردیا۔ کہ جیسے اور سینکڑوں باپ شہر میں دوکانداری وغیرہ کرتے ہیں یہ بھی اُنہی میں ملکر نظر سے غائب رہے۔ ایک ہندی افغان مہاجر بھی یہی جسارت کر بیٹھا۔ اسے کسی اور الزام پر قید کردیا اور قیدخانے میں دھمکا کر اس سے طلاق لکھوالی اور پھر اسے بدخشان کی طرف فرار کردیا۔ کیونکہ ہندوستانی میں یہ بزرگی دیکھنا آپ تھوڑی دُور سے بھی گوارا نہیں کرتے تھے؛

آپکے تہذیب و مساوات کے دعوے تو حد سے گذرے ہوئے تھے، کیونکہ یہ سمجھ رکھا تھا۔ کہ صرف ہلکی سی زبان ہلانے ہی کی تکلیف ہے۔ عمل کی محنت شاق برداشت کرنیکا تو خیال ہی نہیں شیکسپیئر میں بٹرالس کہتی ہے کہ "مردانگی آداب میں اور بہادری شاباش میں گداز ہوگئی ہے۔ اور آدمی صرف زبان میں مبدل ہوگئے ہیں اور وہ بھی بڑی چالاک اور چابک"؛ یورپ کی تقلید اور مصطفےٰ کمال کی ریس سے اسلام کو ایک مختصر اور مُوخر شے جانتے اور وہ علم و فضل بھی حاصل نہیں تھا۔ جسکی رُو سے ایک غیر مسلم شخص بھی صادق و مخلص ہوسکتا ہے اسلئے آپکے اقوال و افعال کے درمیان ایک خلیج حائل ہوتی گئی۔ ایک انگریز عورت نے مکتب مستورات میں ملازمت کی درخواست بھیجی، جسمیں شرائط ذرا سخت تھیں، فرمانے لگے۔ بلالو، ان شرطوں کو پورا مت کرو۔ اس شرمناک عقیدے سے باور کیا جاسکتا ہے، وہ قصہ جو آپکے اور بچہ سقا کے بارے میں مشہور ہے؛

جب اس ڈاکو نے بہت زور پکڑا اور کوہستان کو قتل وغارت سے تنگ کر دیا، تو آپ نے عاجز آکر اُسکے ساتھ مصالحت کرنی چاہی چنانچہ احمد علی خان کو جو پہلے اس علاقے میں ایک جرار حاکم رہ چکا تھا۔ اس مہم پر بھیجا۔ اس نے بچہ سقا اور سید حسین کو کرنیلی کا منصب دیا۔ تین تین سو روپیہ ماہوار تنخواہ اور ایک ایک کوٹھی اور باغ اور اُنکے تین سو چوروں کو بھی بیس بیس روپے ماہانہ تنخواہ۔ قرآن مجید پر یہ قرارداد لکھی گئی۔ تاکہ اس تقدس کی وجہ سے کوئی اسے توڑنیکی جرأت نکرے۔ کوہستان، کوہ دامن اور تمام نواحی علاقوں میں اس خبر سے بڑی ناامیدی اور دلشکنی پھیلی اور سمت شمالی کے اُٹھنے اور عام بغاوت برپا کرنیکا بڑا سبب یہی تھا۔ کہ وہ جن شخصوں کو اپنے ہاتھوں سے ان کے پیہم ظلموں کے سبب تکہ بوٹی کرنا چاہتے۔ یا توپ سے اڑوانے کے خواہاں تھے۔ اپنے درمیان معزز اور مقتدر دیکھکر سخت گھبرائے اور اُنکے آئندہ تجاوز اور دست درازی کے اندیشے سے تھرّائے۔ حکومت کی اس بےغیرتی، کمزوری اور پرلے درجے کی بزدلی پر اسی اندازے کی نفرت لوگوں کے دلوں میں موجزن ہوئی۔ اُسکے انتقام میں آخر انہوں نے یہ سوچا کہ جب حکومت بےحیائی سے اتنی دب گئی ہے تو فی الحقیقت، بچہ سقا اور سید حسین غالب اور وہی حکومت کے مالک ہیں اسلئے اُنکے ساتھ بنانا اور نباہنا لازم ہے "جس دست دراز کے ہاتھ کاٹ نہیں سکتے۔ تو چومو" خوشامد سے بچہ سقا کو کہا جانے لگا۔ کہ حکومت قابلِ اعتبار نہیں؛

جب احمد علیخان تگاب میں پہنچکر آخند صاحب کی خدمتمیں حاضر ہوا، جو اس تمام علاقے میں محترم مرشد تھے تو اُنھوں نے فرمایا کہ سارا جہان امان اللہ خان کا دشمن ہو گیا ہے اور میں اس کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ جو قبول نہیں ہوتی، سبب اسکا یہ ہے کہ امان اللہ خان خود اپنی بُری نیت اور بد اعمال سے توبہ نہیں کرتا۔ یہ میرا پیغام اسے پہنچا دینا مگر قاصد کو پہلے اس ذلت و خجالت سے بھرے معاہدے کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ آخند صاحب کی

خدمت سے باہر نکلتے ہی کیا دیکھتا ہے کہ ہزاروں آدمی اسے لوٹنے اور مارنے کو کھڑے ہیں۔ بڑی مشکل سے چھپ کر ریزہ کوہستان پہنچا۔ یہ وہی علاقہ ہے جسکی بابت میں نے امان اللہ خان کو کہا تھا کہ سمت شمالی میں سب سے زیادہ دلاور اور سرکش باشندوں کا مسکن ہے اور چار پانچ سال کے بعد اٹھیگا۔ اب چنانچہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اور احمد علیخان کو گرفتار کرکے اس سے وہی مراعات اور عطیات مانگتا ہے، جو اُس نے جلا ہونکے ڈاکوؤں کو دی ہیں "ہم لوگ بہادر ہیں اور ہمارا حق مقدم اور ان سے زیادہ ہونا چاہیئے"۔ سید حسین کی طبیعت میں مردانگی تھی، اُس نے اپنی موٹر اس مصیبت کے وقت بھیجی، جسپر احمد علیخان سوار ہوکر جبل السراج پہنچا اور وہاں قلعہ میں محصور ہو بیٹھا۔ کیونکہ اس اثنا میں کوہ دامن کا راستہ بند ہو گیا تھا۔

یہ اس طرح کہ بچہ سقّا کو لوگوں نے شک دلایا۔ کہ حکومت تمہیں فریب سے پکڑنا چاہتی ہے۔ اس نے فوراً آزمائش پر اقدام کیا، قلعہ مراد بیگ میں ٹیلیفون لیکر امان اللہ خان کی طرف گھنٹی بجائی۔ پختہ چوروں کو آواز بدلنے میں مہارت ہوتی ہے۔ کہا کہ احمد علی ہوں۔ اعلیحضرت کے ساتھ بہت ضروری بات کرنی چاہتا ہوں۔ امان اللہ خان سُننے پر آمادہ ہوئے تو کہنے لگا کہ اس سُور بچہ سقّا کو اب میں نے ہر طرف سے قابو کر لیا ہے، کیا زندہ آپکے پاس بھیجدوں یا یہیں مار ڈالوں۔ جواب ملنے پر کہ فوراً اسکا سر بھیجدو۔ بچہ سقا نے اپنی اصلی آواز سے گالیاں دینی شروع کیں اور جی کھول کر بُرا بھلا کہا۔ ذات شاہانہ کی نسبت باپ کی لعنت وغیرہ بڑی شدت و حدت سے سُننے کا پہلا ہی شاید موقع ہوگا؛

ایک ولی اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ علم غیب سوائے خدا کے اور کسی کو حاصل نہیں مگر اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ظالم نہیں مرتا جبتک کہ مظلوم اسے اپنی سی حالت میں دیکھ لے اور متکبر بھی جیتا رہتا ہے۔ مادامیکہ جسکے سامنے اس نے نخوت دکھائی ہو، وہ اسے قعر مذلت اور خواری میں نہ پالے۔ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا۔

کسی قوم کی دشمنی تمہیں برانگیختہ نکرے کہ عدل نہ کرو۔ امان اللہ خان کی اچھی باتیں پہلی کتاب میں لکھ چکا ہوں، اب بُری باتوں کی نوبت ہے۔ مگر میں اس بارے میں عدل سے مطلق عدول نہیں کرونگا؛

آپنے مجھے بھی تو ناحق دشنام دی تھی، نہ صرف مجھے بلکہ ساتھ ہی عام اہل ہند کو بھی لپیٹا تھا۔ گالی دینا رذالت ہے۔ اور میں اس پر تنزل نہیں کرسکتا۔ مگر کینہ میری اور آپ کی ملت کی جبلت ہے۔ اس سے بھی نہیں گذر سکتا۔ اسلئے بچہ سقا جیسے رذیل کو اپنا وکیل بناتا ہوں، جو بادشاہی میں بھی آپکا ہمسر ہے۔ اس نے بھی مجھے بیت المال سے اتنی ہی ایک مہینہ تنخواہ دی تھی جتنی آپ دیتے تھے اگرچہ ایک تہائی اہمیں سے چندے کے طور پر واپس لیلی تھی۔ اور آپ بھی اکثر ایسا ہی کرتے تھے۔ اس نے ہندوستانیونکی پچھلی تنخواہیں ادا کردیں جو آپ کی ٹھیرائی ہوئی قراردادوں کے مطابق تھیں اور آپ اپنی قراردادوں کے پورا کرنیکو دوبھر سمجھتے تھے۔ جب میں نے اس دھاڑوی کی نوکری کو عار جانکر ہندوستان آنیکی درخواست کی، تو اس نے بھی آپ کی طرح ہندوستانیوں کو کوسنا شروع کیا کہ مجھے ان سے کوئی توقع نہیں ہے، یہ مجھے دو پیسے کا نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے ،، میں نے بادشاہی تلوار سے لی ہے اور اسی سے چلاؤنگا۔ یہ فرنگیوں کی نجاست کھائیں۔ مجھے انکی کوئی ضرورت نہیں؛

آپنے بھی میرے حق میں ایسے ہی کلمات فرمائے تھے۔ اسلئے میں دونو کا جواب دیتا ہوں۔ بچہ سقا آپ سے بھاگ کر پشاور اور پارہ چنار میں فرنگیوں کی حفاظت میں رہا اور چائے پکاکر ہندوستانیوں کو پلاتا۔ اور اُسکا بھائی حمید اللہ معین السلطنہ انکی جوتیاں سیدھی کرتا۔ آپ بچہ سقا سے بھاگ کر مع اپنے بھائی معین السلطنہ کے انگریزوں کی حمایت کے سائے میں ہندوستان پہنچے۔ اور وہاں سے ایرانیوں کو جنہیں آپ حقارت سے سفید ہندوستانی کہتے تھے۔ اُن کے قونصل جنرل کے ذریعے گدائی کا عریضہ بھیجا۔ کہ مجھے اتنے ہزار پاونڈ اور میرے رشتہ داروں کو مناصب دو۔ وہاں سے ٹکا سا جواب آیا کہ بجٹ میں ایسے مصارف کی منظوری نہیں، اور نہ

ملت ایسے فضول خرچوں کی منظوری دیسکتی ہے۔ آپ کے عزیز یونیورسٹیوں کے ڈپلومہ یافتہ نہیں ہیں نہ اُنکے لئے جگہ ہے، نہ ہوسکتی ہے۔" وہاں قانون تھا۔ اور حقیقی مشروطیت اُسے رضا شاہ کا آلۂ استبداد بنانے نہیں دیسکتی تھی، کہ خزانے سے جسے چاہا بخشا اور جسپر نظرِ عنایت ہوئی اُسے بلا لیاقت و تعلیم وزیر یا سپہ سالار بنا دیا!

آپ کا باپ دادا فرنگیوں سے اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ کھاتا رہا اور آپ کے وجود کا کچھ حصّہ اسی سے بنا ہے۔ ایک چوتھی جماعت کے لڑکے کو آپ لاکھوں روپیہ نقد اور جنس بخشتے ہیں، اور اُسکے باپ کو جس کی ماں امیر عبدالرحمن خان کے بعد اسے بادشاہ بنانا چاہتی تھی، تنگیٔ معاش سے مجبور کرتے ہیں کہ ہندوستان میں آکر انگریزوں اور نوابوں کے سامنے دستِ مسألت دراز کرے!

اس ذلت سے آپکے چچا کو کس نے نکالا؟ وہ جرنیل شاہ ولی خان جسے مع اُسکے خاندان کے آپ دھتکارے ہوئے تھے، اور جن پر بیجا شبہے رکھتے تھے۔ آخر آپکے کام آئے۔ اُنہوں نے عقلمندی سے ترغیب دے کر سردار محمد عمر خان کو اپنے ساتھ حیدرآباد سے واپس آنے پر مائل کیا اور اس طرح افغانستان کو بدنامی سے بچالیا یہ مطلب حاصل کرنے پر پھر آپنے نہ چچا کی خبر لی اور نہ ہی شاہ ولی خان کی پرواہ کی۔ یہ سب بھائی کبر، حسد، بغض اور نفاق سے پاک تواضع، اخلاص، خُلق اور صداقت سے بھرے ستے۔ خدا نے اُنپر لطف کیا۔ وہ اسلامی مواخات کی دل سے قدر اور تعمیل کرتے ہیں۔ اپنی ملّت پر نثار ہیں تو دوسروں کے ساتھ بھی ہمدردی رکھتے ہیں۔ اور اُنکو تنفّر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو، سات کروڑ کو یک لخت ہی حقیر اور ذلیل سمجھنا آپ ہی کے فضا کی طرح خالی دل میں سما سکتا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو ساری قوم کو بُرا سمجھ کر کہے کہ ہلاک ہونیوالی ہے۔ تو وہ بُرا ہے اور اُن سے پہلے وہ ہلاک ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا!

افغانستان اور ہندوستان دونو ملک آباد رہینگے۔ اور اگر ایک میں چندے اسارت حلول کرگئی ہے تو آخر حرّیت کو جگہ دیکر رہے گی۔ جو لوگ اسکے استعجال میں خدمت کرتے رہے ہیں۔ حرمت کی منزلت میں بسینگے۔ جو طعن و تشنیع سے مذمت کرتے رہے ہیں، خجالت اور شرمساری سہینگے۔ اشخاص و افراد بلبلوں یا اُلوؤں کی طرح بول چلّا کر چلے جائینگے۔ اور یہ دشت و جبل مدتوں زیادہ پائیداری کے ساتھ رہینگے۔ البتہ اچھی یا بُری آوازوں کی گونج پہاڑوں سے ٹکرا کر میدانوں میں سُنائی دیتی رہیگی ؛

(۱۱)

اہلِ ہند کے ساتھ نفرت و حقارت

مختلف مقامات میں اس سلوک کا ذکر ہوا ہے جو امان اللہ خان اہلِ ہند کے ساتھ روا رکھتے تھے۔ انکی اور عادات کیطرح اسکے بھی دو پہلو تھے، ایک ظاہری جو ہاتھی کے دانتوں کی طرح دکھانے کے لئے تھا۔ اور دوسرا باطنی جو کھانے کی طمع رکھتا۔ اور حرص کبر کی طرح ایک پوشیدہ ہوں ہے، مگر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتی البتہ مواقع درکار ہیں۔ جو امان اللہ خان کے لئے جمع ہو کر اب اس بات کا اعلان کر رہے ہیں، کہ ان کو اہلِ ہند کے ساتھ کوئی محبت نہیں، بلکہ اسکی بجائے بہت سی نفرت تھی۔ البتہ ہر شخص اور ہر قوم کو پہلے اپنی ہمدردی لازم ہے۔ اسلئے امان اللہ خان کو ملامت نہیں کر سکتے اگر وہ اپنی ملت کے سچے عاشق تھے، مگر دوسروں کو حقارت سے دیکھنے کا بھی ان کو حق نہیں تھا۔ ہندی مسلمان محکوم سہی اور البتہ اس وجہ سے عزت کے قابل نہیں ہیں، پر ذلت کے ساتھ ایک اور مسلمان کی نفرت کے مستوجب بھی نہیں ہو سکتے، کیونکہ ایسے اسباب جکڑے ہوئے ہیں، جنکا توڑنا فی الحال محال ہے۔ اسارت میں پھنسے ہیں، مگر آرزو رکھتے ہیں، کہ تدبیر اور تدرتج سے آزاد ہو جائیں، اور یہ عملی تمنا معذرت ہونی چاہیئے۔ برعکس اسکے امان اللہ خان ہندوستان کے باشندوں کو نیچا اور حقیر تو سمجھتے مگر اپنے طعن و تشنیع کا بھی معرض بناتے رہے کہتے تھے کہ پہلے افغانستان کا خیر خواہ اسی ملک کا رہنے والا، پھر ترک۔ پھر ایرانی اور آخر ہندوستانی۔ یہ انکا نیا خیال نہیں تھا، انگریزوں کی فوج میں ہندوستانیوں کو دیکھکر جو ان کے ملک میں دو تین دفعہ گئی تھی، یہ مغائرت پہلے سے قائم تھی حتےٰ کہ امیر

حبیب اللہ خان کا مستوفی الممالک کہا کرتا کہ سانپ کو چھوڑ اور ہندی کا سر پھوڑ۔ مگر امان اللہ خان کو اپنے وسیع ظرفوں کے ساتھ جو عام مسلمانوں کی خیر خواہی کے بارے میں رکھتے تھے، چاہیے تھا کہ ان متنفرانہ افکار کو اپنی ملت سے کم کرتے نہیں، بلکہ انھوں نے اور زیادہ بڑھایا اور بھڑکایا۔ لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ۔ ایک قوم دوسری کے ساتھ تمسخر نہ کرے شاید وہ اس سے بہتر ہو جائے۔

آپ کی باتیں سلسلہ منطق میں مربوط نہیں ہوتی تھیں کیونکہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ رانی آگے سے ڈھانک شیکسپیر نے کہا ہے کہ بادشاہ زمین کے رب النوع ہیں۔ عیب میں انکا قانون انکی مرضی ہے۔ اگر بڑا دیوتا گمراہ ہو جائے تو کون اس کو جتانے کی جرأت کر سکتا ہے۔ کہ بھٹک گئے، ایکدفعہ آپ اپنے اشعار کا ذکر کرتے تھے، میں نے عرض کیا کہ مضمون اچھا ہوتا ہے مگر الفاظ میں درستی نہیں ہوتی اور کوئی کہہ بھی نہیں سکتا کہ سست ہیں کیونکہ لوگ ڈرتے ہیں، مثلاً یہ مطلع آپ نے کہا ہے ؎

ماشہید ستم تیغ فرنگی شدہ ایم مست دیدار خدائیم و بہشتی شدہ ایم

آپ توجہ تامل کرنے لگے مگر آپ کے سرمنشی نے کہا کہ یہ فرد شہیدوں کی طرف سے ہے جو ستی میں قافیہ اور ردیف کی خبر نہیں رکھتے، تو آپ خوش ہو گئے۔ ترکوں کو ہندوستانیوں کی نسبت افغانستان کا زیادہ بھی خواہ بتا کر پھر کہتے کہ ترک زیادہ کام نہیں کرتے اور ہندوستانی رات دن لگے رہتے ہیں۔ پھر ترک ہشیار بھی ہیں جب انھوں نے دیکھا۔ کہ تنخواہوں میں تخفیف ہو رہی ہے تو خود ہی آدھی اعانہ جہاد کے نام پر چھوڑ دی، تاکہ زور سے نہ چھڑائی جائے ان خیالات کے ساتھ کوئی ترک میدان جنگ میں نہیں نکلا محمود سامی تو لڑائی چھڑتے ہی لنگڑانے لگ جاتا۔ کوئی ترک ڈاکٹر بھی نہیں تھا، صرف ہندوستانی تھے جو جلال آباد میں نہ صرف معالجہ کرتے بلکہ توپوں کو بھرنے میں مدد دیتے تھے اسکے علاوہ قندھار میں اور سمت جنوبی میں یہی ہندی ڈاکٹر تھے جو محاربے میں کام کرتے رہے۔ انکی

خدمات کا صلہ یہ دیا کہ سب کو موقوف کر دیا۔ پشاور کے دو ڈاکٹر ننگے سر پاؤں کابل میں پہنچے تھے اور اُنکی عورتوں کا زیور تک لُوٹا گیا تھا میں نے اُنکی بابت عرض کی مگر ڈاکٹر منیر بیگ نے اُنہیں رکھنا منظور نہ کیا۔ اسلئے اعلیٰحضرت نے بھی نامنظور کیا حالانکہ ڈاکٹر موصوف لڑائی کے وقت گھر بیٹھا ہوا تھا اور گھر میں بھی دو گھنٹے علاج کرتا۔ اسکے بعد اگر مریض جانکنی میں پڑ جاتا تو بھی اُسکی خبر نہ لیتا۔ باوجود اسکے ہندوستانی ڈاکٹروں کی بجائے آہستہ آہستہ ترک منگوائے گئے اور اُن کی تنخواہیں بھی چوگنی دی گئیں، یا اتنی ہی زیادہ تنخواہوں پر اطالوی اور جرمنی طلب کئے گئے۔ سب کہتے تھے خصوصاً سردار محمد نادر خان اور اُنکے خاندان کے لوگ کہ سوائے ہندوستانی ڈاکٹروں کے ترک وغیرہ افغانوں کے خانگی حالات سے بیخبر ہونیکے سبب مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ مگر امان اللہ خان اپنی ہٹ پر اڑے رہے اور ہندوستانیوں کو پرے ہی رکھا ۔

ایک مستری عزیز اللہ بہاری تھا جس نے پہلی لڑائی میں سمت جنوبی تک ٹیلیفون پہنچائی اور بڑی جرأت سے خدمت بجا لایا۔ پھر بجلی کی آبی مشین ٹھیک کر کے کابل میں برقی روشنی پھیلائی اور اسلحہ کا کارخانہ چلایا۔ اسکی بابت امان اللہ خان فرماتے تھے کہ یہ شخص بڑا متکبر ہے افغانوں کو مار کر ان سے کام لیتا ہے مگر اس نے ہتھیاروں کی فیکٹری سے ایندھن کا صرفہ کم کر کے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ کا فائدہ حکومت کو پہنچایا ہے۔ اسلئے خدایا اسے کبر کی سزا اُسوقت تک مت دینا جبتک کہ میں اُسکی بجائے کوئی اور انجنیئر پیدا کرلوں۔ ایک سال کے بعد کوئی جرمن اُس کی جگہ رکھ لیا۔ اور عزیز اللہ بیکار رہ گیا۔ مگر وہ تھا بہت مختلف لیاقتوں کا دھنی اور ہنر مند بیکاری کے دنوں میں اس نے سفید بارود تیار کیا اور جب فوجی متخصصوں نے اسکا امتحان لیا، تو اعلیٰ یورپین کارٹرِیڈ سے بھی بہتر نکلا حالانکہ جرمن اور ترک بھی ممتحن تھے، سب تعجب بلکہ انکار کرتے تھے کہ ایک ہندوستانی اہلِ یورپ سے کیسطرح آگے بڑھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر بوس وغیرہ کی ایجادیں تو کسی کو معلوم نہیں تھیں۔ ایک ترک رضا بیگ نامی

اسی سفید بارود بنانے پر برسوں مقرر رہا۔ اور بقول امان اللہ خان سپرنٹ بنا تا رہا۔ اب ایک ہندوستانی تیغہ سبقت لے گیا۔ کون باور کرے۔ اسکا بنایا ہوا بارود یورپ بھیجا گیا وہاں سے بھی پوری تصدیق آئی تو عزیز اللہ کو مشین خانے کا افسر مقرر کیا۔ بچہ سقا کو بھی ایسے لائق شخص کی ضرورت تھی بحال رکھا مگر اسکا باپ جسکا نام عبدالرحمن اور مشہور بابا سقا تھا جب مشین خانے کے معائنہ کے لئے آیا تو ضرابخانے کا ردیوں سے بھرا صندوق باہر پڑا دیکھکر کہنے لگا کہ اسے گھر لے جانے کیلئے نکال کر رکھا ہے۔ اسلئے ہندوستانی مستری کو قید خانے لے جاؤ مگر بچہ سقا کو اطلاع ہوگئی تو اس نے باپ کو سمجھا کر عزیز اللہ کو رہا کروایا۔ سید حسین نے فرمائش دی۔ کہ کبوتروں کے لئے ایکہزار جھانجن تیار کرو۔ مگر زیر و بم کا لحاظ رکھنا۔ مسٹر عزیز اللہ کو باوجود فنی مہارتوں کے کبوتر بازی کے دریائے علم میں پوری شناوری کی واقفیت نہیں تھی، اسلئے دریافت کرنا پڑا کہ ایک جھانجن سے باریک آواز آنی چاہیے، دوسری سے موٹی ۔

جب اس خوفناک بیخبری کیوجہ سے جو ہندوستان کے بڑوں چھوٹوں کو افغانستان کے حالات سے ہے ہجرۃ کا طوفان اٹھا تو میں اسوقت ہندوستان میں تھا، مہاجروں کے سیلاب کے ساتھ میں بھی روانہ ہوا کہ اسکو برمحل روک سکوں اور اس سے کوئی فائدہ اٹھایا جائے، اسلامی اخوۃ کے غلط معنی جو ہندوستان میں لئے جاتے ہیں سرحد سے گذرتے ہی انکا اطلاق شروع ہوا۔ ایک سندھی مہاجر پیاسا تڑپتا مر گیا۔ میں نے جلال آباد پہنچکر محمد نادر خان کو کہا کہ بڑی تباہی آئیگی، اسلئے مہاجروں کو زیادہ آنیسے فوراً منع کیا جائے اور پہلے بھی صرف وہ لوگ آنے چاہئیں تھے۔ جو افغانستان کو اپنی علمی یا فنی واقفیت سے مدد دے سکتے اور خود بھی انکو روزگار کی ضرورت ہوتی۔ کابل میں پہنچکر میں نے وزارت معارف میں تجویز پیش کی کہ تعلیمیافتہ مہاجروں کو استخدام کر لیا جائے، کیونکہ اس سال اگر نہیں تو آئندہ سال انکی احتیاج پڑیگی، اور اب کم تنخواہ پر مقرر ہو سکیں گے

وہاں سے یہ جواب ملا کہ جب ٹکے ٹکے ہندوستانی بکیگا۔ تو اُسوقت خریدینگے۔ کابل میں جب مہاجروں کی سمائی مشکل نظر آئی تو ان کو کوہستان میں بھیجدیا وہاں بھی گذارہ دشوار ہوا تو بدخشاں کی طرف منتقل کیئے گئے اس آوارگی میں کئی ایک نے ترکیہ کی جانب رُخ کیا۔ ہرچند میں نے سمجھایا کہ وہاں بھی اخوتِ دینی عصبانیتِ ملّی کے پیچھے ہے مگر بیچارے ایمان کی شرط کے باوجود ایک سُوراخ سے ڈسے جانے کے بعد دوسرے کو آزمانے پر تُلے ہوئے تھے، الغرض سینکڑوں دربدر خاک بسر اور ہلاک ہوئے۔ تحریکِ ہجرۃ ناکامی اور شرمندگی میں منجر ہوئی۔ پھر بھی امان اللہ خان نے خام طمعی سے یہی گمان کیا کہ میں نے مہاجروں کو لاکھوں روپیوں کی مدد دی۔ اور اسی کا اعلان بھی کیا حالانکہ یہ اعانت صرف اتنی تھی کہ وہ زمین جو بیکار پڑی تھی اور بکتی بھی نہیں تھی۔ ان کے حوالے کی اور تقاوی کا نام نہیں لیا۔ جسکے بغیر مسافر تو خیر وطن کے لوگ بھی نئی اراضی سے مطلق فائدہ نہیں اٹھا سکتے؛

چونکہ صدق و اخلاص تھا نہیں، جسکے بغیر کوئی کام بھی کامیابی کا مُنہ نہیں دیکھ سکتا۔ امان اللہ خان نے ہجرت سے سوائے بدنامی کے اور کوئی پھل نہ پایا۔ آپ کہتے تھے کہ پہلے ہندوستانیوں پر اپنا اعتبار کا سکہ جمالوں، پھر اُن سے روپیہ وصول کرونگا۔ ترکوں کو ناحق آنا روپیہ بھیجتے ہیں، حالانکہ ان سے کیا حاصل ہوسکتا ہے، افغانستان کو مدد دیں کہ کوئی امید بھی اس سے ہوسکتی ہے کیونکہ قریب ہے۔ کاروبار کے معیار سے یہ خیال بالکل صائب ہے مگر اسکی تہ میں اگر خودغرضی اور مطلب برآری نہوتی تو ہندوستان پر اچھا اثر پڑتا اور اسکے مخلص بندے جی کھولکر چندہ دیتے، ارو شندان اگر اس نیت سے نکالا جائے کہ اذان کی آواز کے سوا مظلوم کی فریاد سُنائی دے تو ہوا و ضیا بھی آئیگی، اور صاحبِ خانہ کی ہمتِ عالی بھی معلوم ہوجائیگی، جسکے نہ ہونے سے امان اللہ خان کے لئے موافقیت کے اسباب و مواقع ہی پیدا نہ ہوسکے۔ ہندوستان میں

آپکے لئے کس قدر شور و غوغا ہوا، مگر سوائے چند ہزار روپوں کے اور کیا آپکے دامن میں پڑا۔ ہندوستان کے لوگوں کو معلوم نہیں تھا۔ کہ آپ کی نیت میں خلوص نہیں اسلئے خوب چلّائے اور زور لگایا مگر خدائے حق و مبین تو جانتا تھا لہذا مدد کا ارادہ مؤثر ہی نہ ہونے پایا۔

انقلاب فرانس میں جب بادشاہ کے حامی فرار ہوکر یورپ کے بعض ممالک میں پناہ گزین ہوئے تو انکی حمایت میں ایک لہر سب جگہ دوڑ گئی اور ہر طرف سے بادشاہ کی تائید میں انقلابیوں کے خلاف اعتراض و احتجاج کا شور اٹھا۔ جب اصلی واقعات منکشف ہوئے تو دنیا کی آنکھیں کھلیں، باوجود اتنے بڑے ہنگامے کے صرف چند ہزار سرداروں اور اہلکاروں کو تکلیف پہنچی، اور فرانس کی ڈھائی کروڑ آبادی کو بہ نسبت سابق قتل و غارت کے جو بادشاہ کی غفلت سے جاری تھی، اب قدرے چین حاصل تھا۔

محکومیت کا دونو جہانوں میں منہ کالا ہے، اگرچہ ڈاکٹر عبدالغنی جو "مجلس جان نثاران اسلام" کے صدر کی حیثیت سے گیارہ سال قید رہے اسلئے بھی کسی کام پر لگائے نہ گئے مگر ایک سبب انکا خالص ہندوستانی ہونا تھا۔ بعد میں جب بیسیوں ہندوستانی معارف میں مستخدم ہوگئے پھر بھی انکو اور انکے دو بھائیوں کو جو بلا شمولیت مجلس محض برادری کیوجہ سے مقید رہے، کوئی خدمت نہ دینا ایک ایسا فعل تھا جسکی دلیل امان اللہ خان ہی کو معلوم ہوگی، کئی سالوں کے بعد وزیر اور معین دونو نے سفارش کی پھر بھی انکی ملازمت قبول نہ کی۔ قطع نظر اسکے کہ افغانستان میں گیارہ سال مصیبت اٹھا کر کچھ راحت کے بھی مستحق تھے، انکی علمی اور اخلاقی فضیلت مسلّم تھی۔ ڈاکٹر عبدالغنی پنجاب کے سٹیٹ سکالر کی حیثیت سے انگلینڈ گئے، اور وہاں نو سال ڈاکٹری پڑھتے رہے جو کامیابی کے ساتھ تحصیل کی، چونکہ لنڈن کی اسلامی مجالس میں فصیح و بلیغ انگریزی تقریریں کرتے اسلئے امیر عبدالرحمان خان نے انکو اپنا منشی بنا کر بلالیا۔ امان اللہ خان اگر ان کو اولاً یورپ میں طلبہ کا مفتش مقرر کر دیتے، یا

مجلسِ شوریٰ میں رکھ لیتے تو علمی، قانونی اور کئی طرح کی خدمات سے ملک کو مستفیض کر سکتے۔ اسی طرح ان کے بڑے اور چھوٹے بھائیوں سے جو دینی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ اور ساتھ ہی جدید تعلیم حاصل کر چکے تھے ان کو کوئی خدمت نہ لی اور چونکہ ساری عمر افغانستان میں گذار چکے تھے، وہ تو بہت فائدہ پہنچا سکتے، امان اللہ خان کی خود رائی اور ہٹ دھرمی کے سبب ان تین ذی قیمت وجودوں سے کوئی استفادہ نہ ہوا، حتیٰ کہ میری کوششوں کے باوجود درسی کتابیں بھی ان سے تالیف و ترجمہ نہ کرائی گئیں جن کی اہلیت ان سے بڑھکر اور کسی میں نہ تھی، اور کابل میں دوسرے لوگ غلط کتابیں لکھتے رہے، جن پر اکثر طلبہ ہنستے، حالانکہ مولف و مترجم ان کے استاد ہوتے تھے!

(۱۲)

ماں اور بہنوں کیساتھ سلوک

حاشا وکلا میں وہ باتیں قلمبند نہیں کر سکتا، جو امان اللہ خان کی نسبت کابل میں مشہور تھیں، اشاعتِ فاحشہ بڑی قبیح حرکت ہے۔ مگر اخیر دنوں میں میرے لئے مشکل کا سامنا ہُوا۔ یورپ کی تہذیب نے مکتبِ مستورات میں اتنا اثر کیا کہ پردہ تقریباً اٹھ گیا اور اسکے علاوہ شہزادیاں یہ توقع کرنے لگیں کہ مرد انکو ادب سے بلائیں، اور انکے پیچھے پیچھے چلیں اگرچہ وہ استاد اور بزرگ ہوں، چونکہ اور مجھ سے رتبے میں بڑے ایسی ہی تعظیم بجالاتے اور مجھسے یہ ہو نہیں سکتا تھا، اسلئے میں نے تو مکتب کی راہ بھلادی، مگر اپنی ریاست کے دفتر کا راستہ دوسروں کو کیسے بھلوا سکتا جہاں ایک عورت آئی جسے میں یورپین سمجھا کہنے لگی کہ میں اپنے مکتب کا تقسیم اوقات بنوانے کے لئے آئی ہوں، جسے دیکھکر مجھے معلوم ہُوا۔ کہ اعلحضرت کی سگی بہن مکتبِ صنائع زنانہ کی رئیسہ ہیں۔ میں نے کرسی پیش کی اتنے میں وزیر معارف آکر ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے۔ مگر میں اپنی جگہ سے نہ اٹھا، شہزادی نے کہا کہ میرا کام وزیر کے ساتھ نہیں رئیس تدریسات کے ساتھ ہے۔ اسلئے وہ چلے گئے اور یہ بھی تقسیم اوقات چند منٹوں میں اپنی ذہانت سے پورا سمجھکر باہر نکلیں، تو میں بھی اٹھا اور بیگ انکے ہاتھ سے لیا اور موٹر میں انکو بٹھا کر واپس آیا۔

اکثر شہزادیوں کی ہمارے ہاں آمد و رفت تھی جو میری ہمشیرہ کی شاگرد رشید اور دل سے عزت کرتی تھیں، اسکے بیمار ہونے پر وہ سینکڑوں روپے خیرات لائیں، جو زنانہ شفاخانے میں دیدیئے گئے۔ میری بابت بھی بڑی حرمت کے خیال رکھتیں، اسلئے ان کی خاطر یہ معذرت کرتا ہوں، کہ میں امان اللہ خان کو انکے بھائی

کی حیثیت سے نہیں، بلکہ بادشاہ کی مرتبت میں ملامت کر رہا ہوں تاکہ وہ نادم و تائب ہوں، جیسا کہ آخند صاحب تگاب نے وصیت کی تھی، اور دوسرے عبرت پکڑیں اور ملک و ملت ایک اور انقلاب کے عذاب سے بچے رہیں، شیخ سعدی سے اجازت کی روایت ہے۔ کہ بادشاہ ملامت پسند اور کج تراز دئے ناراست گو کی غیبت علانیہ روا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی سیدھا تولنا ہے کہ اپنی بہنوں کو دن میں مکتب جانے اور وقت پہ حاضر ہونے کی تاکید کی جائے۔ اور رات کو تین بجے تک اپنی محفل میں شریک رکھا جائے جسمیں اگر شمولیت نکریں، تو شاہ خانم اور اُنکی بہن طعنہ ماریں، کہ تعلیم میں رکھا گیا ہے۔ جو شاہانہ صحبت کی عزت سے محرومُ رہو؛

نجم البنات بھی انکی بہن تھی، اسکے ساتھ کیا سلوک ہُوا۔ جوان بالغہ تھی، محمود بیگ خان کے قریبی رشتہ دار برگڈیر عبدالروف خان کے ساتھ نکاح کرلیا۔ مگر اس نے ملک کی بہن کو امیر حبیب اللہ خان کے وقت میں طلاق دیدی تھی۔ اسلئے اسکی خاطر اسکے ساتھ تُبغض و عناد لازم ہُوا۔ اُسے فوجی منصب سے موقوف کردیا۔ اور اپنی بہن کی تنخواہ بند کردی۔ اب کیا کریں۔ کس چیز پر گذارہ ہو، میں نے مکتب حبیبیہ کیلئے مکتب حربیہ کی طرح جب سرکاری کھانے کی درخواست کی تو امان اللہ خان فرمانے لگے کہ ملکی مکتبوں کے لڑکے تعلیم سے فارغ ہوکر اپنا پیٹ خود پال سکتے ہیں مگر حربی مکتبوں سے نکلکر سوائے حکومت کے اور انکا ذریعہ روزی کوئی نہیں، اب برگڈیر عبدالروف خان باوجود ناتجربہ کاری کے مجبور ہُوا کہ تجارت سے کچھ کمائے، چنانچہ ہندوستان سے سوداگری کا مال لاتا، اور اِدھر اُدھر بیچکر نفقۂ عیال بناتا، پھر بھی اُس کی اذیت کے درپے رہتے اور ملنا جُلنا تو قطعی طور پر مسدود تھا؛

امان اللہ خان نے شہر کی عورتوں کو جمع کرکے اُنکے حقوق پر تقریر کی اور اُنکی آزادی کے سلب ہونے

پر آٹھ آٹھ آنسو بہائے۔ باہر سے کیسی دلفریب باتیں ہیں مگر اندر کیا ہو رہا ہے۔ آزادی میں انتخاب شوہر بھی داخل ہے۔ آپکی بہن سراج البنات نے علی احمد خان مرحوم کو منتخب کر لیا اور والدہ علیا حضرت نے بھی بڑی خوشی سے اسے منظور کیا کیونکہ وہ ان کا بھتیجا تھا۔ امان اللہ خان نے ماں کے علی الرغم اسپر مالیات کا بقایا وغیرہ حوالے کردیا۔ ہر وقت پہرہ متعین رہتا اور بڑا تشدد کرتا۔ علی احمد خان تھا بڑے حوصلے، ہٹ اور استقلال کا آدمی، ذرا نہ جھجکا تو قید خانے میں ڈالا گیا۔ وہاں بھی اڑا رہا تو حکم دیا کہ میری بہن کو چھوڑ دو۔ ورنہ جان سے مار دونگا۔ اس نے پھر مردانگی سے جواب دیا کہ موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جب آئے تو حاضر ہوں۔ جلاد روانہ کر گئے۔ ادھر علیا حضرت مطلع ہو کر وقت پر پہنچ گئیں۔ ورنہ علی احمد خان بچہ سقا کی بجائے بچہ عمہ کے ہاتھ سے مارا گیا ہوتا۔ پھر مدتوں خانہ نشین رہا۔ سمت جنوبی کی بغاوت فرو کرنے پر جو ایک بڑی خدمت تھی۔ پھر اشتباہ ہوا اور اسکے نوکروں کو محبوس کرنا شروع کیا۔ بیچارہ تنگ آ کر ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ تمہاری، میری اور سچے خدمتگزاروں کی اس سلطنت میں قدر نہیں۔ آؤ اس بساط ہی کو پلٹ دیں۔ یورپ میں ساتھ گیا تو وہاں اور لوٹنے پر امان اللہ خان اور انکے رفقا اسکے ساتھ تمسخر سے پیش آتے رہے۔ حالانکہ یہ بڑا متین اور باوقار شخص تھا۔ آخر جب جلال آباد میں مقرر کیا تو ایک فوجی افسر کو اسکا نگران لگائے رکھا۔ حالانکہ اس سے پہلے اور اس سے بدتر مصیبت کے وقت اسی سمت مشرقی میں موثر خدمات بجالا چکا تھا۔ ایسے حالات میں علی احمد خان کا اعلان بادشاہی ایک طبعی امر تھا۔ مگر وہ اس سے بھی پرہیز کرتا رہا۔ جبتک کہ سب لوگوں نے متفق ہو کر فیصلہ نہیں سنا دیا کہ ہم کسی صورت میں بھی امان اللہ خان اور اسکے خاندان میں سے کسی کو بھی بادشاہ تسلیم نہیں کرینگے۔ یہ مجبوری بادشاہی جب لٹ گئی تو پھر ہندوستان میں نہ ٹھیرا۔ بلکہ سیدھا قندھار پہنچا تاکہ امان اللہ خان کی والدہ کا خاندانی وفادار ثابت ہو۔ مگر پھر شک کا اعادہ ہوتا ہے۔ اسپر جاسوس مقرر کئے جاتے ہیں اور اسکا نو بالغ

فوق العادہ ذہین بیٹا جسے میں بہت عزیز رکھتا تھا۔ امان اللہ خان کی خدمتمیں غزنی کے قریب شہید ہوتا ہے امان اللہ خان بھاگ جاتے ہیں اور علی احمد خان پھر ثابت قدم رہتا ہے یہاں تک کہ اور گناہونکی پاداش میں مارا جاتا ہے تاکہ حیاتِ دائمی زندگی میں مغفرت کا چارہ بنے ؛

امان اللہ خان کی تیسری سگی بہن کی منگنی جسکا ذکر شروع میں ہوا، سردار محمدؐ ہاشم خان سے ہوئی تھی۔ اور آپ ہی نے بڑی رضا و رغبت سے یہ انعقاد کیا تھا۔ مرد و زن دونو خوش تھے۔ بلکہ طرفین سے دعوٰی تھا کہ ایک دوسرے کے سوا کسی کیساتھ بیاہ نہیں کرینگے۔ علیا حضرت بھی مسرور تھیں۔ ان تائیدوں کیوجہ سے تمام شہر شیر تا د صلحا اس عقد کو استحسان کی نظر سے دیکھتے، خاص کر اس لئے کہ محمدؐ ہاشم خان ایک یگانہ مسلمان، خالص اور شجاع جوان تھے جسے محاورے میں "سادہ پٹھان" کہتے ہیں۔ اسی اثنا میں سردار محمدؐ نادر خان کیساتھ کشیدگی شروع ہوئی اور چونکہ امان اللہ خان کے کام جیسا اب معلوم ہوتا ہے۔ انکی ذات اور شخصیت کیساتھ وابستہ تھے جب اس سے قطع تعلق ہوتا تو حقوق و عہود بھی مرفوع القلم ہو جاتے۔ اس نسبت کے بارے میں بھی آپ کی نیت بدلی۔ سردار محمدؐ ہاشم خان کو ماسکو میں سفیر بنا کر بھیجدیا۔ اور بہن کو ان مکّار عورتوں کے گھیرے میں دیا جو حیلے اور فریب سے اسے بگاڑنے لگیں۔ کچھ عرصہ تو وہ اپنے سابق ارادے پر قائم رہی مگر آخر کوئی بھی موید اور رہبر نہ پاکر لغزش کھا گئی ؛

اب اسکی نسبت ٹھیری محمدؐ حسن کیساتھ جسے مکتب ابتدائی سے نکال کر اپنا مصاحب بنالیا اور وزارت کا رتبہ بھی دیدیا۔ یہ اسی چچا کا بیٹا تھا جسے اگر سردار شاہ ولی خان حیدر آباد سے نہ لاتے تو ابتک اپنے خاندان کے حصے کو سیاہ کرتا رہتا۔ امان اللہ خان کو اس لڑکے کے ساتھ خاص شغف تھا جسکی تشہیر یہانتک ہوئی کہ شجاع الدولہ خان سفیر لنڈن نے محمدؐ نادر خان کے نام ایک خط میں اس بات کی مذمت کر کے بہت

تاسف ظاہر کیا، یہ مکتوب یورپ میں امان اللہ خان کے ہاتھ پڑ گیا مگر سفیر مذکور کی ایسی خدمات نہ تھیں کہ اُن سے قطع نظر کر کے اُسے کوئی سزا دیجاتی البتہ موقع کی بات تھی اگر مل جاتا۔ اسکے بھائی نے امیر شیر علیخان کے پوتے کو قتل کر دیا، تو باوجود ثبوت کے صرف ۴ سال قید میں رکھا؛

محمد حسن خان ایک پتلا دُبلا لڑکا تھا، ایسا ضعیف کہ مکتب میں ایک چھڑی کھانیکے خیال سے کانپ اُٹھتا مگر امان اللہ خان نے ایسی غذائیں کھلائیں کہ تھوڑے عرصہ میں ایک موٹا تازہ ہٹا کٹا بلند قد جوان ہو گیا اور مطلق پہچانا نہیں جاتا تھا۔ یہ ایک موروثی یا تاریخی اعادہ تھا جب امیر عبدالرحمٰن خان بہت کمزور اور بیمار ہوا تو انکی ملکہ حلیمہ نے یہ اندیشہ کیا کہ اسکے بعد میری زندگی سیاہ بختی میں گذریگی جیساکہ گذری، حبیب اللہ خان کی بجائے اپنے بیٹے محمد عمر خان کو کسی نہ کسی تدبیر سے باپ کے بعد جانشین بنائے۔ انکی عمر تھی نو سال اور یہی ایک بڑی رکاوٹ تھی۔ شاہی حکیم نے غذائیں اور دوائیں دینی شروع کیں ۲ سال میں شہزادہ ایک فرزند کا باپ بن گیا۔ لونڈیاں بہت تھیں پیاپے اولاد ہونے لگی اور خود انکا والد گیارہ سال کی عمر میں صاحب ریش اور اندازہ سے زیادہ جسیم ہو گیا۔ ظاہرہ بالغ مگر عقل طفلانہ ہی رہی چنانچہ جیب میں بادام ڈالکر نماز باجماعت کے سجدہ میں کھاتا اور کہتا کہ مزہ اسیوقت دیتے ہیں، اگر نشوونما پائی تو وحشیانہ خواہشوں نے، چنانچہ ایک دفعہ کہنے لگا کہ جب بادشاہ ہونگا تو کابل کے پہاڑ پر چڑھکر حکم دونگا کہ سب کو قتل کر ڈالو، ایک آدمی بھی زندہ نہ چھوڑو۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ایسے خیالات موجود ہوں، تو بادشاہی کے اسباب ہی مفقود ہو جاتے ہیں۔ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ۔ اگر خدا اپنے بندوں کو روزی کی فراخی بخشے تو زمین میں سرکشی کرنے لگیں اسلئے جتنا چاہتا ہے اندازے سے دیتا ہے، کیونکہ اپنے بندوں کے حالات سے دانا و بینا ہے۔ سردار عنایت اللہ خان ولیعہدی

کے زمانہ میں کہتا کہ مجھے قیدیوں کی بیڑیوں کی جھنکار میں ہارمونیم اور پیانو کی سروں سے زیادہ لطف آتا ہے۔
اُنکی یادداشت کے کاغذ سے امان اللہ خان نے پڑھا کہ خدایا اگر تو مجھے دل کی نرمی عطا کرے تو اس سے پہلے
مرگ عنایت فرما۔ ایسے ظلوم الطبع اسی مقدار سے جبان اور بزدل بھی ہوتے ہیں، دو دفعہ بادشاہی کا موقعہ ملا،
دونو دفعہ ہمت ہار کر محکومیت اور مخذولیت میں پناہ لی ؎

اگر زندہ باشیم و سگ باک نیست　　کہ ایں توت و انگور ضحاک نیست

محمد حسن خان کو بادشاہی مصاحبت تو زیادہ عرصے تک نصیب نہ رہی مگر شادی ایسی دھوم دھام سے
رچائی جو کابل میں کم نظیر رکھتی ہے۔ تقریباً ایک میل تک سڑک کے دو رُویہ پلٹنیں سُرخ وردیاں پہنے کھڑی تھیں
اور اسی مسافے میں موٹریں اور شاہی رسالے نوبت سے رواں تھے، جھنڈیوں اور پھریروں کی قطاریں رستے
کے دونو جانب لہرا رہی تھیں، شرقی اور غربی رسوم کی آمیزش نے قوالوں اور تھیٹروں کا سماں باندھ دیا، تحائف
نے دولھا اور دلہن کو مالا مال کر دیا، جوانوں، بیگانوں، وزیروں، سفیروں اور سب ارکانِ دولت نے پیشکش کئے، ایک
تو شوہر عزیز دوسرا سردار محمد ہاشم خان کو رشک و حسرت میں جلانا مطلوب، محبت و عداوت کے جذبات نے
ملکر شان و شکوہ کو دوبالا کر دیا۔ پھر میاں بیوی کو سونے اور چاندی کی اینٹوں پر چلایا گیا جو ایک قدیم
شاہی رواج ہے۔ عیب کے ساتھ ہنر کا اقرار بھی ضرور ہے۔ امان اللہ خان نے اِن خشتوں کو شفاخانے میں
اعانے کے طور پر داخل کر دیا۔

دُنیا میں مرج البحرین کا تماشہ عجیب و غریب مناظر پیش کرتا ہے، میٹھے اور کھاری دریا ملے ہوئے ہیں مگر
جُدا بھی ہیں۔ امان اللہ خان نے خود تو شفاخانے کو چندہ دیا مگر مامورین کو بھی مجبور کیا کہ ایک ایک مہینہ کی تنخواہیں
دیں جو ظاہرہ بڑے مفید کام میں دی گئیں لیکن افغانستان میں مشاہرات بہت کم ہیں، جو رشوت نہ لیتے انکو چندہ دینے

سے تنگدستی سہنی پڑتی - اور دوسرے ذکور رشوۃ کی طمع اور ہوتی - جب امان اللہ خان کسی اچھے مصرف کے لئے اعانہ جمع کرتے تو رشوت خور بہت زیادہ دیکر معزز بنتے اور پھر اور رشوت لیکر کمی پورا کر لیتے - جو حرام نہ کھاتے وہ ایک تو پریشان حال ہوتے کیونکہ تھوڑا چندہ بھی انکے ضروری مصارف کو کم کر دیتا - دوسرا تنفر ملوکانہ کا نشانہ بنتے - اس لئے کہ حرام اور حلال میں تمیز نہیں تھی ؛

اس خوبی اور بدی کی ملاوٹ کی ایک اور مثال لیجئے - امیر حبیب اللہ خان کے وقت ہمکو قید میں صبح اور شام دو دو سوکھی روٹیاں ملتیں موٹی اسلئے اندر سے کچی - ہمارا ایک کاشتکار کہتا تھا کہ اگر روٹی پکی ہو تو جلدی ہضم ہوتی - اور زیادہ کھائی جاتی ہے اسلئے کچی میں اناج کا صرفہ ہے - ہماری روٹی کے آٹے میں بھوسا ہوتا جو مفید کہا جاتا ہے - ریت بھی ایک تہائی ہوتی جس سے معدہ میں کھانے کو پیسنے میں مدد ملتی ہے کبھی بچھو بھی اندر بھنے ہوئے ہوتے اور یہ بھی بڑے مقوی بتائے جاتے ہیں - اگرچہ سرکاری کھانا یہی خشک روٹی تھی - مگر خدا کے فضل سے ساڑھے دس سال کے عرصہ میں ہم کو شاذ ہی اسکے تناول کرنے کا موقعہ ملا - باہر سے در پردہ اچھا کھانا منگوا لیتے جسپر البتہ خرچ بہت ہوتا - اور ایسے اخراجات پر میرا گھر سے ہزاروں روپیہ صرف ہوا - اتنے عرصہ میں ہمارے محبوسین کو کچھ دن مکئی کی روٹی ملی اور ایک دن بالکل نہیں جسکے متعلق میں نے کہا تھا ؎

تیرے ستم قفس میں بھی صیاد کم نہیں ۔۔۔ اب آب و دانہ دینا بھی تونے بھلا دیا

اسی حالت کیساتھ مقابلہ کرکے لوگ امیر عبدالرحمن خان کا قصہ بیان کرتے کہ ایک شاہی سالے کا سوار ہر روز روٹیوں کے ڈھیر سے کچھ اٹھا لاکر دربار میں پیش کرتا اور امیر ہر ایک روٹی سے ایک نوالہ توڑ کر چکھتا - تاکہ قیدیوں کے لئے اچھی خوراک مہیا ہو - ایک روز اور روٹیاں لایا تو امیر نے دیکھکر کہا کہ نانبائی نے تمہارے لئے خوب بنے طلب کئے ، پھر ریشمی رومال میں خود ہی چیدہ روٹیاں باندھ کر تمہارے حوالے کیں تم نے دیکھ بھال کر

کام نہیں کیا۔ اسلئے تمہاری آنکھیں چوُنے کی خواستگار ہیں۔ اگرچہ اس حکم کی تعمیل نہیں ہوئی۔ مگر آئندہ کیلئے خوف ہوگیا اور بندیوں کو عمدہ غذا پہنچتی رہی۔ یہ تو امیر عبدالرحمن خان کی تعریف تھی مگر گہری تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ انہی روٹیوں کی قیمت جمع ہوتی جو پانچ روپے ماہوار تھی۔ بسا اوقات ایک غریب قیدی دو تین سال جیل میں رہنے کے بعد جب رہا ہوتا تو سینکڑوں روپے اُس پر قرض ہو جاتے جنکو ادا کرنیکی عدم استطاعت سے پھر برسوں قیدخانہ میں پڑا سڑتا۔ اس موازنے سے تو امیر حبیب اللہ خان کی ناقص روٹیاں ہی بہتر تھیں!

کسی کام کے سارے پہلو نہ دیکھکر اسے سرسری نگاہ سے اچھا سمجھکر شروع کرنا حالانکہ اسکے انجام تک پہنچنے میں کئی خرابیاں ہوسکتی ہیں۔ جو اسکے ضرر کو نفع سے زیادہ کردیتی ہیں۔ ایک جرم ہوجاتا ہے۔ امان اللہ خان کے تقریباً سارے کام ہی اس فہرست میں داخل ہوجاتے ہیں۔ حتیٰ کہ تعلیم جیسا مفید امر مضر ہوگیا تھا۔ جب ایک علاقے کا ابتدائی مکتب اقلاً سالانہ دس ہزار روپیہ اخذ رشوت کا ذریعہ بنے تو اسکا نقصان البتہ فائدے سے زیادہ ہے۔ تعلیم جبری تھی۔ ایک علاقے میں ایک مکتب جسمیں ۴۰ لڑکے ہر سال لئے جاتے۔ اگر ہزار لڑکے سارے علاقہ میں ہوتے تو سب کو جبراً مکتب میں داخل کیا جاتا۔ انکے گھر ہوتے پانچ سے لیکر ۱۰ میل تک دُور۔ ناچار روپیہ دیکر خارج ہوتے۔ غزنی کے نزدیک جاغوری میں ۴۰ لڑکے ایسے مفلس داخل رہ گئے کہ پھر ۵ روپیہ ماہوار فی طالبعلم اور لوگ دیتے جنہوں نے اپنے لڑکے نکال لئے تھے۔ یعنی ۷ ہزار روپیہ سالانہ ادا کرتے۔ انقلاب کا ایک سبب یہ تھا اور اسی لئے مکتبوں کو بعض جگہ آگ لگائی گئی۔ میں یہ واقعات امان اللہ خان کو لکھ لکھ تھک گیا مگر انہوں نے مطلق پرواہ نہ کی ؎

کسی پتّے کے لب پر بھی اگر نام خزاں آیا نکالا باغباں نے اسکو رسوا سے چمن کرکے

اگر زرد پتّوں کے ڈھیر ہی کہیں لگے دکھائی دیتے تو خود باغبان کو بھاگنا پڑتا۔ چنانچہ سیاحتِ یورپ سے مراجعت کے

مراجعت پر ہرات میں آپ کے استقبال کی دھوم دھام سے تیاریاں کی گئیں یعنی کرائی گئیں جبوقت شاہی جلوس شہر سے گذر رہا تھا، تو کہیں کہیں بجائے خوشی کے فریاد کے نعرے سنائی دینے لگے اور امان اللہ خان مطلب کو تاڑ کر جلدی وہاں سے رخصت ہوئے، افسران تعلیم اپنی استطاعت کے بموجب ہزاروں اور نائب الحکومتہ، جرنیل اور کوتوال لاکھوں روپے کما چکے تھے جس سے البتہ صوبہ بھر میں خزاں برپا ہو رہی تھی، جب افغان بادشاہ دُنیا میں یہ دکھاتے پھرتے تھے کہ افغانستان میں بہار قائم ہے، خود ہی اُسے بدنام ہو کر نکلنا پڑا، بڑے مجرم سب مقتول ہوئے اور ملت کی حاکمیت دائم ہے جسکی بنا حق پر ہے ؛

(۱۳)

انتقامِ حق اور اجرِ عمل

ہر انسان اگر دوسروں کا نہیں تو کم از کم اپنے وجود کا مسئول ہے، روحانی ذمہ واری کے علاوہ جسمانی قواعد کو توڑنے سے بیماریوں کے عذاب نازل ہوتے ہیں، اسی لئے ہربرٹ سپنسر حفظ الصحۃ کی غفلت کو بھی گناہ قرار دیتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّھُمْ؛ انہی ظاہری و باطنی قوانین سے انکار کرنیوالے فائدہ اٹھاتے اور کھاتے ہیں، جیسا کہ حیوان کھاتے ہیں پس آگ انکا ٹھکانا ہے۔ اسی آیت کی تفسیر ہے اس حدیث میں کہ اَلْحُمّٰی نَوْعٌ مِنْ نَارِ جَھَنَّمَ۔ تپ دوزخ کی آگ کی ایک قسم ہے۔ جس وقت اپنے بدن کو درست نہ رکھنے سے آدمی موردِ عتاب ہوتا ہے تو جب اور آدمیوں یعنی قوم اور ملت کی مسئولیت اس پر عاید ہوتی ہو، تو فطرت کے قاعدوں کو بدلنے سے اس پر اسی اندازے سے مصائب نازل ہوتی ہیں؛

امان اللہ خان نے اپنی انانیت کو قائم رکھنے اور اپنی شخصی بادشاہی میں کسی کو شریک نہ کرنے کیلئے ان اشخاص کو جو عدل و امن کے استحکام میں مدد دے سکتے اور جو بغاوتوں کو فرو کرکے رعایا کو حصول ترقی میں مشغول رکھ سکتے، کبر، حسد اور بیجا خوف سے دور کر دیا۔ اور اُنکی بجائے ریاکاروں، رشوت خوروں اور ظالموں کو اپنے گرد جمع کر لیا جنکی کثرت کے سبب جو تھوڑے بہت اچھے لوگ بھی تھے، وہ بھی دب کر رہ گئے! اور کوئی مفید کام انجام تک نہ پہنچا سکے؛

جب آپ یورپ میں تھے، تو طلبہ کے خطوط کا جواب لکھتے تاکہ اخباروں میں شائع ہوکر مزید شہرت کا موجب بنے۔ مگر کابل کی حکومت اور کوتوالی نے کھلم کھلا رشوت خوریاں شروع کیں جسکی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، ان کی خبر تک نہ لی۔ مسجد جامع میں سینکڑوں قصاب اور گھی بیچنے والے جمع ہوکر رشوت کے روپے اکھٹے کرتے کیونکہ حکم ہوا تھا کہ اس نرخ پر بیچیں جس سے زیادہ پر وہ خود خریدتے تھے، انکار پر مارپیٹ ہوتی تو سوائے کتے کے منہ کو لقمے سے سینے کے اور کیا چارہ تھا۔ میں نے یہ واقعات مفصل طور پر وزیر تجارت عبدالہادی خان کو بتائے تھے مگر اُن کے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔ پھر محمد ولی خان وکیل اعلیٰحضرت کو لکھ کر دیئے، وہ بھی کچھ نہ کرسکا۔ یہ ایک ضعیف الطبع مگر مطیع شخص تھا جس طرف امان اللہ خان نے دھکیل دیا، جا گھسا اور یہی سبب اسکی وکالت کا تھا۔ چنانچہ یورپ کے سفر سے برگشت کے وقت اُس نے کہا کہ میں صرف بادشاہ کے ایما پر کام کرتا رہا ہوں، میرا اپنا دخل کسی امر میں نہیں تھا۔ ایک طرف وکیل دوسری طرف بے اختیار، کیونکہ محمود خان یاور اور نائب الحکومہ کابل کو ور پردہ مقتدر بنا گئے تھے اور وہ رشوت کھانے اور لوگوں کو ڈرانے کے لئے اس اقتدار کا ہر وقت اعلان کرتا۔ عبدالعزیز خان وزیر حربیہ و داخلہ کو اپنی ذاتی جائداد کا جُداد وکیل بنا گئے اور اندرونی اختیارات علاوہ دے گئے تھے۔

محمد ولی خان ان وجوہ سے آزاد نہیں تھا، حتیٰ کہ بچہ سقا جیسے ڈاکوؤں پر اسکا زور نہ چلتا کیونکہ وہ حکومت کابل کے ماتحت تھے۔ اسی سبب اسکی شناسائی پہلے سے اُنکے ساتھ ثابت ہوئی۔ وہ ہر روز شام کو اپنے باغ میں سیر کے لئے جاتا جو کوہدامن میں واقع تھا۔ چوروں کو پکڑنا اسکی قوت سے خارج تھا، اسلئے اُن کے ساتھ بنا کر رکھتا تاکہ اسے لوہے کے گھونسے سے ہلاک نہ کردیں۔ میرے خیال میں اُس نے بچہ سقا کو کبھی بندوق بھی دی ہوگی۔ جسکا اظہار اس نے بادشاہی کے دوران میں کیا۔ کہ محمد ولیخان دو طرفہ ہانکتا تھا۔ مجھے بھی اعلیٰ درجے

کی بندوق دی۔ جب لڑائی میں دُور بین سے دیکھتا تو توپ کے پاس کھڑا میری طرف گولے کی رہنمائی بھی کرتا۔
یہ گمان کہ وہ بچہ سقا کے ساتھ پہلے سے مربوط تھا تاکہ اُسکی بادشاہی میں مدد کرے عقل سے بہت دُور ہے
اُسے جب قید کیا تو رہائی کے لئے بچہ سقا کا فرمان صادر ہُوا۔ کہ تمہاری اپنی خواہش سے تمہیں محبوس کیا تھا
اسیطرح تمھیں چھوڑا جاتا ہے۔ اس سے البتہ سابق تعلق ثابت ہوا مگر چونکہ قطعی طور پر جُرم کا ثبوت نہ ملا۔
اسلئے اعلیحضرت محمد نادر خان نے بھی اسے احتیاط سے قتل کا محکوم نہ کیا بلکہ قید میں رکھا جس سے کبھی
اسکی عفو کی امید ہوسکتی ہے کیونکہ آدمی شریف مشہور ہے؛

اس کے سوا نادر خانی معدلت کی ایک اور مثال شروع سلطنت میں قائم ہوئی۔ بچہ سقا کے زمانہ
میں شیر جان وزیر دربار کے خاندان کو بہت عزت حاصل ہو گئی۔ اُسکا بھائی عطاالحق وزیر خارجہ ہو گیا جسکے
متعلق میں ایک ذاتی حکایت لکھتا ہوں۔ جو چھوٹے بڑے، اچھے بُرے افعال حرکات کو ایک طرح کا جاندار
ثابت کرتی ہے اور وہ اپنا بدلہ لئے بغیر نہیں رہتے۔ مفید و مضر دوا و غذا جسم میں داخل ہو کر اپنا اثر ضرور دکھاتی
ہیں حالانکہ وہ طبیعت جسکے ذریعے سے یہ مدد یا ضرر پہنچاتی ہیں۔ بذاتِ خود شعور نہیں رکھتی یہی حال اعمال کا ہے۔
ایک دفعہ امان اللہ خان مکتب حبیبیہ میں مع ارکان و اعیان کے تشریف لائے اور دن بھر ملاحظہ و معاینہ فرماتے
رہے بہت خوش خوش واپس گئے۔ میں شام کے بعد اُن کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ بہت شکریہ ادا کرکے میری پیشانی کو
بوسہ دیا۔ فرمانے لگے کہ مکتب میں وزیر کے سامنے میں نے تمہاری تعریف کرنی مناسب نہ سمجھی۔ اس بزدلانہ
مصلحت کو میں تو سمجھ نہیں سکا کیونکہ وزیر وہی تھے جنکے افیونی ہونیکا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور ایک نشتو مثل
ہے۔ دو چرسی ایک آدمی کے برابر ہوتے ہیں۔ اور افیونی تو صفر ہے۔ خیر اسیوقت ایک کرنیل آگے بڑھا
اور اُس نے میرے ہاتھ چومے یہ کہکر کہ جسکی عزت بادشاہ کرے ہم بھی اُسکی تعظیم بجالاتے ہیں، میں نے ذرا

بلند دماغی سے کہا کہ آپ کو علاوہ بادشاہی متابعت کے اپنی ذاتی رائے بھی رکھنی چاہیے، اور جب بناپہ بادشاہ نے مجھے عزت کے لفظوں سے یاد کیا ہے آپکو اسکی علیحدہ اطلاع ہونی چاہیے، کیونکہ آپ بھی ملت کے ایک رکن ہیں۔ یہ عطاالحق برگیڈیر ہوکر روس میں فوجی طلبہ کا مفتش بنا۔ اور بڑی ہمت اور دیانت سے کام کرتا رہا۔ بچہ سقا کے وقت وزیر خارجہ ہوا۔ تو اسی مقام پر جہاں میں نے اسکے ساتھ مزاج سے بات کی تھی۔ میری ملاقات ہوئی اور میں کچھ خجالت زدہ سا ہوا۔ عطاالحق نمان نے ان دھاڑیوں کی حکومت کی گھنگھور گھٹا میں بہت سے اشخاص کیساتھ نہایت مروت و فتوت کا سلوک کرکے انہیں تسکین پہنچائی اور اندیشے سے نکالا۔ اپنے فرائض کو پوری ایمانداری سے ایفا کرنے اور اپنے دفاتر میں امان اللہ خان کے عہد سے بہت زیادہ جدوجہد سے کام کرانے کے علاوہ ہمیشہ اسی دھن میں رہتا کہ اپنے معاصر ظالموں کے پنجے سے شرفا کو بچائے چھڑائے اور ان کو ہر طرح کی امداد پہنچائے۔ یہ شخص اپنی پہلی زندگی میں بھی صلاح و تقوی کا مجسمہ تھا اور اس فتنہ و فساد کے زمانہ میں بھی نیک اعمال پر ثابت قدم رہا، جسکا اجر اسے یہ ملا کہ جہاں اور ظالم سب کے سب ہلاک ہوئے اسے مرگ سے نجات ملی اور قید میں رکھا گیا جس سے عفو شاہانہ اسے رہا کر سکتی ہے، جسکا وہ مستحق ہے۔

حصۂ دوم

نادر خانی خدمات مشکلات اور فتوحات

(۱)

دو تین خاندانوں کی رقابتیں

جشنِ استقلال کی تقریب پر ایک پلٹن جمناسٹک اور ورزش کے کرتب دکھا رہی تھی اور اُن کے افسر جرنیل شاہ ولی خان تھے۔ سپاہی انعام یا خوشنودی کی توقع رکھتے تھے، کہ یکایک شاہی غضب کا تنور بھڑک اُٹھا اور جرنیل کو غصے میں کہنے لگے کہ فوج کو ہندوستانیوں کی تعلیم سے بگاڑ رکھا ہے جو کھیلوں اور تماشوں کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ اسمیں محمود سامی کا ہاتھ تھا۔ جو امان اللہ خان کا استاد اور فنِ حربی و زبان ترکی سکھانیکے سوا شاہی مجلس کا مسخرہ بھی تھا۔ اس نے اپنی فوج کی مصنوعی لڑائی دکھائی جسمیں سوائے پیہم توپوں اور بندوقوں کی آوازوں کے اور کوئی نکتہ نہیں تھا۔ البتہ اس بے معنی شور و غوغا ہی کو کھیل اور تماشے کے مقابلے میں مردانہ ہنر دکھانا چاہتا تھا۔ پھر ایک افسر کی شہادت کا نقشہ کھینچا جسکی تجہیز و تدفین کی رسومات اور طویل حشو سے بھری تقریریں عین لڑائی میں بالکل لغو چیزیں تھیں مگر پرکھنے والا کون تھا!

افغانستان میں ایک نہایت مضر بلکہ مہلک عادت بعض لوگوں میں پائی جاتی ہے کہ دُوسرے کو خوش کرنے کے لئے اسکی بُری بات کو بھی اچھا کہہ دیتے، اور اسمیں تفضیل ہی کے کلمے استعمال کرتے ہیں جب بادشاہ کو کسی شخص کا کام پسند آجائے تو اسکو تو آسمان پر ہی چڑھا دیتے ہیں، محمود سامی ترفیع منصب کا مستحق اور سپہ سالار کے خاندان کی ہنسی اڑانے میں بھی کامیاب ہوگیا۔ ندیموں کا ایک بڑا موثر طریقہ بادشاہ کو دھوکا دینے کا ظرافت میں کسی کی دشمنی کی بات کہہ جانا ہے۔ جو اس کے دل میں چبھ جاتی ہے۔

اور اگر جسکے خلاف کی گئی ہو رنج ظاہر کرے تو جواب یہ ہے کہ مطائبے کے قابل نہیں ہو؛

محمود سامی کی بھتیجی وزیر دربار محمد یعقوب خان کو بیاہی گئی۔ اور اسکا رشتہ اور تعلق چرخی سپہ سالار کے خاندان کیساتھ تھا جنمیں ایک عبدالعزیز خان نے بڑی ظریفانہ طبیعت پائی تھی۔ یہ اور اسکا بھائی غلام صدیق خان امان اللہ خان کے لڑکپن میں ہمنشین تھے۔ جب سردار گل محمد خان کو پہلے سال سفیر ہند بنا کر بھیجا، تو غلام صدیق خان کو اسلئے اسکا نائب مقرر کیا کہ اپنا آدمی اور سردار موصوف نادر خانی خاندان میں سے تھا۔ اسکا بیٹا فیض محمد خان وزیر معارف کہتا تھا کہ نائب نے مناکے مروانے کی عملی تجویز کی تھی۔ جو ناکام ہوئی۔ ان بھائیوں میں سے ایک نے شیر احمد خان سفیر اطالیہ کو حضور شاہانہ میں کہا کہ آغا توک سرخ پاؤں سرخ آپ قدر قدر نہ کریں تو کون کرے، آپ کو کس چیز کی پرواہ ہے۔ وزیر سپہ سالار نائب سالار جرنیل نائب الحکومتہ اور کیا اور کیا آپکے خاندان میں اور پھر شہزادہ اور اللہ جان آپکا عزیز۔ شیر احمد خان اس پر بگڑے تو ہنس دیے کہ واہ واہ مزاح کو نہیں سمجھتے۔ کوئی خفا ہو تو ہو، مگر یار لوگ اپنے مطلب کی بات کہہ گئے جو کارگر بھی ہوئی؛

عبدالعزیز خان ترکستان کا نائب الحکومتہ ہوگیا، غلام صدیق خان وزیر خارجہ، انکے دو اور بھائی ترکیہ اور فرانس کے سفیر بنے جو پہلے جرنیل تھے۔ ملکی اور فوجی طبقات دونو جگہ انکا رسوخ تھا، بڑی جاگیروں کے مالک اور ساتھ ہی بڑے ہوشیار، ذہین اور مدبر تھے۔ انکا باپ امیر عبدالرحمن خان کا مشہور سپہ سالار غلام حیدر خان چرخی تھا۔ اکثر ناظرین تو اسے اتفاقی امر سمجھینگے اہل جفر ضرور کہینگے کہ اس نام کے خواص سے اتنے غلام حیدر امیر عبدالرحمن خان کے سپہ سالار ہوئے۔ غلام حیدر خان اورکزئی فاتح ہزارہ اور غلام حیدر خان توخی جو سمت قندھار میں سپہ سالار تھا، یہ سب امیر شیر علی خان کی فوج میں تھے اور ایک جرنیل غلام حیدر خان وردک تھا۔ جو گھوڑے کی چار نعلوں کو اکٹھا پکڑ کر آٹھ ٹکڑے کر ڈالتا اور روس کے نعلبندوں کو شرمندہ کرتا

جہاں وہ فرار تھا ایک غلام حیدر خان بارکزئی امیر حبیب اللہ خان کا افسر خزانہ جات تھا۔ مگر سب سے زیادہ مقتدر و معروف غلام حیدر خان چرخی تھا جس نے کافرستان کو فتح کیا اور انگریزوں کے ساتھ افغانستان کی خدمت کی ۔

اس کے بیٹوں نے پہلے لوگر کے ایک خان کو قتل کیا تاکہ اسکے جانشین وہ بنیں، پھر کابل میں ایک بڑے آدمی کو مارا، جسکے سبب سب قید میں ڈالے گئے اور پانچ سال کے بعد انکو مختلف شہروں میں نظر بند کا حکم ہوا۔ مگر امان اللہ خان اور اُن کی والدہ طرفدار تھیں۔ کیونکہ یہ سالار چرخی کی بیوی علیا حضرت کی وزیر اور سلیقے کے علاوہ بڑی باتدبیر تھی۔ عین اخراج کے وقت رہا کر دیئے گئے اور پھر تھوڑی دیر میں معزز عہدوں کے مالک بن گئے۔ امان اللہ خان کے عہد میں تو تقریباً کل اختیار انہی کا تھا۔ کیونکہ محمد ولی خان بھی انہی کے ساتھ متحد تھا۔ محمود طرزی کی بھی انہی کے ساتھ ارتباط کہی جاسکتی ہے اگرچہ وہ ایک گوشہ گیر ادیب تھا اور اسکو حکومت یا ملکی معاملات میں کسی طرح کا بھی رسوخ حاصل نہیں تھا۔ پھر بھی عقائد اور مفاد کے لحاظ سے اوروں کے ساتھ مل کر نادر خانی خاندان کا مخالف ضرور تھا۔ یہ چرخی خاندان دولت کا بڑا خیرخواہ اور لائق خدمتگذار کہا جا سکتا ہے مگر اسمیں سے ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جو رشوت کے عام عیب میں ملوث نہ ہو اور رشوت بھی لاکھوں کی جو البتہ زیادہ بیت المال سے وصول کیجاتی۔ اسمیں دونو خاندانوں کے درمیان کلی تفاوت آجاتا ہے۔ کیونکہ محمد نادر خان کے سب رشتہ دار اس بلا سے مبرا تھے یعنی ملت کے خالص خدام تھے جنکی خدمات سے محروم کر کے مخالفین نے اُسے بغاوت پر آمادہ کیا اور انقلاب برپا ہوا۔ غلام صدیق خان تو ہوائی جہاز میں بیٹھ کر امان اللہ خان کی خسر کیساتھ قندھار جا پہنچا اور اونٹوں کی قطاریں آکر انکے کنبہ کو مع مال و اسباب کے لیکر چرخ کے پہاڑوں میں جا گھسیں۔ کابل کے باشندے جنمیں محمد نادر خان کی تمام مستورات اور بچے بھی تھے۔

اس حال کو دیکھ رہے تھے کہ بادشاہ اور اسکے وزیر اپنے زن و فرزند کو لیکر انہیں رہزنوں کے حوالے کئے جاتے ہیں۔ خدا ہی کی طرف سے کوئی مرد پیدا ہو جو انہیں نجات دلائے؛

دوسرا بڑا خاندان بارکزئیوں کا تھا جو تقریباً سارے ملک پر حاوی ہو رہا تھا امیر عبدالرحمن خان کی شروع حکومت میں سردو خان ہوتک ایک سپہ سالار کی مجلس میں بارکزئی اور پوپلزئی سب بیٹھے تھے کہنے لگا کہ خدا قوموں کی عادتوں کو دیکھکر بادشاہی لیتا اور دیتا ہے۔ پوپلزئیوں سے سلطنت چھین لی اور بارکزئیوں کو بخشدی کیونکہ پوپلزئی اپنی زحمت اور کوشش سے بھی روزی کما سکتے ہیں۔ مگر بارکزئیوں کو اگر بادشاہی کا ذریعہ نہ ہو تو فاقے مرجائیں۔ کیونکہ ان میں ہمت اور سعی کی خصلت ہی نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات ظرافت سے کہی گئی مگر امان اللہ خان کے وقت میں تمام حکام تقریباً بارکزئی تھے۔ اور غالباً سارے ہی رشوت کھاتے اور رشوت دراصل عدم سعی وہمت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اوروں کا محنت اور مشقت سے کمایا ہوا مفت لے لینا ایک قسم کی غاصبانہ سستی اور بے غیرتی ہے؛

علی احمد خان والی کابل (مرحوم)، عبدالعزیز خان وزیر حربیہ و داخلہ وکیل عین المال محمود خان یاور حضور مہتمم ضبط احوال منتظم سرحدات و نگران کل عمارات دارالامان۔ محمد ابراہیم خان وزیر عدلیہ بعد نائب الحکومتہ ہرات محمد سرور خان نائب الحکومتہ قندھار جرنیل عبدالرحمن خان مع بیشمار بھائی بندوں کے جو افغانستان کے اطراف و اکناف میں حکام اور فوجی افسر تھے، مروانیوں کی طرح ملک بھر پر متصرف ہو رہے تھے انمیں دو خصلتیں مشترک تھیں ایک رشوت ستانی، دوسرا اصلاح اور جدید تعلیم کی دلی مخالفت جس سے امان اللہ خان واقف اور جس پر کئی بار معترف ہو چکے تھے۔ دوسری مذمت سے صرف علی احمد خان پاک تھا۔ مگر پہلی میں شریک مکتب کے حکام کے تعلیمیافتہ جوانوں کو بھی بغیر دو تین ہزار روپیہ لئے حکومتوں پر مقرر نہ کرتا اور محمود خان کے ساتھ

شرابنوشی میں بھی موافق تھا یہ محمود خان باوجود اتنے مناصب کے علی احمد خان کے یورپ جانے پر والی کابل بھی ہو گیا۔ اتنے عہدوں کا بوجھ اسلئے اٹھا سکتا کہ وہ پیکر تھا ورنہ انکی لیاقت پر کاہ بھی نہیں تھی البتہ اپنے وسیع اختیارات سے فائدہ اٹھا کر کابل کی مسجد جامع میں اسی نے رشوت جمع کرائی حالانکہ دارالامان سے لاکھوں روپے کما کر جرمنی کے بنکوں میں بھیج چکا تھا۔ اسکے بھائی جو حاکم تھے کھلم کھلا رشوتیں لیتے کیونکہ مخبر انکے خلاف قلم نہ اٹھا سکتے۔ محکمۂ خبر رسانی کا رئیس خود یاور تھا۔ ایک تنگی غارو کی نئی سڑک پر مقرر جہاں سے اس نے بہت مال فراہم کیا ایک غوربند میں حاکم جہاں کی رعایا تنگ آگئی تھی۔ ایک تلات کا حاکم جس نے وہاں سے خوب دولت جمع کی انکا گھر بذات خود ایک شہر تھا جو باغ بابر کے نواح میں بلند فصیلوں سے محصور تقریباً ایک میل پھیلا ہوا مغلوں کی وسعت سلطنت یاد دلاتا۔ دوسرے علاقوں میں بھی انہوں نے گاؤں کے گاؤں اجاڑ کر باغات اور زمینوں کی ملکیت پیدا کر رکھی تھی :

سردار محمد سلیمان خان (مرحوم) وزیر معارف پغمان میں مجھے کہنے لگے کہ اس پہاڑ کے پیچھے یاور اور اس کے بھائی سابق شاغاسی معین السلطنۃ کی غیر محدود اراضی ہے جو انہوں نے زبردستی کوڑیوں کے مول لی تھی اور ہمنے صرف ایک جگہ خریدی تاکہ کوٹھی بنائیں، وہ بھی امیر حبیب اللہ خان نے پسند کر لی جہاں امان اللہ خان رہتے ہیں ہماری سب جائداد حلال پیسے کی ہے اور اسی کی برکت سے جب اوروں کی کوٹھیاں ناجائز کمائی کی بنی ہوئی جنگ استقلال کے وقت جلال آباد میں تاخت و تاراج ہوئیں تو ہمارا ایک شیشہ تک نہیں ٹوٹا۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کی تفسیر اڈیوں سر کانن ڈائل نے کی ہے جو ارواح کا مشاہدہ کر کے مرتے ہوئے کہہ گیا ہے کہ میں بھی اپنی روح کے ذریعے گھر بار کی خبر لیا کرونگا۔ اسلئے مجھ پر ماتم نہ کیا جائے۔ محمد سلیمان خان مغفور کیلئے اپنے قول کی تائید دیکھنی نصیب ہوئی ہوگی کہ امان اللہ خان اور ان کے حرام خور اہل کار انکی جائداد میں حقدار دں

کو پہنچگئیں۔ اور محمد سلیمان خان کے بھائی اور بیٹے اپنی دیانت و امانت کیوجہ سے بادشاہی اور اختیار داری کے مالک ہے۔ غلبۂ حق کا ثبوت اس سے بڑھکر بیّن طور پر کم ملیگا کہ جس خاندان کے ارکان ایمانداری و راستکاری سے حکومت و معاملت کرتے تھے کچھ مدت مصیبت و صعوبت جھیلکر عزت و حرمت پر قابض ہوگئے اور جس خاندان کے اعیان باطل پرست تھے وہ اپنے سب اقتدار سے محروم اور مخذول رہ گئے۔

عبدالعزیز خان وزیر حربیہ اور وزیر داخلہ تھا۔ اور ساتھ ہی عین المال کا وکیل یعنی امان اللہ خان کے سفر یورپ کے وقت اُن کی ذاتی جاگیروں کا مختار تھا جو سلطان عبدالحمید کی شخصی ملکیت کیطرح زرخیز اراضی و باغات دکانوں، کوٹھیوں اور جدا خزانے پر مشتمل تھی۔ انہی کے بل بوتے پر امان اللہ خان کہا کرتے کہ میں بیت المال سے حبہ و پیسہ نہیں لیتا حالانکہ دونوں میں فرق کچھ نہیں تھا۔ بادشاہ اپنے اختیار سے جونسی چیز پسند آتی عین المال میں داخل کرلیتا۔ کوئی مجلس مشورت اُسے روکنے والی نہیں تھی۔ مثلاً امیر عبدالرحمن خان نے یہ کہکر کہ اس جگہ مغل بادشاہوں کا باغ تھا سینکڑوں سالوں کے بعد اس پر ذاتی قبضہ کرلیا۔

اعلیحضرت محمد نادر خان نے تخت پر جلوس فرماتے ہی عین المال کو بیت المال سے منضم کر دیا۔ اس اصلاح سے ایک ریاکاری کا سدِ باب ہوا، اور معترضین کی زبان بندی ہوئی جو کہتے تھے کہ بادشاہ ملت کی اراضی کو اپنے تصرف میں لاکر ذاتی ملکیت قرار دیتا اور اس سے خرچ کرکے لافیں مارتا کہ میں خزانۂ عامرہ سے کچھ وصول نہیں کرتا۔ ایک آڑ اٹھ گئی۔ جسکے پیچھے کئی مسرفانہ مصارف ہوتے تھے۔ امان اللہ خان نے اپنی بیوی کو لاکھوں روپیوں کی زمین اور جاگیر بخشدی جس کے جدا گانہ دفتر تھے۔ اعلیحضرت محمد نادر خان کے ایثار و حقانی شیمہ کا اس سے بہتر اور کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے اس ملمع کی قلعی کھولدی اور حقیقت کو قائم اور آشکار کر دیا۔ فی الواقع ان کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا۔ کیونکہ اب بھی اپنے مخارج کیلئے جتنی جائز ضرورت ہو نقد اور جنس

لے سکتے ہیں مگر اسمیں اخلاص ہوگا اور نفاق نہیں ؛

باوجودیکہ شاہ غازی نادر خان نے عین المال کا نام ونشان بھی باقی نہ رکھا پھر بھی امان اللہ خان اپنی اور ثریا خانم کی ذاتی جائداد کے پیچھے پڑے ہوئے یورپ بیٹھے اسکی آمدنی کا مطالبہ فرما رہے ہیں جب بادشاہی جواب یہ گیا کہ آپ کی ساری جائداد ذاتی بیت المال سے خریدی گئی تھی جو اسکو رد کردی گئی۔ پھر بھی وکلاء ملت کے سامنے آپکا خط پیش کردیا جائیگا تو آپ طنز سے کہتے ہیں کہ میں وکلائے ملت کے اقتدار سے خوب آگاہ ہوں۔ اگر اعلیحضرت خاص توجہ فرمائیں تو سب کچھ ہوسکتا ہے۔ اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ امان اللہ خان نے گمان کیا کہ انکی طرح شاہ غازی نادر خان بھی جرگوں کو اپنی مطلب برآری کا ذریعہ گردانتے ہوئے ہیں۔ ورنہ ان کی کوئی وقعت نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اتنی تذلیل وفضیحت کے علی الرغم آپ کو مطلق کوئی عبرت وندامت نہیں ہوئی جو وکلائے ملت کو بے حقیقت سمجھ کر صرف بادشاہ کو مقتدر ومطلق العنان مان رہے ہیں۔ آپ کی خود مختاری محو ہوگئی۔ اور ملت مع اپنے وکیلوں کے آپ کی بادشاہی اور استبداد کو مٹاکر خود باقی ہے۔ اپنے خط میں خدا کو شاہد لاکر دست مسلت دراز کررہے ہیں کہ میرے پاس گذارے کیلئے کچھ نہیں۔ یہ دنیا کو دکھانے کا بہانہ ہے کہ میں اپنے ساتھ افغانستان سے بہت کم مال لایا ہوں تو پھر آپ اپنی ذاتی جائداد کا نام کیوں لیتے ہیں، ویسے صاف مانگیں۔ ایک اچکزئی قافلے میں کسی کی روٹی پکتی دیکھکر حملہ آور ہوا۔ اور دور لے جاکر کھانے لگا۔ روٹی کے مالک نے کہا اگر ویسے مانگ لیتا تو بھی مل جاتی۔ تو جواب دیا، تمہارا احسان کون اٹھاتا؟ امان اللہ خان اپنے پرانے حیلوں سے باز نہ آکر اس منطق کو بھول گئے کہ بادشاہی کو چھوڑ کر عنایت اللہ خان کے سپرد کر گئے تھے جسکے ساتھ عین المال بھی گیا۔ اب وہ اگر طلب کرتا تو زیادہ حقدار تھا، اگرچہ اس سے زیادہ بچہ سقاکے وارثوں کا دعویٰ معقول ہوتا!

امان اللہ خان یورپ میں بیٹھے اپنی شخصی بریت کیلئے انقلاب کا باعث علماء وغیرہ کو قرار دیتے ہیں، جسکا رو پچاس نقروں میں اخبار انیس میں ہوا ہے جو کابل سے شائع ہوتا ہے منجملہ یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ آپ افغانستان کے خزائن وغیرہ کو اپنی والدہ، زوجہ اور بہنوں وغیرہ کے ذریعے موٹروں اور طیاروں میں بغاوت کے وقت باہر بھیجنے کے علاوہ یورپ جاتے ہوئے پاؤنڈ، نوٹ اور جواہر مشینیں خریدنے کے لئے لے گئے تھے۔ اور بجائے اسکے کہ انکی دو تہائی قیمت ادا کردیتے یہ سب مبالغ خطیرہ اپنے نام بنکوں میں جمع کرائے۔ اُن کی سندات جدا جدا مشروحاً وزارت مالیہ میں موجود ہیں عین المال کی دیران دکانیں اور بنجر زمینیں بیت المال کو معاوضہ دیکر اس سے کپڑا بننے اور چمڑا رنگنے کے کارخانے چھین لئے جس سے دولت عظیم خسارے کا مورد ہوئی ؛

یہ حقیقت تھی عین المال کی جسکی وسیع املاک کا وکیل عبدالعزیز خان ہوا۔ اور علاوہ دو وزارتوں کے یہاں بھی خورد برد کا بہت موقع تھا۔ اسکے بھائی عبدالحکیم خان حاکم غزنی کی ایک کہانی سنئے۔ میں وہاں نیا مکتب کھولنے کے لئے گیا تو اس سے کہا کہ بعض حکام نے رعایا کو ترغیب دیکر ان سے مالیات پر معارف کیلئے کچھ افزودگی قبول کروالی ہے اور تمھاری حکومت میں تو لاکھوں روپیوں کے کوچی سوداگر رہتے ہیں اُن سے زیادہ وصول کیا جاسکتا تھا، اور تمھاری نیکنامی اور بادشاہ کے نزدیک تقرب دعوت اور بڑھ جاتی۔ جواب دیا کہ مجھسے غلطی ہوئی میں سمجھتا تھا کہ اسمیں صرف سلیمان وزیر معارف کی قدر افزائی ہوگی۔ اور یہ فقط اُسی کا کام ہے بعض ہشیار حکام معارف کیلئے روپیہ جمع کرتے تو اسمیں سے خود بھی رکھ لیتے۔ یہ اتنا کم عقل تھا۔ کہ اسکے گمان میں اگر معارف کے لئے وصول کرتا تو اسکے اپنے لئے کچھ نہ بچتا۔ اس طرح اُس نے خوب مال و زر اکٹھا کیا۔ علیا حضرت کے گھرانے کے ساتھ منسوب بارکزئی پھر بھائی پر گھمنڈ مطمئن بیٹھا تھا کہ ہیئت تفتیش پہنچی بڑا گھبرایا

جھنجلایا اور آپے سے باہر ہو گیا۔ کمیشن کے ممبروں کو زیر حراست کر دیا اور خوب گالیاں بھی نکالیں طیش میں آکر قلعہ پر توپیں بھی چڑھا دیں تاکہ امان اللہ خان کے ساتھ مقابلے کی آمادگی ظاہر ہو۔ بڑی مشکل سے مفتشوں نے در پردہ ٹیلیفون میں امان اللہ خان کو اطلاع کی، جنھوں نے زبانی عتاب کر کے حاکم کو موقوف کیا۔ غزنی کے لوگ بہت خوش ہوئے، مگر انکی خوشی عارضی تھی، کیونکہ ایک سال کے بعد پھر وہی مکتب وہی ملّا۔ جب حال طفلاں خراب ہوا تو محمد سلیمان خان مرحوم کے بیٹے کو حاکم بنا کر بھیجا جس سے البتہ رعیت کو چندے آرام نصیب ہوا۔

اِن بارکزئیوں کی ویرانیوں کی اصلاح اکثر نادر خانی خاندان کے ذمہ پڑتی تھی، جب محمد اکبر خان حاکم خوست نے سمت جنوبی کی پہلی بغاوت کے اسباب کھڑے کئے۔ تو محمد نادر خان نے جاکر رعایا کی استمالت قلوب کی۔ جب جلال آباد کو بارکزئی حاکم نے اس اندیشہ اور تدبر سے لُوٹے جانیکا حکم دیا کہ انگریزوں کے ہاتھوں پڑنے سے خود دست درازی بہتر ہے۔ راست آمد کوز پشتے برا لکد۔ انگریزوں کے زعم میں گذرا۔ کہ افغانوں نے خود لوٹنے میں خدعہ حرب کیا ہے۔ پھر سرکاری اور رعیت کے مال کا استرداد اور دوبارہ اقامہ امن محمد نادر خان کی گردن پر پڑا۔ دربار میں بڑی شفقت اور وقار سے بیٹھتے، جب مجرم کی سیہ کاری ثابت ہوتی تو بڑے سکون سے سخت سزاؤں کا حکم دیتے۔ تمام لوٹ کا مال ذرہ ذرہ وصول کر لیا۔ کاٹی ہوئی قالینیں جو تھیں، اور اُت خیل وغیرہ انکے ٹکڑے لا کر تکمیل کر رہے تھے۔ پھر سرحدات میں اتحاد کا استحکام بھی جاری کیا، ہر ایک قبیلے سے ملک اور خوانین بلائے جاتے اور اُنکے ساتھ عہد و پیمان باندھا جاتا۔ محمد ہاشم خان آپ کے نائب اور مددگار تھے اور اپنے صدق و صفا اور ہمت و فعالیت سے سب کاموں کو فوراً اجرا کرتے، کچھ عرصہ کے بعد وہ سرحدات جنکو متحد و مضبوط بنانے میں انہوں نے جانفشانی کی تھی اور ان کے دقیق معاملات سے

پُورے واقف ہوگئے تھے، محمود خان یاور کے حوالے کی گئیں، تاکہ خشک پتھروں سے بھی سنگ پارس بنا لے اور اُس نے اپنی سہولت کیلئے اپنے ماتحت رئیس ایسے شخص کو مقرر کیا جو پشتو زبان سے مطلق بے بہرہ البتہ مطلوب کیمیاگری میں طاق تھا۔ ورنہ آناً فاناً دارالامان میں کوٹھی کیسے بنا کھڑی کرتا جسکی مشروط پختگی کیوجہ سے بہت مبلغ درکار ہوتا تھا؛

اعلیٰحضرت محمد نادر خان غازی نے معروف اصول پر کہ ؂ بہیں مردماں بباید ساخت۔ چکنم مردمان ایند انہی اشخاص کو پھر معتمد عہدوں پر مقرر کیا ہے مگر دینی اساس پر کہ مسلمان ہونے سے کفر تک معاف ہو جاتا ہے بشرطیکہ پھر ارتداد سے سنگساری کا مستوجب نہ ٹھیرے۔ اگر ان کے آئندہ ارتکاب پر سزا دینے کی ٹھانی ہو یا شدید نگرانی سے ارتشا کی نوبت ہی نہ آنے دیں تو اُن کے تجربے سے استفادہ شاید بیجا مصلحت نہ ہو۔ اول تو امید ہے کہ بادشاہ اور اُنکے خاندان کے سابقہ ردّیہ کو ذہن نشین رکھنے سے اب کوئی ظلم وستم پر اقدام ہی مشکل سے کریگا۔ پھر زیادہ تسلّی بخش یہ امر ہے کہ اتنے بڑے انقلاب اور سلسلے عقاب کے بعد تھوڑے عاقل لوگ بھی عبرت حاصل کرچکے ہونگے؛

بارکزئیوں میں محمد ابراہیم اور اُنکے باپ بابائے گرام کا ذکر ہوچکا ہے لنکے ساتھ صوفی عبدالحمید خان کا حال بیان کرنا مناسب ہے جو بارکزائی اور غیر معمولی ذہانت وفطانت کا شخص ہے اسلئے صلاح وتقویٰ سے بھی آراستہ ہے۔ محمد ابراہیم خان کی ہیئت تنظیمیہ کے ساتھ ترکستان گیا تو وہاں کا جغرافیہ اور نقشہ تیار کیا، جدید آلات کے ذریعے خود پیمائش کر کے صحیح معلومات قلمبند کیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر درہ درہ گاؤں گاؤں پھر پھر کر مع ہر قسم کے شمار ونام کے جدولیں درست کھینچیں۔ رئیس تنظیمیہ کے لئے بھی مفید مطلب امور دستیاب ہوئے۔ مثلاً بعض بڑے علاقوں میں چھوٹے حاکم مقرر تھے۔ کیونکہ پہلے انکا رقبہ معلوم نہیں تھا کچھ علاقے

دوسرے صوبے کے نزدیک تھے جو اسکے ساتھ ملحق ہونے چاہیئے تھے، اور برعکس ـ میں نے یہ جغرافیہ در نقشہ طلب کیا تو محمد ابراہیم خان نے کہا کہ ساری رپورٹ ہی حضور میں پیش کردو، شاید معارف کے واسطے سے اسکا ملاحظہ اور عملدرآمد ہو جائے، مجھے بڑا تعجب ہوا کہ دو سال گذرے رئیس تنظیمیہ کو ترکستانی خدمات کے صلہ میں تمغہ اور سرداری کا خطاب مل چکا اور اُن کا اصلی کام ابھی تک نظرِ شاہانہ سے نہیں گذرا ـ جب میں نے جغرافیہ تقدیم کیا، تو سرسری جواب ملا، کہ وزارت حربیہ میں ایک نقشہ ہے اسکے ساتھ مقابلہ کرلو، حالانکہ وہ ترجمہ تھا اس نقشہ کا جسے اجنبی لوگوں نے تیار کیا تھا ـ اور اسمیں اکثر مواضع کے نام غلط درج تھے، یا تھے ہی نہیں ـ اصل کے نہ ہوتے البتہ نقل ایک حد تک مفید ہو سکتی تھی ـ چنانچہ محمد نادر خان نے اپنی وزارت حربیہ کے وقت تمام ملک کا نقشہ بہت وسیع پیمانے پر بڑی دقت سے تیار کروایا تھا، جو معارف میں بھی کام آ رہا ہے ؎

انہی بارکزائی حکام میں سے ایک فوت ہو گیا تو چونکہ بڑے گھرانے سے تھا ـ جوق جوق لوگ فاتحہ کو جاتے اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے پسماندگان کی تسلی یا خوشامد کے لئے کہتے کہ ایسا شخص پھر پیدا نہ ہوگا ـ تاسم خوشاہانہ مطرب کہنے لگا کہ میں مر گیا تو بیشک میری مانند گانیوالا مشکل پیدا ہوگا ـ مگر آٹے کی منڈی میں آٹے، مرحوم ممدوح جیسے چار جوالی (بوجھ اٹھانیوالے) ابھی تمہارے ساتھ کئے دیتا ہوں، باوجود اسکے بارکزائی بڈھے اور جوان سب حکومتوں پر سرفراز سلیم الطبع خیرخواہان ملک و ملت بیکار و بے روزگار پھرتے تھے ـ انمیں ممتاز نادر خانی خاندان تھا ـ جو نہ صرف اختیارات سے دور رکھا جاتا بلکہ رقیب خاندان اس پر تہمت و بہتان باندھکر اسے اور پرے دھکیلے جاتے ـ وَلَا یَحِیقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ ـ بُرا مکر اسی کے صاحب پر پلٹتا ہے ؎
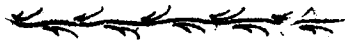
(۲)

حقیقی علم پروری میں نادرخانی سبقت

امان اللہ خان نے سپہ سالار محمد نادر خان کی خدمات کے صلے میں انکو لمر (سورج) کا تمغہ عطا فرمایا جسکے ساتھ ۲۵ ہزار روپیہ کابلی اور ۵ سو جریب زمین بھی قاعدۃً دیجاتی تھی۔ انھوں نے ارادہ کیا کہ اس نقد و جنس کو ملت کی نذر کردیا جائے۔ جب اس بارے میں مشورہ لیتے تھے تو میں نے حکومت کی ضروریات اور نیز اُس کے خیالات کو مدنظر رکھکر ایک مکتب پولیس کی تجویز معہ اسکے تعلیمی نصاب کے پیش کی مگر یہ صلاح غالب قرار پائی کہ ایک ملّی مدرسے کی بنا رکھی جائے جسکا انتظام ملت کے ہاتھ میں ہو۔ چنانچہ اسی بخششی اراضی میں ایک عالیشان عمارت بھی وہ مکتب ملّی امانی کیلئے وقف کردیگئی۔ جہاں طلبہ کی بود و باش کا بندوبست بھی کیا گیا، زمین کی آمدنی اجرائے مکتب کے واسطے اور اسکے ابتدائی مصارف کے لئے ۲۵ ہزار روپے کی رقم دیگئی۔

وزارت معارف میں اس تجویز پر عملدرآمد کرنیکو ایک مجلس منعقد ہوئی اور مکتب ملّی کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی منتخب کیگئی جسمیں مجھے بھی شامل کیا گیا، میں نے انکار کیا تو سپہ سالار صاحب ناگہانی حیرت سے چونک کر فرمانے لگے۔ کہ تمھارے ہی بھروسے پر میں نے یہ قومی شروع کیا اور مجھے یقین تھا کہ تم ہی خوش ہوکر اسے چلاؤ گے ہمیں اپنی کشیدگی کا سبب بتاؤ جو ضرور رفع کیا جائیگا۔ اُن کے اصرار پر میں نے بتایا تو وزیر معارف نے میری اس صاف گوئی کو پسند نہ کرکے ذرا درشت کلامی سے کام لیا۔ میں فوراً استعفا کے لئے تیار ہوگیا۔ سپہ سالار صاحب نے کسر نفسی کرتے ہوئے فرمایا کہ میں دو مہینے کی قید سے عاجز ہوگیا

اور تم گیارہ سال کے بعد بھی ویسے ہی سخت رہے سبب یہ ہے کہ حق سیدھا رہتا ہے اور خم نہیں ہوتا۔ وزیر معارف بھی موید ہو گئے، جب نائب الحکومتہ ہو کر چلے گئے تو جلدی ہی انھیں میری قدر معلوم ہو گئی، چنانچہ مرتے دم تک میرے مہربان دوست رہے۔ یہ محمد نادر خان کے چچازاد بھائی تھے اور اس خاندان کا خاصہ ہے کہ اپنی غلطی سے پھرنے پر کبھی نہیں شرماتے۔ الغرض مکتب ملی تاسیس ہو کر بڑی رونق سے جاری ہوا۔ علاوہ انعام کے روپے کے سپہ سالار صاحب کو اپنی جیب سے بھی بہت سا روپیہ خرچ کرنا پڑتا کیونکہ زمین کی حاصلات ابھی پوری ہاتھ نہیں آتی تھیں؛

جشن استقلال کے موقعہ پر جب تمام مکاتب کے لڑکے مختلف مقالات پڑھ رہے تھے تو منجملہ مکتب ملی کے ایک طالبعلم نے اپنی درسگاہ کی تاریخ بیان کی لامحالہ یہ ذکر آیا کہ سپہ سالار غازی محمد نادر خان نے نشانِ ذیشان لمر کے ۲۵ ہزار روپے اور ۵ سو جریب زمین کو مکتب ملی امانی کی تاسیس میں وقف کیا اور اپنے نام کو ایثار و انکسار سے مکتب کے ساتھ گوارا نہ کر کے اپنی ملت اور بادشاہ کو یاد رکھا۔ مکتب ایک تو ملی دوسرا ایلی ہونے کی شان سے اپنی قسم کا پہلا مکتب تھا اور "فضل متقدم کے لئے ہوتا ہے"۔ اگرچہ محمد نادر خان ہمیشہ اپنی شہرت چاہتے تھے نہ ستائش مگر یہ چیزیں سایہ کی طرح حقیقت کے پیچھے آتی ہیں۔" میرا فرض تھا۔ کہ انکو موقعہ پر اعلام کروں، کیونکہ اتنا روپیہ اور اتنی جائداد کو ملی بہبودی کے لئے صرف کر دینا البتہ ایسا فعل نہیں تھا جو مدحت کا خراج ملت سے نہ لے اور قابلِ رشک نیکنامی کا موجب بنے

سپہ سالار صاحب کے بعد دو شخص اور محمود بیگ خان اور محمد ولی خان اسی انعام کو حاصل کر چکے تھے اس لڑکے کی تقریر کے وقت اعلیٰحضرت کے پاس بیٹھے تھے۔ دونوں نے پہلے ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی کی، پھر امان اللہ خان کو کچھ کہا۔ میں تاڑ گیا کہ ماجرا کیا ہے۔ اس اندیشے کی تصدیق کچھ مدت کے بعد ہو گئی جب

مکتب موقوف اور اسکے معلم اور متعلم دوسرے مکاتب میں پریشان روزگار ہوئے۔ ایک لاکھ کے قریب روپیہ ضائع گیا۔
اور ایسے صدقے امان اللہ خان کے سر پر کروڑوں پہونچے ہوئے۔ عمارت اور زمین البتہ سپہ سالار غازی
کے تصرف میں رہ گئی اگرچہ پھر بھی وہ ایسے ہندی مہاجروں کے قبضہ میں رہنے دیتے تھے جو اکثر اسمیں اقامت
گزین ہوتے۔ اس پہلے مکتب ملی کی موقوفی ایسی مخفی طرح عمل میں آئی کہ نہ کسی کو اسکا علم ہوا اور نہ کوئی اسے زبان
پر لاتا۔ البتہ اسکو اشارۃً یاد کرتے ہوئے لوگوں کے سر ہلتے تھے۔

محمد نادر خان کی نیت نے آزمائشوں کے بعد جو ہر مفید کام کے بعد اسکے افادے کے مطابق آتی ہیں
کیسا اچھا پھل پایا اور امان اللہ خان اور اسکے دو وزیروں نے جو حسد اور خود غرضی سے ایک ملی کام کو غنچے
ہی میں نوچ لیا تھا کیسا برا ثمر چکھا۔ ان کے ارادوں میں باوجود ظاہری شان و شوکت کے ایک خبث تھا۔ اور
محمد نادر خان کی اوضاع میں عجز و تواضع کے ساتھ ایک پاکیزگی تھی۔ پاک بات کی مثال خدا تعالے نے یوں
بیان فرمائی ہے۔ کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ
رَبِّهَا۔ پاک درخت کی مانند جسکی جڑ مضبوط ہے اور شاخ آسمان میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل
دیتا رہتا ہے۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ خدا ایمانداروں کو مضبوط بات
سے دنیا کی زندگی میں استحکام بخشتا ہے۔ اسکے برعکس بری بات جسمیں مکر و حیل اور کینہ ہو ایسے ہلکے اور نکمے درخت
کی سی ہے جو زمین کے اوپر ہی کچھ مدت رہ کر پائیدار نہیں ہوتا۔ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ
اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ کیا عبرت خیز محل ہے کہ جو اشخاص مع اپنی حشمت کے
عاقلوں کو لازوالی کا دھوکا دیتے اور ان کے فیصلے اور دبدبے سے معلوم ہوتا کہ حق بھی انہی کی جانب ہے۔
میدان عمل سے غائب ہو گئے۔ جن اصحاب کی مغلوبیت آشکارا تھی انکی نسبت گمان ہوتا کہ شاید خطا کار ہوں۔

جس سبب سے بُرے دن دیکھ رہے ہیں وہ آخر بازی جیت گئے۔ اسباب اور نتائج نہایت پیچیدہ طور پر لپٹے ہوئے ہیں۔ مینہ برستے ہی بعض پودے خصوصاً کھاد کی جگہ پر اتنا بڑھتے ہیں کہ غیر ماہر آنکھ کے نزدیک انکا نشوونما ایسا قیاس ہوتا ہے کہ سال بھر میں فلک کے ساتھ ہی باتیں کرینگے جن پھرتی اور کلفتی سے خربوزے کی بیل بڑھتی اور بڑا پھل دیتی ہے اسکا مقابلہ اخروٹ سے کیجئے جو برسوں کے بعد میوہ لاتا ہے ؎

درخت گردگاں با ایں بزرگی　　　　درختِ خربزہ اللہ اکبر

ظاہرہ اثمار کی بزرگی اور خوردی بھی اشجار پر دلالت نہیں کرتی۔ اصل جنس کا صحیح ملاحظہ اسباب و نتائج کے جانچنے کیلئے لازم ہے پھر مطالعہ کیجئے گا کہ حق اور باطل کس طرح چندے زیر و زبر ہو کر دنیا کو دھوکے میں رکھتے ہیں۔ جو معلوم نہیں ہوتا، وہ دونوں میں سے کون غالب ہے۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔ بلکہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں اور ایکدوسرے کے ملنے جلنے اور نیچے اوپر ہونیکے بعد حق، باطل کا کچومر نکال ڈالتا ہے اور وہ غائب و زائل ہو جاتا ہے۔

قارون بڑا فصیح و بلیغ خطیب تھا اور ساتھ ہی بیحد مال و دولت کا مالک، جسے وہ دوسروں پر خرچ نہیں کرتا تھا۔ جب وہ اپنی زینت سے قوم کے سامنے نکلتا تو جو لوگ عواقب امور کو نہیں جانتے تھے، کہتے کہ بڑا خوش قسمت اور صاحب نصیب ہے۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۔ جن اشخاص کو حقائق کا علم تھا کہ باطل کی شکوہ عارضی ہوتی ہے وہ انھیں حسرت کھانے سے منع کرتے کہ ایمان اخلاص اور اعمالِ صالحہ کو آخر میں کامیابی ہوتی ہے جب قارون معہ اپنی ثروت و مکنت کے مٹی میں دھس گیا۔ تو وہی آرزو کرنیوالے اور رشک کھانیوالے بارے شاکر ہوئے کہ ہمپر خدا کا احسان ہوا، نہ ایسے مالدار بنے نہ ہلاک ہوئے۔ دنیا میں یہی دریافت کرنا دشوار

ہوتا ہے کہ جاہ و احتشام کا سبب کیا ہے بعض اوقات اسباب بہت سے اور اچھے اور بُرے مخلوط ہوتے ہیں اسی لئے موازین کی ثقلت اجر کا باعث ہوتی ہے جیسا کہ انکی خفت زجر کا موجب بنتی ہے۔ اب یہ معلوم کرنا کہ کن اعمال کا وزن بھاری ہے اور کن کا ہلکا، بہت دقیق اور مدید مطالعہ چاہتا ہے کیونکہ کاموں کی پڑتال فائدے اور ضرر سے ہوتی ہے۔ جو زیادہ مخلوق کو پہنچے۔ ایک بادشاہ کے پُورے حالات پر مطلع ہونا جو جہاں چاہتا ہے اکیلا اٹھتا بیٹھتا ہے، اگر نزدیک نفع پہنچاتا ہے تو احتمال ہے دُور نقصان پہنچ رہے۔ خصوصاً جب وہ فعال ہو اور ساتھ ہی مدبّر، مکّار یا ریاکار بھی ہو، تقریباً محال امر ہے۔

امان اللہ خان کے کام خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا کے بہت زیادہ مصداق تھے۔ یہ دریافت کرنا بہت مشکل تھا کہ غلبہ حسنہ کا ہے یا سیئہ کا۔ سلامخانہ جہاں دربار ہوتے تھے مکتب کیلئے عنایت کیا۔ اور اُسکا نام مکتب استقلال رکھا، کیونکہ اسی ہال میں استقلال کا اعلان کیا تھا۔ ایک اور مکتب غازی کے اسم سے موسوم کیا۔ اس حد تک تو ذاتی اور ملی خیال علی السویہ تھا، مگر امان افغان اور دارالامان وغیرہ، تمام اسماء شخصی رجحان پر دلالت کرتے تھے، جب یہ نام تجویز ہو رہے تھے تو ایک عبدالہادی خان نے جرأت کی کہ پہلے سراج الاخبار اور جبل السراج وغیرہ تھے۔ بعد کوئی اور آئیگا تو آپکے نام کو بھی تبدیل کردیگا، اسلئے اچھے عمومی نام رکھنے چاہئیں۔ میں نے دارالامان میں (ی) بڑھانے کی تجویز پیش کی، مگر عبث۔ بچہ سقانے اسی اخبار کو حبیب الاسلام اور نئے شہر کو دارالحبیب سے مبدل کر دیا اگر بطور مثال دارالایمان نام ہوتا تو کسی مسلمان کو تو کم از کم اور نام رکھنے کی دلیری نہ ہوتی۔ دُنیا میں عمومیّت کو غلبہ ہے اور خصوصیّت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ بانی اسلام کا امتیاز نفس کی جگہ امت کو مقدم رکھنے میں ہے۔

سینٹ پیٹرز برگ کی بجائے پیٹروگراڈ سنائی دینے لگا ہے، کیونکہ پہلے میں دوسری قوم کا لفظ ملّی جذبہ کے خلاف تھا۔ پھر لینن گراڈ بنتا ہے کیونکہ پیٹر باوجود عظیم شخص ہونیکے ملی نمائندہ نہیں تھا۔ آخری نام میں بھی
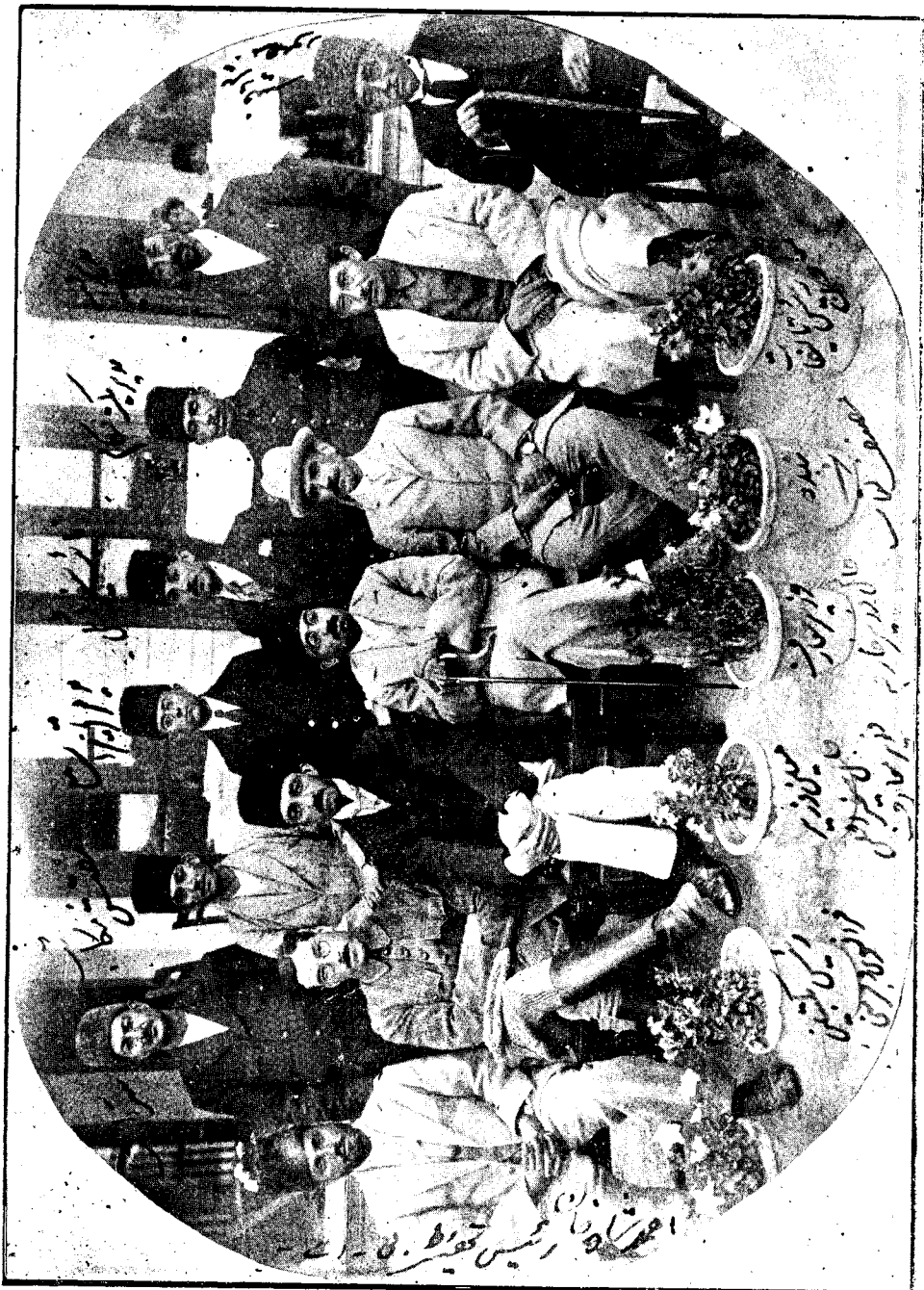
شخصیت ہے جو کسی زمانے میں زائل ہو کر رہیگی۔ امان اللہ خان نے فرانسیسی اور جرمن پروفیسروں والے مکاتب کو امانیہ او رامانی کے القاب دیئے اور محمدؐ نادر خان نے انکو ویسے ہی رہنے دیا۔ حتیٰ دارالامان کا بھی اعادہ کیا۔ یہ اُن کی شخصیت سے ارفعیت کی دلیل ہے جو خود غرضی سے فوق تر ہے۔ سراج الملّت والدّین نے سراج کے تداخل سے اس نام کو مضحکہ بنادیا۔ چنانچہ کنیزی چڑیا کا لقب بعض اہل دربار نے سراج انگنجشک رکھدیا تھا اور امان اللہ خان پر بھی یہی طعنہ وارد ہونے لگا تھا۔ یہ تمنا غاصبانہ ہے کہ دوسروں کے عوض اپنا نام مشہور کیا جائے۔ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا۔ چاہتے ہیں کہ انکی تعریف کیجائے اس کام کیلئے جو اُنھوں نے نہیں کیا۔ اسکی سزا آخر رسوائی ہے۔ مصر کے ایک بادشاہ نے سابق فرعون کے سب کتبوں کو تراش کر اسکے کارناموں کی بجائے اپنے واقعات کندہ کروادیئے۔ قرنیں گذر گئیں۔ ہمبر وگلفکس کے اکتشاف پر خوردبین سے پہلے کتبے پڑھے گئے۔ اول بادشاہ کی شہرت اور دوسرے کی بدنامی از سرنو شروع ہو گئی۔

(۳)

نادر خانی خاندان کی اطاعت اُولی الامر

امان اللہ خان نے سلامخانہ کو مکتب استقلال بناتے ہوئے پھر اپنی عادت کے مطابق دخل در معقولات دیا۔ اور وہ وقت جو اہم امور میں صرف کرتے ایسی باتوں میں ضائع کیا جن کی اُنھیں کوئی واقفیت نہیں تھی۔ کمروں کو خود ہی طلبہ میں تقسیم کرنے لگے اور چار پانچ لڑکوں کی اکٹھی میز کرسیاں بنانے کا حکم دیا۔ میں نے مکتبی اصول کے معمول پر کہا کہ صرف دو طالب علم اکٹھے بیٹھا کرتے ہیں۔ اور اُن کے آس پاس کھلا راستہ ہوتا ہے تاکہ ایک اُٹھے تو دوسرے کے کام میں مزاحم نہ ہو اور آنے جانے سے دوسروں کی مشغولیت میں خلل نہ پڑے افغانستان کی بدبختی یہ ہے کہ وزیر معین اور مکتب کا مدیر سب اِن قواعد سے ناآشنا ہیں۔ اور پھر دوسرے کی بات بھی نہیں مانتے۔ میں نے ایک مکتب کے مدیر کو کہا کہ تمہاری میز کرسیاں خلاف قاعدہ ہیں۔ اُنکی نشستوں اور میز کے تختوں میں صفر کا فاصلہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ پیٹھ اور ریڑھ میں کجی پڑجاتی ہے۔ پھر طالب علم کے قد کے مطابق اسکی آنکھوں اور میز کے تختوں کے مابین ایک معین فاصلہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ بصارت میں نقص واقع ہوجاتا ہے۔ جب مدیر نے زبانی ہدایت پر عمل نہ کیا تو میں نے تحریر بھیجی جب اسکی بھی پرواہ نہ کی تو جرمانہ کیا تب معلوم ہوا، کہ وزیر صاحب نے انھیں ایسی ہی ناقص میز کرسیوں کی تاکید کی تھی۔ امان اللہ خان کا زعم یہ ہوگیا تھا کہ کسی کو منصب دینے سے اسکی لیاقت بھی اُسے حاصل ہوجاتی ہے۔ ؎ خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے مگر صورت اور سیرت کے لوازم علیحدہ ہیں۔ ایک کو چند لمحوں میں آراستہ کرسکتے ہو، مگر دوسری سالوں

میں پیوستہ نہیں ہوتی ؎

سالہا باید کہ تا یک طفل خود از لطفِ طبع   عالمِ کامل شود یا شاعرِ شیریں سخن

افغانستان میں استقلال نے بچوں کو بھی آزادی بخشدی۔ ایک انگریز وزیرِ اعظم کہتا ہے کہ اچھی حکومت اور خودمختار سلطنت ایکدوسرے کا بدل نہیں ہو سکتیں۔ ایک لڑکا مکتب میں ضبط و ربط کے اندر اپنی حد کو پہچانتا ہے مگر تیسری چوتھی ابتدائی جماعت سے نکلکر جیسا گھونسلے سے بچہ گر کر اپنی چھلانگوں کو پرواز جانتا ہے اور پھر آشیانے کا نام نہیں لیتا یہ خام متعلم مقالہ نگار بنجاتا ہے اور چونکہ اکثر اہلکار اس سے بھی کم تعلیمیافتہ ہوتے ہیں اسکی قلمرانی کی تعریف کرتے اور در حقیقت اس سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اب اہل الرائے اور اہلِ قلم ہے اور ہر کسی کی دھجیاں اڑا سکتا ہے۔ اپنے جیسے یا اپنے سے کم لیاقت والے عہدیداروں کے بارہ میں شاید اسکا فکر صائب ہو مگر وہ ریاضی اور طبیعیات کے پروفیسروں پر بھی تنقید کرتا ہے۔ چونکہ بادشاہ خود ظاہر بین تھا۔ اسلئے فنی امور میں بھی کثرت رائے کو ملحوظ رکھتا جب وہ اسکی اپنی تائید میں ہوتی۔ اسی کے متعلق قرآنمجید میں تنبیہ ہے۔ اِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اگر دنیا میں زیادہ لوگوں کی پیروی کریگا تو تجھے خدا کی راہ سے بھٹکا دینگے۔

پھر فرمایا کہ پہلے فلاں جگہ مکتب کے لئے مناسب سمجھی گئی مگر بعد میں یہ لازم ہوا کہ شہزادوں شہزادیوں اور انکی ماؤں کے لئے مختص کردوں (امان اللہ خان کے بھائی ۱۹ ہیں اور بہنیں ۳۶) اب یہ لڑکے جوان ہوتے جاتے ہیں شہر کے مختلف مقامات میں پراگندہ ہونے سے انکی تربیت کا پورا اہتمام نہیں ہو سکتا اور ہر کسی کے دماغ میں مفسدانہ خیالات سما سکتے ہیں۔ مثلاً اب اسد اللہ خان محمد نادر خان کے ہاں رہتا ہے اور شاہ محمود خان اسکا ذکر کرتے ہوئے پھولا نہیں سماتا جس سے اس لڑکے کا مزاج البتہ بگڑیگا۔ پھر آپ نے شاہ محمود خان کی نقل لگائی جسمیں بادشاہی وقار و متانت کیخلاف آپ کو خوب مہارت حاصل ہے۔

اس شہزادے اور اسکے ماموؤں پر اشتباہ تھا کہ کہیں موقع پاکر اسے پیش نہ کردیں۔ اور آپ کی بادشاہی میں کوئی فتور پڑ جائے حالانکہ جرنیل شاہ محمود خان کا خوشی سے اسد اللہ خان کی تعریف کرنا ہی اخلاص کی دلیل تھی، ورنہ وہ اس امر کو چھپاتے۔ یہ شہزادہ سب سے زیادہ رشید اور صالح تھا۔ چنانچہ جب اوروں کے ساتھ مل کر رہنے لگا تو اسکے خلق و عمل نے اسے دراصل امتیاز بخشا۔ شخصی بادشاہی میں جہاں انتخاب ہو اور بادشاہ اپنی مرضی سے ولیعہد قرار دے، یہی مشکل ہوتی ہے کہ جتنا ایک شہزادہ اچھا ہو، اتنا ہی زیادہ مورد گمان ہوتا ہے اسد اللہ خان کو اسکے ماموؤں اور نانا کی پرورش نے بغاوت اور سرکشی سے بالکل بیگانہ کر رکھا تھا مگر امان اللہ خان نے ناحق انہیں مشتبہ سمجھا۔ لیکن حق چونکہ آخر متسلط ہوئے بغیر نہیں رہتا یہ باطل شک اپنا اثر دکھاکر رہا۔ محمد نادر خان اور انکے بھائیوں کی ذرا سی وساطت کے بغیر امان اللہ خان کو معزول ہونا پڑا اور جنکو بادشاہی کا وہم و گمان بھی نہ تھا وہ تاج و تخت کے وارث بن گئے ؛

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ - یہ طبیعی اصول ہے یعنی قانون الٰہی ہے کہ جو لوگ زمین میں برتری نہیں چاہتے اور نہ فساد کا ارادہ رکھتے ہیں انجام کار انہی کو کامیابی ہوتی ہے اور عاقبت متقیوں کے لئے ہے۔ ابوتراب نخشی رح نے فرمایا ہے کہ بلند ترین تقویٰ تواضع ہے اور محمد حکیم ترمذی رح نے تقوے کی تعریف یہ کی ہے کہ تیرا کوئی دامن نہ پکڑے محمد نادر خان اور انکے بھائی فروتنی میں ممتاز تھے۔ اور اس خلق کیساتھ جب یہ صفت بھی شامل ہوگئی کہ کسی کو آزار نہیں پہنچاتے تھے تو تمام لوگ انکو پسند کرتے اور انکی توقیر بجالاتے۔ بادشاہی میں یہی آفت جان ہوجاتی ہے جیسے بروٹس نے کہا کہ عاجزی حب جاہ کا زینہ ہے۔ اگرچہ برادران موصوف ہمیشہ اولی الامر کی اطاعت میں مشغول رہتے اور کبھی ان سے کبر و نخوت کا اظہار نہ ہوتا یہی شمائل انکی تذلیل کا موجب بنے بادشاہ کو اپنا مخدوم

مطاع جان کر آگے اور پیچھے ظاہر اور غائب کمال ادب سے پیش آتے اور اس درجے تک متابعت میں منہمک رہتے کہ دوسروں کو خوشامد اور تملق کا شبہ ہوتا۔ بلکہ بعض جوان سطحی رائے سے کہہ بھی دیتے کہ ان میں حریت اور عزِ نفس کم ہے "

کانفوشس کے متعلق بعض چینی حکما یہی گمان کرتے تھے کہ بادشاہ کی مراعات میں اغراق سے مشغول رہتا ہے چنانچہ ایسا مریض ہوا کہ کروٹ نہیں بدل سکتا تھا۔ بادشاہ بیمار پرسی کو آیا تو حکیم نے خدمتگار کو کہا۔ کہ فوراً درباری لباس اس پر ڈالدے تاکہ شاہانہ تعظیم بجالائی جائے۔ دربار میں دبی زبان سے بولتا اور دبے پاؤں چلتا۔ ایک دفعہ بادشاہ نے گوشت کی ران بھیجی، تو حال سے پوچھا کہ کچھ زبانی بھی فرمایا تھا۔ جب اس نے نفی میں جواب دیا تو کہا گوشت واپس لے جاؤ۔ کسی موقعہ پر بادشاہ نے اس تحفے کو روکنے کا سبب پوچھا تو عرض کیا کہ گوشت بذاتِ خود قیمتی چیز نہیں ہے البتہ جس خیال سے بھیجا جائے وہ بے بہا ہے اور اسکا اظہار چاہیئے۔ ورنہ چپکے سے کتے کو بھی ڈالا جاتا ہے۔ اس خودداری کے علاوہ جب موقع ہوتا تو حکیم مذکور کی مانند کوئی صاف گوئی بھی نہ کر سکتا۔ ایک دفعہ سپاہ نے بغاوت کر کے اپنے افسروں کو مار ڈالا۔ قاتلوں کی سزا کے بارے میں اس سے مشورہ طلب کیا گیا۔ کہا رعایا پر حکام ظلم کرتے تھے۔ رعایا کے رشتہ دار سپاہی اور حکام کے اقربا فوجی افسر اگر بادشاہ ان کے ظلموں کو روکتا تو قتل تک نوبت ہی نہ پہنچتی۔ اسلئے مجرم بادشاہ اور اُسکا عمل لازم ہے "

محمد نادر خان اور ان کے خاندان کے سب افراد بادشاہ کے سچے مطیع تھے۔ غائبانہ بھی شاہی آداب کو ملحوظ رکھتے اور اس اندیشے سے کہ ملک میں انکی طرف سے ذرہ بھر بھی اشتعال کا شائبہ نہ ہو، بادشاہ کی اچھی باتوں کی تحسین کرتے اگر کبھی اختلاف رائے پیش آتا اور وہ بھی بہت ضروری امر میں تو آہستہ سے ایک آدھ کلمہ بول اُٹھتے یا صرف سر ہی ہلا کر رہ جاتے۔ شروع سالوں میں تو یہی شعار رہا۔ مگر جب امان اللہ خان کی حرکات

بہت متجاوزانہ ہو گئیں اور غفلتیں بھی دوسری جانب حد سے بڑھ گئیں تو کچھ بلندی سے بیزاری کا اظہار کرتے۔ وہ بھی خاص مجالس میں یا خلوت میں انکو روکتے۔ سردار محمد ہاشم خان ذرا دلیری سے حقگوئی کا فریضہ ادا کرتے اور صاف کہنے میں کبھی کوتاہی نہ کرتے۔ خواہ وہ سچی بات امان اللہ خان کیخلاف ہوتی یا محمد نادر خان کے۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی۔ جب بات کہو تو عدل کرو اگرچہ رشتہ دار ہو جسکے خلاف کی جائے۔ اِسی صدق و صفا کی خصائل نے اس خاندان کو سلطنت پر قابض کر دیا۔ اور اگر اب بھی متواضع رہے تو گردن فرازوں کو یہ صفت زیادہ زیب دیتی ہے۔ ورنہ شیکسپیر کا مقولہ صحیح ہوگا۔ کہ جب تواضع سے بام رفعت پر چڑھتے ہیں۔ تو جس سیڑھی کے ذریعہ سے اُوپر جاتے ہیں اُسکی طرف پیٹھ پھیری جاتی ہے اور مُنہ آسمان کی طرف اٹھتا ہے۔ ان کی عفت و عصمت، علم دوستی و عرفان پروری، میانہ روی و اعتدال پسندی اور صداقت و حقانیت جیسے پہلے تھی اگر اب بھی دوام پذیر ہوئی، تو انکو زوال کا اندیشہ نہیں ہوسکتا، اور ملت بھی اُنکے روشن خیالات اور لازم اصلاحات سے بہرہ ور ہوتی رہیگی؛

سردار محمد ہاشم خان امیر حبیب اللہ خان کے درباری رُتبے سے ہرات میں نائب سالار ہوئے اور اُنکے چچا کے بیٹے نائب الحکومہ دونو نے اتحاد و موالفت سے جو اس خاندان کا خاصہ ہے متفق ہو کر ملکی اور فوجی خدمات اس طریقے سے ادا کیں کہ رعایا اور عساکر دونو شادمان ہو گئے۔ رشوت سے تو ان عالی دماغ اشخاص کو نفرت تھی، مفسدوں اور رہزنوں کی بیخکنی میں کامیاب آئے۔ خداوند کریم کے کاموں میں ایک حقیقت ہے جسکی کنہ دریافت کرنیسے انسان عاجز ہے۔ جیسے بُرے لوگ آخر الامر مصیبت جھیلتے ہیں، اچھے آدمی اول زحمت میں پڑتے ہیں۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَيْءٍ الخ جب نصیحت ہدایت کو بھول جاتے ہیں تو ان پر ہر چیز کے دروازے کھلجاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب اپنی نعمات پر مسرور ہوتے ہیں تو دفعتہً پکڑے

جاتے ہیں اور ظالموں کی جڑ ہی کاٹی جاتی ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ الخ
البتہ ہم تمھیں آزمائینگے یہاں تک کہ تم میں سے کوشش کرنیوالوں اور ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرلیں اور
تمھاری اصلیت وحقیقت کو پرکھ لیں۔ انسان کی سعی ومجاہدت اور صبر واستقامت صرف صعوبتوں میں ثبوت کو پہنچتی
ہے۔ اور انہی مراحل سے گذر کر آدمی جوانمردی کے درجے کو پہنچتا اور کسی بلند ومعزز منصب کی اہلیت کو احراز کرسکتا
ہے۔ یہ فطرۃ ایزدی ہے جسمیں تغیر وتبدل نہیں ہوتا؛

جب امان اللہ خان بادشاہ ہوئے، تو محمد نادر خان کا سارا خاندان سخت مصائب میں گرفتار ہوگیا۔ وہ
مع اپنے والد بزرگوار، عم ذی وقار، اور بھائیوں اور چچا کے بیٹوں کے جلال آباد میں سپاہ کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں
جھیلتے، پاؤں میں بیڑیاں سفر کرتے کابل پہنچے۔ اُن کو ہماری جگہ ارک میں محبوس رکھا۔ اور ہمکو سیٹھوں کی
سرائے میں منتقل کر دیا جو شہر کا مشہور بندیخانہ تھا۔ میں نے بعد میں اس سرائے کو پاک صاف کرا کے ایک مکتب
ابتدائی وہاں جاری کیا جسکا نام مکتبِ سعادت رکھا۔ یہ تو امان اللہ خان کا طفیل تھا مگر ہمارے ایک بندی نے
رہا ہو کر جب لوگر کا حاکم مقرر ہوا تو وہاں کے مکتبِ ابتدائی کا نام مکتبِ حریت رکھا۔ اس نام سے خوف کھا کر
امان اللہ خان نے تمام مکاتب کے نام موقوف کر دیئے۔ حالانکہ یہ ایک یاد کو تازہ رکھنے اور ایک جذبے
کی پرورش دینے کیلئے مقصود تھے۔ ترقی، ہمت، الفت اور اتحاد وغیرہ برسوں مکتبوں کے نام رہے اور اعلحضرت
انکو پسند فرماتے رہے، مگر حریت کا نام سنتے ہی سب کی شامت آگئی؛

ایک سانپ کا افسانہ سنا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص کو ڈسے تو اسکے سب رشتہ داروں کو زہر کا اثر پہنچ
جاتا ہے، خواہ وہ کہیں ہوں۔ جب محمد نادر خان اور انکے عزیز، بزرگ اور خورد کابل میں گرفتارِ مصیبت
تھے، تو انکے بھائیوں کو ہرات میں ویسی ہی آفتوں کا سامنا ہوا۔ اسی طرح بیڑیوں میں پایۂ تخت کی طرف لائے

گئے۔ امان اللہ خان نے فرمایا کہ سپہ سالار صالح محمد خان نے اُنکی اجازت کے بغیر حسب الامر کے الفاظ سے ہرات میں فرمان بھیجدیا کہ دونوں کو قید کر کے کابل روانہ کیا جائے۔ آیا یہ سالار ایسی جرات کر سکتا تھا؟ بعضے بادشاہوں کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ پہلے بڑے اشخاص کو اپنے اقتدار کا زجر آمیز مزہ چکھا کر بعد میں انھیں اپنی عاطفت کا حظ بخشتے ہیں۔ جیسے حیوانات کی طینت ہے کہ جنگل میں یا قفس میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے ہیں۔ اور جبتک اُنکیں کا زبردست دوسروں کو خوب نہ مار لے محض اطاعت کو بلا ضرب قبول نہیں کرتا۔ امیر حبیب اللہ خان نے عبدالاحد خان کو جو سردار نصر اللہ خان کا منظور نظر مصاحب تھا، پہلے دربار میں بلا کر پیٹا پھر کچھ عرصے کے بعد اپنا مقرب بنالیا۔ امان اللہ خان نے اُسکے منہ پر تھوکا اور اُسکا گھر بار ضبط کر کے مع اُسکے عائلے کے ترکستان فرار کر دیا۔ چند سے بعد عبدالاحد خان بادشاہی مصاحب اور اُسکی جائداد کے عوض اُسے قیمت سے زیادہ روپیہ وصول ہو گیا۔ اب عبدالاحد خان صرف اپنی خدمات کیوجہ سے بلا جبر و توبیخ کے وزارت کے رُتبے پر سرفراز ہے!

جیسے وزیر فتح خان نے مع اپنے جلیل القدر بھائیوں کے بادشاہ کی خدمت نہایت وفاداری سے ایفا کی، اور سلطنت کا سارا بوجھ بڑی جانفشانی اور تدبیر سے اٹھائے رکھا، باوجود اُسکے شبہات سے بریت نہ پاسکا اور اپنی قربانی سے اپنے خاندان کیلئے بادشاہی چھوڑ گیا، سردار محمد آصف خان اور سردار محمد یوسف خان مع اپنے ارجمند فرزندوں کے امیر عبدالرحمن خان کے عہد سے مطیع اور عقیدتمند چلے آئے۔ دونوں امیر حبیب اللہ خان کے مصاحب تھے! اور تمام ملت اُن سے خوش تھی، وہی تقویٰ کا معیار اُنپر صادق آتا ہے کہ قیامت میں کوئی اُنکا دامن نہیں پکڑیگا۔ خالص برادرانہ محبت کا نمونہ تھے، وہ تو صبح اپنی پیرانہ سر والدہ ماجدہ کیخدمت میں حاضر ہو کر اکٹھے سلام کرتے اور پھر اپنے رشید بیٹوں کے ساتھ جو سب کے سب آپسمیں بھی کمال مودت رکھتے تھے، ناشتہ کرتے۔

اسکے بعد خدمتِ بادشاہی بجالانے میں ہمہ تن مشغول ہوتے اور سارے کے سارے جن جن کاموں پر مقرر تھے انھیں پوری صداقت سے سرانجام دیتے۔ امان اللہ خان کے جلوس پر انھوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں، اسکے بعد پہلی سلطنت سے بڑھکر ہمت اور جاں نثاری سے ان وظائف میں مصروف ہوگئے، جو انکو مفوض کئے گئے؛

برادرانِ کرام میں سے ایک سردار محمد عزیز خان اعلیٰحضرت محمد نادر خان کے بڑے بھائی ہیں جو فرانس میں افغان طلبہ کے مفتش تھے اور یہ انہی کے تدین اور نیک اخلاق کا نتیجہ ہے کہ باوجود ایسے متعیشانہ محیط کے اکثر طلبہ کو راہِ راست پر رکھ سکے اگرچہ حکومت کیطرف سے انکی انتظامی خواہشیں منظور نہیں ہوتی تھیں۔ مگر وہ اپنی ہوشمندی سے سب کام عمدگی کے ساتھ چلاتے رہے۔ ان کی اور انکے خاندان کی اہلِ ہند کیساتھ ہمدردی کی وجہ تھی۔ کہ سردار محمد عزیز خان اس مجلس کے رئیس مقرر ہوئے تھے جو مہاجروں کی خبر گیری کیلئے متشکل ہوئی تھی۔ اس اسلامی فرض کو بھی انہوں نے مواخات کے سب پہلوؤں سے ادا کیا تھا باوجود اسکے پیرس سے واپس بلائے جانے پر مدتوں گھر میں بیکار بیٹھے رہے اور کسی نے وہاں کے مکاتب اور اپنے طلبہ کے متعلق بھی کبھی ان سے معلومات نہ لیں، یہاں تک کہ عہدِ غفلت ختم ہوا اور اب وہ مفید کام کر رہے ہیں؛

جب فوج کی قید سے نکالکر تینوں بھائیوں محمد نادر خان، شاہ ولی خان اور شاہ محمود خان کو امان اللہ خان نے سمت جنوبی میں انگریزوں کے مقابلہ پر بھیجا تو ظاہر تھا۔ کہ عسکری مدد سے قطعی طور پر محروم ہیں اور صرف اپنی ہی تدابیر و وسائط سے اتنے بڑے حریف کیساتھ محاربہ کرنے پر مجبور رہیں، جیسا کہ افغانستان کی نجات سمت جنوبی کے دو مرتبہ کے تجربہ سے تیسری دفعہ اسی طرف سے نصیب ہوئی۔ ایسا ہی ایک مرتبہ کا تجربہ دوسری دفعہ ملک کی نئی زندگی حاصل کرنے کا موجب ہوا۔ استقلال فی الحقیقت محمد نادر خان نے ویسی ہی ہمت و ہوشمندی سے حاصل کیا تھا۔ جیسا رہزنوں کی سلطنت کو تباہ کیا۔ دونو دفعہ یہ بھائی تنہا تھے۔ اور کوئی لشکر

ہمراہ نہیں تھا۔ دونو دفعہ انھوں نے اپنے خلق، عمل اور سابقہ خدمات و تعلقات کی وجہ سے کامیابی کسب کی۔ فرق یہی تھا کہ آخری مرتبہ جنوب سے شمال کی طرف اپنی قوم کیجانب اور پہلی دفعہ شمال سے جنوب کی طرف غیر قوم کیجانب رُخ تھا۔ امان اللہ خان کو اس امر کا کامل اقرار تھا کہ ملک کی آزادی صرف محمد نادر خان غازی کی تلوار کے زور سے حاصل ہوئی ہے کیونکہ سمت شرقی میں سپہ سالار صالح محمد خان طیارے کے بم سے پاؤں میں زخم کھانے کی وجہ سے بھاگ نکلا تھا وہ مجلس شوری میں طلب کیا گیا تاکہ اپنی شکست کا سبب بیان کرے۔ اس پر تمسخر سے سوالات کئے گئے۔ سردار غلام علی خان کو اصیل مرغوں کا شوق تھا کیونکہ بادشاہ کے بھائی اگر اچھے کاموں میں مشغول ہوں، تو مارے جاتے ہیں۔ اسلئے بے زبان جانوروں کو مارتے ہیں۔ یہ امان اللہ خان کے چچا تھے میں نے انکی طرف دیکھکر کہا کہ سپہ سالار نے ایک لات بھی نہ سہی! انہوں نے کہا ایک چونچ کھا کر بھاگ نکلا! سپہ سالار نے فرمان نکالا جسمیں لکھا تھا کہ موقعہ کو ہاتھ سے نہ دینا۔ علی جان وزیر زراعت فوراً بول اٹھا، کہ شکست کا موقعہ پیش آیا تھا، سو ہاتھ سے نہ دیا! باوجود شکست کے یہ مزاح مجلس شوری جیسی متین جمعیت کی مزاج میں صرف محمد نادر خان غازی کی طرف سے بشارتوں کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ سردار محمد ہاشم خان جوان دنوں ہرات سے آپہنچے تھے، شوری میں کہتے کہ ایسی خوشخبریوں سے پھولا نہ سمانا وقار اور احتیاط کے خلاف ہے۔ مگر یہ اُن کی بلند ہمتی اور رسا نگوئی کی باتیں تھیں!

افغانستان اور ساری دنیا مان گئی کہ سپہ سالار غازی محمد نادر خان نے جنگ استقلال فتح کی چنانچہ امان اللہ خان نے اس منار پر جو انکی فتح کی یادگار میں تعمیر کردایا یہی عبارت لکھوائی تھی۔ جب وہ فاتح کی حیثیت میں سمت جنوبی سے واپس آرہے تھے۔ تو ان کے استقبال کی بہت دھوم دھام سے تیاریاں کی گئیں، خود امان اللہ خان نے اُن کے ورود سے آدھ گھنٹہ پہلے البتہ اسلئے کہ مشغولیت میں بھول گئے۔ مجھے کہا کہ معارف کی

طرف سے ایسا استقبال ہو جو یادگار رہجائے۔ باوجود تھوڑی فرصت کے میں نے تمام مکاتب کو ایک میل سڑک کے دونو طرف پھیلا دیا۔ ہر مکتب میں معارف کا جھنڈا کھڑا تھا۔ اور ہر جماعت میں جھنڈیاں تھیں، جن پر مناسب آیات، ابیات اور مقولے لکھے تھے۔ جب ایک مکتب کی قطاروں میں پہنچتے تو زندہ باد سپہ سالار فاتح۔ پائندہ باد استقلال افغانستان کے نعرے انکو دوسرے مکتب کی صفوں میں پہنچا دیتے۔ اسی ترتیب سے شہر کے ایک طرف گذر کر جب وزارت حربیہ کی سڑک پر پہنچے۔ تو وہاں مدرسہ حبیبیہ کے بڑے طلبہ ریشمی رومالوں میں مختلف رنگوں کے پھول بھرے راستے کے دونو جانب کھڑے تھے۔ جب سپہ سالار غازی انکے سامنے سے گذرتے تو دونو طرف سے پھول برستے، مگر اس طرح کہ پھولوں کے محراب بنتے جاتے اور سڑک میں ایک نہ گرتا۔ باوجود تھوڑی مہلت کے معارف سے امان اللہ خان اور محمد نادر خان دونو ممنون ہوئے؛

اسکے بعد الطاف شاہانہ کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔ مناصب و مناقب کے علاوہ اپنی بہنوں کی شادیاں انہی بھائیوں سے کردیں۔ سپہ سالار غازی کو بھی اصرار سے کہا مگر انہوں نے جواب دیا، کہ میرے چچا کی بیٹی میری اہلیہ ہے اور میرے دو بیٹے ہیں۔ میں اور بیاہ نہیں کرسکتا۔ آپ کی عفیف عادتیں اور زاہدانہ اطوار شروع سے لیکر پیرس کی اقامت سے بعد تک ہمیشہ مستقیم رہے ہیں۔ اور ہندوستان کے بعض اخباروں میں جو انکے و قذف شائع ہوتا رہا ہے سخت قابل افسوس تھا۔ درحقیقت قرآنمجید سے دوری ان نشریات کا باعث ہوتی ہے حالانکہ ایک مسلمان کا جو مقالہ نویسی کرے، اتنا تو فرض ہے کہ اوامر و نواہی سے آگاہی حاصل کرلے، جو خدا کیطرف سے مقرر ہوئے ہیں۔ حضرت عمرؓ منبر پہ سے کسی کے زنا کے متعلق کچھ کہنے کو تھے کہ حضرت علیؓ نے منہ پر ہاتھ رکھکر منع کر دیا۔ کیونکہ نص کی رو سے اسی دُرّوں کے مستوجب بنجاتے۔ اگر چار گواہ نہ لاتے۔ اور پھر اُن کی شہادت کبھی قبول نہ کیجاتی، اور فاسقوں میں داخل ہو جاتے۔ اس کے علاوہ عام

فاحشہ باتیں مشہور کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ فحش اور بے شرمی کی باتیں مسلمانوں میں اشاعت پائیں، اُن کے لئے دُنیا اور آخرۃ میں دردناک عذاب ہے ؛

(۴)
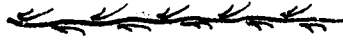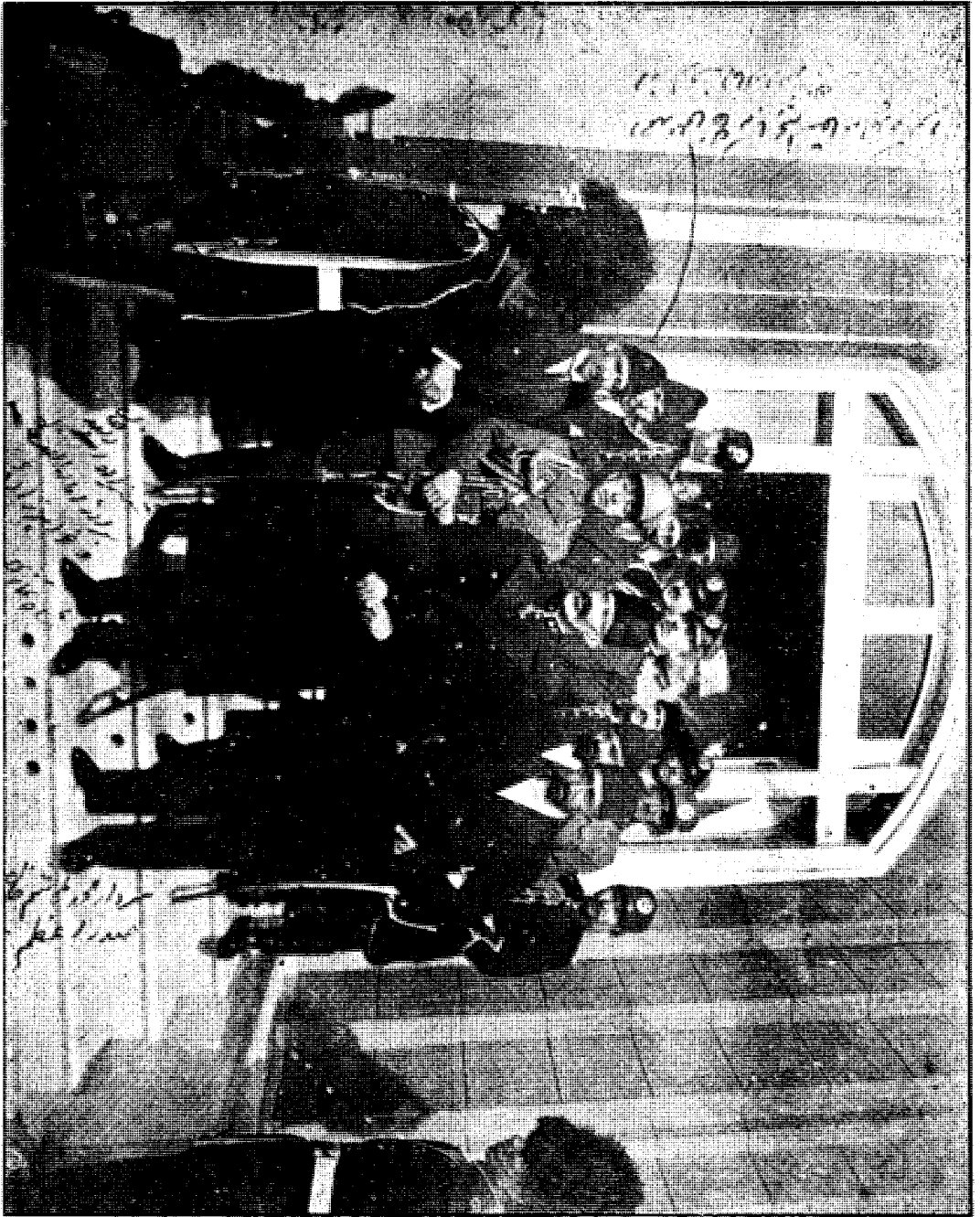
سمت جنوبی کی پہلی بغاوت میں فتح

سمت جنوبی جب سے امیر عبدالرحمٰن خان نے سردار شیرین دل خان کو وہاں حاکم مقرر کیا کچھ قرار پکڑ گئی۔ ورنہ قبل و مابعد زمانوں میں بھیڑوں کے چھتوں کی نہیں، بھیڑیوں کے گلوں کی قرارگاہ رہی ہے۔ چونکہ باشندے دلاور اور بہادر ہیں۔ ملک کے باقی صوبوں کیخلاف زیادہ ظلموں کی تاب نہیں لا سکتے جو کہ اور جگہوں کے عادی حاکم یہاں بھی عمل میں لانے سے نہیں چوکتے۔ ایک شخص کو پہچاننا مشکل ہے، چہ جائیکہ ایک قوم کو جو مختلف قبائل پر مشتمل ہو۔ ہرات کے نائب الحکومہ نے ایک انگریز مہمان کے خوش کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جب وہ رخصت ہونے لگا۔ تو کہا کہ میں اپنی خوشنودی کا ایک رقعہ لکھدیتا ہوں، کیونکہ آپ کی مہربانیاں مجھ پر بہت ہوئی ہیں۔ نائب الحکومہ نے کہا کہ اگر مجھ پر احسان کرنا چاہتے ہو تو یہ لکھدو، کہ اس نے بڑی بے پروائی برتی اور ہمیں سخت تکلیف پہنچائی۔ اصرار پر اُس نے ایسا ہی لکھدیا۔ چنانچہ اس تحریر کے ملاحظہ سے امیر عبدالرحمٰن خان نے نائب الحکومہ کو خلعت اور انعام سے سرفراز کیا۔ کچھ مدت کے بعد پھر ایک اور انگریز آیا، اس سے بھی باوجود اچھے سلوک کے ویسی ہی تحریر کروا لی۔ جسکے مطالعہ سے امیر حبیب اللہ خان نے نائب الحکومہ کو موقوف کردیا۔ حالانکہ وہ علم و فضل میں قاضی بھی تھا۔

امیرالدین نامی پشاور کی پولیس میں شاید سارجنٹ تھا۔ کوئی قبیح جرم کر کے افغانستان بھاگ آیا۔ اور یہاں بھی سوائے مفسدی اور مخبری کے اور کوئی اُسکا پیشہ نہیں تھا۔ امان اللہ خان نے اُسے حاکم اعلیٰ بنادیا۔

میں نے کسی موقعہ پر طنزاً اسکی پچھلی کہانی سُنادی اور آیندہ کے لیے اندیشہ ظاہر کیا جو کنڈرا کیطرح سچا نکلا۔ مگر امان اللہ خان نے پرواہ نہ کی۔ امیرالدین رشوت کی مفرط عادت رکھتا، ساتھ ہی جہالت سے بھی بھرا تھا۔ بجائے اسکے کہ قانون کا ماخذ شریعت کو قرار دیتا، کہنے لگا کہ اب زمانہ قانون کا ہے شریعت کا وقت گیا۔ لوگوں کو یہ بہانہ ملگیا اور اٹھ کھڑے ہوئے، یہ آغاز تھا سمت جنوبی کی دوسری لڑائی کا؛

پہلی لڑائی کا سبب بھی اصلاً اسی رشوت ستانی سے پیدا ہوتا ہے مگر اسکے ساتھ سڑک بنانے کی بیگار بھی منضم ہوجاتی ہے۔ پھر محمد اکبر خان حاکم کو افغانوں کی بعض رسم و رواج میں اصلاح کی سوجھتی ہے۔ کشمیر کی طرح سمت جنوبی کی عورتیں صرف لمبا پیراہن پہنتی ہیں مگر انکی عفت میں کسی کو کلام نہیں۔ حکم دیا کہ ازار پہنیں۔ لوگوں نے کہا کہ ہماری عورتوں کے لباس سے کسی کو کیا غرض؟ افغانوں میں باہمی دشمنی ذرا زیادہ ہی وحشت لیے ہوتی ہے۔ حجام کو طمع دیکر ختنے کے وقت اُسترے کو زہر آلود کرکے دشمن کے بیٹے کو مروادیتے ہیں۔ اس خوف سے اکثر لوگ اس سنت ہی کو ترک کر بیٹھے ہیں۔ حاکم نے اسے بھی احیا کرنا چاہا۔ اسکے آدمی گاؤں میں قدم رکھتے تو لڑکے چلاتے ہوئے پہاڑوں پر جا چڑھتے۔ مرد بیگار سے، عورتیں لباس سے اور بچے یوں تنگ آگئے۔ عریضے کئے مگر حاکم تھا علیاحضرت کا بھائی بند۔ کون اُوپر پیش کرتا۔ آخری حیلہ سیف تھا سو چھرے لیکر ہر طرف سے آپڑے؛

خوست کی چھاؤنی بڑی مستحکم ہے، محصور ہوگئی۔ اور جہاں کہیں بھی سپاہی تھے بیرحمی سے مارے گئے حتے کہ دو تین نجرابی سپاہیوں نے مسجد میں پناہ لی۔ وہاں بھی ان پر گولیاں برسیں تو انھوں نے دروازے بند کرکے روشندانوں سے مقابلہ کیا۔ جب باغیوں نے مسجد کو آگ لگادی تو سپاہیوں نے جلدی جلدی کارتوس چلاکر بندوقیں توڑ کر جان دی۔ ایک بہادر کرنیل نادر خان نامی نے اپنی پلٹن چھاؤنی سے باہر نکالی

لہ یہ امیرالدین موجودہ سلطنت میں اپنے کیفر کردار کو پہنچا؛

جو توپوں کے گولے کے سائے میں آگے بڑھی جب ذرا دور نکلی تو گولے خود انہیں پر گر کر پھٹنے لگے کیونکہ توپچیوں نے کبھی مشق ہی نہیں کی تھی۔ امان اللہ خان کے وقت میں کئی پرانے خدمتگذار بجٹ کی تخفیف میں آکر موقوف ہو جاتے اور ملک کے کناروں میں ہونے سے نئے سال کے دو مہینے بعد انکو اطلاع ہوتی اور اس عرصے کی تنخواہ انہیں نہ ملتی۔ اپنے باپ کے عہد کے نوکروں کو کب پنشن دیتے۔ چنانچہ کرنیل مذکور ہمارے ایک ابتدائی مکتب میں معلمی کرنے پر مجبور ہوا تھا؛

چھاؤنی کا محاصرہ اٹھوانے کیلئے کابل سے کمک بھیجی گئی۔ چارہی کے جوانوں کو باغی للکار کر آدبوچتے اور انکی بندوقیں چھین کر نہتوں کو چھروں سے کاٹ انکے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ اس طرح منظم اور بیقاعدہ عساکر سے تقریباً ایک ہزار آدمی مقتول ہوئے اور باغیوں کے بھی اتنے ہی تلف ہوئے ہونگے۔ مگر یہ لوگ اپنے زخمیوں اور مردوں کو میدانِ جنگ میں ہرگز نہیں چھوڑتے اگر اٹھانا ذرا مشکل ہوا، تو مردے کے ٹکڑے کر کے اسے گٹھڑی میں باندھکر لیجاتے ہیں۔ سمت جنوبی کی دوسری لڑائی میں حالانکہ لوگر وہاں سے دور تھا۔ اور ایک دشوار گذار گھاٹی درمیان حائل تھی پھر بھی باغیوں کی وہاں ایک لاش نہیں ملی! اور سپاہیوں کے مقتولین سے دشت و کوہ پٹے پڑے تھے۔ ان میں بھی سینکڑوں میلوں سے نعشوں کو اگرچہ متعدی مریضوں کی ہوں، باوجود حکومت کی ممانعت کے اونٹوں وغیرہ پر لاد کر انکے ہاں پہنچا دیتے ہیں اور یہ رسم اتنی مشہور ہے کہ امیر عبدالرحمٰن خان کے وقت میں روس سے افغان جاسوس اپنے رفیق کو مردہ بتا کر افغانستان پہنچا چکے ہیں۔ جبکہ سرحد عبور کرنیکی عام طور پر اجازت نہیں تھی؛

یہ حیرت انگیز رواج قدیم سے ان میں چلی آتی ہے۔ اور اس سے گمان ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اور ابو مسلمؒ خراسانی کی نعشوں کو ان کے ذی حمیت معتقد افغانستان میں اٹھا لائے ہوں یہ کیونکہ ترکستان میں مزار شریف

اور لوگر میں قبر ابو مسلمؓ بے دلیل نہیں ہو سکتیں جامی نے کہا ہے ؎

گویند کہ مرقدِ علیؓ در نجف است | در بلخ بیا ببیں چہ دار الشرف است
جامی نہ عدن گو و نہ بین الجبلین | خورشید یکجا و نورش ہر طرف است

لوگر میں کوئی عربی کے ساتھ یہ کتبہ ہے ؎

چہل سال بو مسلم پہلوان | تبر کوفت بر فرقِ مروانیاں
ز حدِ سمرقند تا مصر و رَے | بر آورد بیخِ خوارج ز پے

ابو مسلمؓ کے قصے فضول مبالغے کے ساتھ افغانستان میں زبان زدِ خلائق ہیں۔ یہ اُن نادر اشخاص میں سے تھا جن کی مثالیں اب معدوم ہیں۔ بنی امیہ کی مشید سلطنت میں اکیلے نے انقلاب برپا کر دیا۔ اس کے لاکھوں فدائی مریدوں سے بعید نہیں تھا کہ ان میں سے بعض اسے لوگر کے گمنام علاقے چلوزئی میں لا دفن کرتے۔ حضرت علیؓ کی نسبت حدیث کی پیشین گوئی کہ جناب مسیحؑ کی طرح آپ کے دوست اور دشمن مفرط درجے کے ہونگے، اس طرح سچی ہوتی ہے کہ ایک گروہ نماز میں بھی آپ کو شہید کرنے سے نہیں جھجکتا۔ اور دوسرا فرقہ نعش کو بے ادبی کے اندیشہ سے دُور لے جا کر غائب کر دیتا ہے اور شاید وہ دُور جگہ بلخ ہو۔ سلطان حسین مرزا جیسا علم دوست بادشاہ جس کے وزیر امیر علی شیر کے کتب خانے میں تین لاکھ کتابیں تھیں، غیر معقول وجہ پر کیسے حکم دے سکتا تھا۔ کہ بلخ میں مرقدِ علیؓ کی جستجو کی جائے۔ اور جب مل گئی تو اُس پر عالیشان گنبد بنایا جائے ؟

باوجود مزار شریف کے بلخ کی بے تمیزی ضرب المثل ہو گئی ہے۔ بولے بکری کھا گئی اور دھینے کو پکڑ قید میں ڈال دیا۔ ہمارے ساتھ بھی ایسے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔ ایک صبح ارک میں جب ہم محبوس تھے۔

تو دروازے دفعتاً بند کر کے زنجیریں لگا دی گئیں معلوم ہوا کہ رات شہر میں ایک بڑے شخص کو پچاس ساٹھ آدمی قتل کر گئے۔ جب یہ سانحہ پُرانا ہو گیا تو پھر ہمیں کچھ آزادی نصیب ہوئی۔ ایک عرصہ گذرا تو پھر وہی زنجیریں لگ گئیں۔ دریافت ہُوا کہ سمت جنوبی میں منگل اور احمد زئی وغیرہ بگڑے ہوئے ہیں اور اب جرنیل محمد نادر خان اُن کی سرکوبی کے لئے بھیجے جا رہے ہیں۔ باوجود ایسی بندشوں کے ڈاکٹر عبد الغنی نے ایک مضمون اردو اخباروں میں بھیجا کہ اگر امیر حبیب اللہ خان ہماری مجلس جاں نثارانِ اسلام کو منظور کر لیتا تو یہ بغاوت نہ ہوتی کیونکہ ہر سمت اور ہر قبیلے سے جب وکیل اور مبعوث بادشاہ کے دربار میں موجود ہوتے، تو اپنی شکایات کو بروقت رفع کروا کے رعایا کو سرکشی کا موقعہ ہی نہ دیتے۔ ہمارے اور سمت جنوبی والوں کے عریضوں کی طرح یہ اخبار کب شاہانہ نظر سے گذر سکتا تھا؛

محمد نادر خان کو فوراً کوچ کرنے کا حکم ہُوا مگر امیر کی فوجی امور میں غفلت سے تین ہزار عسکر کی حرکت میں کئی دنوں کی تاخیر ہو گئی کیونکہ سامان رسد اور دیگر اسباب سفر کا پہلے سے کوئی تہیہ نہیں تھا۔ آخر امیر نے جرنیل کی مشایعت کی اور دور کر رخصت کیا۔ وہ کوتل تیرہ جس پر گذرنے سے پہلے دوسری لڑائی میں جرنیل عبد الحمید مع حاکم لوگر، برگڈیر اور کرنیلوں کے مارا گیا تھا۔ سامنے آئی۔ جرنیل محمد نادر خان اگر اُسوقت ناتجربہ کار تھے، تو اس کی تلافی تجربہ کاروں کے مشورہ سے کر لیتے تھے۔ نہایت احتیاط اور حفاظت کے اہتمام سے گھاٹی پر چڑھے اور بخیریت تمام سمت جنوبی میں پہنچ گئے۔ ایک طرف اپنی ہیبت اور فوجی مظاہرے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، دوسری جانب ملکوں اور خانوں کو معتبر و معتمد اشخاص کے ذریعے سے بلایا۔ ان گفتگو کے اثنا میں ہر طرح کی خبرداری کی جاتی۔ حتیٰ کہ خیموں میں خندقیں کھودی گئی تھیں اور افغانی کپڑے تیار کروائے گئے تھے۔ جب بات چیت ہو رہی تھی تو اس زمانے کے پاینیر میں رمز کے طور پر شائع ہُوا کہ نادر خان بھی

سرحدی خیلوں سے ان قبیلوں کو ماتحت کرنا چاہتا ہے، حالانکہ یہ لوگ لڑائی میں مغلوبیت کے بعد ہی پورے تابع ہوتے ہیں۔ علی الرغم اسکے تھوڑی مدت میں ساری سمت رضا و رغبت سے مطیع و منقاد ہوگئی۔ جسرنیل محمد نادر خان ہر طائفے کے ملک زادوں کو اپنے ساتھ کابل میں لائے اور اُنکے لئے ایک فوجی مکتب مع اقامتگاہ کے جدا تاسیس کردیا۔ یہ کام ایسی خوش اسلوبی سے طے کیا کہ ملک اپنے لڑکوں کو سرکاری مہمان سمجھتے اور دوسرے طوائف میں اس امتیاز پہ فخر کرتے۔ اگرچہ وہ یرغمال کے طور پہ تھے۔ جب امان اللہ خان کیوقت میں یہ مکتب موقوف ہوگیا اور شاہ محمود خان نے سمت جنوبی میں بیس مکتب نئے کھولے تو پہلے مکتب کے تعلیمیافتہ جوان وہاں مفید ثابت ہوئے کیونکہ اتنے پشتو دان اور جگہوں سے دستیاب ہونے مشکل تھے اور سمت جنوبی میں اور زبان سے تعلیم دینی محال تھی!

امیر حبیب اللہ خان کے عہد میں سپہ سالار محمد نادر خان نے ایک تو ملک زادوں کا مکتب تاسیس کیا جس میں ملکی اور عسکری دو نو قسم کی تعلیم دی جاتی۔ دوسرا مکتب چھوٹے افسروں کا تھا جسمیں کافرستان کے جدید الاسلام لڑکے فوجی کام مع علمی مضامین کے سیکھتے۔ دو ہندوستانی ان مکتبوں میں جمناسٹک اور قواعد کے معلم تھے۔ اور باقی تعلیم مکتب حبیبیہ کے فارغ التحصیل نوجوانوں کے ہاتھ میں تھی۔ ہر وقت معائنہ کرنے طلبہ کو انعام دینے اور ترغیب و تحریص سے سپہ سالار صاحب نے اِن مکتبوں کو تھوڑے عرصے میں بہت ترقی دی۔ ایک سے چھوٹے جدید افسر حوالدار اور صوبیدار ہو کر نکلے اور جو کمپنیاں ہم پر ارک میں پہرہ دیتیں۔ اُن میں مقرر ہو کر آئے!

چونکہ میرا تعلق مکتبوں کے ساتھ رہ چکا تھا اس لحاظ سے یہ چھوٹے افسر میرے پاس آکر بیٹھتے اُٹھتے ملنے جلنے سے معلوم ہوا کہ انمیں ایک قسم کی مرض عام ہے جس سے تقریباً سب کے سب ضعیف ہو رہے ہیں۔

اور بعض اسی سے مر بھی چکے ہیں۔ ڈاکٹر عبد الغنی نے ملاحظہ کر کے یہ رائے دی کہ سفلس ہے جو کسی کی بے اعتدالی سے شروع ہو کر متعدی ہونے کی وجہ سے اکثر میں سرایت کر گئی ہے۔ بندیخانے کے طبیب نے بھی یہی خیال ظاہر کیا۔ دونو کے متفقہ فکر سے یہ خوف لاحق ہوا کہ نہ صرف یہ نوجوان اکثر ہلاک ہو جائینگے۔ بلکہ اُن کی نسل بھی تھوڑی دیر چل کر منقطع ہو جائیگی۔ اپنی گوشہ گیر حیثیت کے مطابق ایک گمنام خط میں نے ڈاکٹر منیر بیگ کو لکھا جسکا عنوان یہ تھا ؎

ہر کہ پا بیچ میگذارد خونِ دل ما میخوریم شیشۂ ناموسِ عالم در بغل داریم ما

اس کے بعد بیماروں کا حال لکھا اور یہ خطرہ بھی ظاہر کیا کہ دربار میں نوکری اور حرم سرائے میں رشتہ داری کی وجہ سے اس مرض کا اُوپر بھی پھیلنے کا احتمال ہے اسلئے امیر صاحب کو مطلع کر کے ایک جُدا شفاخانے کی اجازت حاصل کی جائے۔ ترکی ڈاکٹر نے زبانی جواب دیا۔ کہ ایسی بہت سی چیزیں اصلاح طلب ہیں اور کسی کی بھی پرداخت نہیں ہوتی۔ اسلئے اسکا بھی چارہ نہیں ہو سکتا؛

مجھے شاعری میں آمد یا آورد کی بجائے گھسیٹ کا درجہ حاصل ہے، جب میرے مضمون کو اور کوئی موزوں کرنیوالا نہ ہو اور اسکی فوری ضرورت بھی پڑے تو مجبوری سے نظم لکھنی پڑتی ہے۔ اسی طرح طلبہ کے لئے ترانے کہے گئے اور اب یہ سوجھی کہ اگر ان جدیدی نوجوانوں کا حال منظوم کیا جائے تو شاید امیر کو معلوم ہو جائے اور چونکہ اس میں ایک لونڈی کے مبتلائے مرض ہونے کا ذکر ہے، اپنی جان کے اندیشے سے شاید ان غریبوں کا مداوا کرے، ورنہ ان مریضوں کو تو ہدایات کا سبق مل جائیگا۔ جو اسمیں بیان ہوئی ہیں۔ ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے اسے نقل کرتا ہوں۔ رُوکھی سُوکھی جو حاضر ہو۔ وہی پیش کی جا سکتی ہے :-

باول[1] سرکلی بارید ژالہ   جگرخونم زدانہ ہا چو لالہ

جدیدی زادہ ام یک بیت سالہ   پدر دارم نہ مادر غیرِ خالہ

کہ میباشد بمن منان و والہ

مقامش در محلِ پادشاہی   من بیچارہ محض یک سپاہی

نشانم دہ سبیلے یا الٰہی   نیاید بر سرِ من تا تباہی

شدم سویش بیک تدبیر راہی

نمودم قابوچی را روئے قرآن   قران[2] دادم بدستش نیز پنہاں

شدم با خالہ ام دوچار آلان   بزخمم باد و پتہ[3] گشت مالاں

چنیں ہم گفت گردم بر تو قربان

تجاوز کردش آزارم ازیں رخت   بود تیمارِ متعدی بسے سخت

ہمہ ہم مکتبانِ من بیک لخت   گرفتارِ ہمیں رنجند بدبخت

ز اندیشہ بری نے فرش و نے تخت

---

[1] "سر منڈاتے ہی اولے پڑے" کا ترجمہ ہے [2] قِران۔ نصف روپیہ کابلی۔ [3] کابل میں دوپٹہ دوپتہ بولا جاتا ہے۔

خدا ناکردہ بین کل تو مم　　گڈولی رارہ والی کلمی[1] ہم
میانِ جملہ فرقہ ہا ازیں غم　　بپا خواہد شد آخر مرگ و ماتم
سیاہ پوش[2] اول و آخر معدّم

طبیب و ڈاکٹر گفتند ہر دو　　کہ بیشک آتشک است ایں سقربو
فرنگ آباد مسلم را بھر کو　　کُند بربادو بادش نیز ہر سو
کنند از آبرو و خون رواں جو

تمنایم غزائے کافرانست　　کہ غازی را بہشتِ جاودانست
ولیکن ایں زمن ممکن چسانست　　کہ جسمم داغ داغ و ضعفِ جانست
مریضِ سفلس از حد ناتواں است

کسے را او چو ہانڈی[3] وال خود کرد　　یزودی مبتلا شد ورہیں درد
بلوگرہم زخویشان از زن و مرد　　کشند از دستِ خارش آہ ہا سرد
تمامی گشتہ اند افگار و رُو زرد

سپہ سالارِ سردار بہادر　　بسر خیلان افغان بے بہادر
سراپا لطف و مہرِ بے تکبر　　شجاعت پیشہ باشد نے تہوّر
بمنصب کردہ اہلِ آن مقرر

---

[1] جدیدیونکے بڑے قبیلے ہیں۔ [2] یہ جدیدی سیاہ پوش کہلاتے تھے اور انکے علاوہ ایک اور قوم سفید پوش تھی مگر یہ نام ان میں معروف نہیں ہیں دوسروں نے رکھے ہوئے تھے جیسے ڈاش کو انگریز وغیرہ جرمن اور آلمان کہتے ہیں اور وہ خود ان دونو ناموں کو نہیں ملاتے۔

[3] جو روٹی میں شریک و رفیق ہوں۔

زباغِ مکتبے کان خود نشانید — بآبِ التفاتش پرورانید
نہالانِ ثمر آور پسندید — باکثر کرچ صو بہدار بخشید
بتخمینِ مسافہ[1] بعض برسید

برائے ماکند مختص حکیمے — شفیقے و لئیقے و فہیمے
علاجِ ماکند کامل نہ نیمے — کہ از دیگر اطبّاہست نیمے
نباشد ایں چنیں لیکن کریمے

بپردازیم پس ما خود بدرمان — بدست آری اگر ڈاونٹ سالیو شان[2]
بخور عناب توھر بامداداں — چرتیہ شاہترہ ہم نوش از جان
شفا گردد بصبر و ہوش آسان

بکن از میوہ ہائے تازہ پرہیز — بنفسِ سرکش خود خوب بستیز
زخوانِ ترشی و بادی تو برخیز — بھر خوراک بنما فکرتِ تیز
بخورداں کن ہمیں پندِ دل آویز

زبادنجان و مرچ سرخ رم کن — چو نتوانی نمک گم کرد کم کن
بہ لانڈی[3] گاؤ و ماہی و میش ضم کن — ازیں اقسام پرہیز اتم کن
سرت پیشِ پلاؤ و مرغ خم کن

---

[1] ایک حوالدار فاصلے کو تخمین کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ [2] پیٹنٹ دوا ہے سفلس کی [3] بھیڑ کے خشک کئے ہوئے گوشت کو کہتے ہیں۔

بزن ہم شوربائے گوسفندی | نہ بیند یکہ درد آرد چو خندی
بقید ایں و با ہستی چو بندی | اگر گشتی پس لذاتِ قندی
زبدخوری تو گورِ خویش کندی

بسا توسنگِ گوگرد آرد آسا | بہ تیلِ کنجدش آمیز یک جا
بمالش بعدِ شستن دانہ ہارا | بصابون روزمرہ بس مصفا
نگاہ کن کلِ جان را صاف دستر

رہایت میکند زیں بندیے در | ثباتِ احتیاطِ تو در آخر
باشنائیکہ باشد در تو ایں ضر | الا نشوی بکس نزدیک و دریر
باوہم میرسانی ورنہ ایں شر

بشخصے تندرستے سلے گر | خوردوستِ تو با یک عضو دیگر
شود بر گردن تو جرمِ اکبر | کہ نبود ایں مرض از قتل کمتر
حذر باید ز گرگِ گرگِ تندر

نمودی زیں مرض صحت چو حاصل | شوی با عزت و آرام واصل
بجا آری اگر خدماتِ قابل | بیابی اجرِ آں فردائے عاجل
بشکلِ منصبِ نعماتِ کامل

چو خدماتے ز بہرِ دین و ملت | ادا سازی باخلاص و بہمت
سپہ سالارِ نادر ذی حمیت | کند بر حالِ تو الطاف و شفقت
رساند مر ترا بر اوجِ رتبت

جب یہ مجلس لکھی گئی تو مرض مذکور بڑھ رہا تھا۔ حکومت کی طرف سے کوئی خبر نہیں لی گئی۔ کیونکہ عیاشی کا غلبہ تھا۔ دربار میں کوئی بشری ہمدردی کا ذکر نہ چھیڑ سکتا۔ مگر جیسا کہ حکومت خالق نہیں، اس کے ہاتھ میں زندگی بھی نہیں۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ جب میں مریض ہوتا ہوں تو خدا مجھے شفا بخشتا ہے۔ اِن جدیدی نوجوانوں میں یہ مرض خود بخود گھٹنے لگا اور چند سال کے بعد جب اکثر مکاتب میں امان اللہ خان کے وقت یہی چھوٹے افسر فوجی قواعد سکھاتے تھے، تو ان میں مطلق اس علت کے آثار باقی نہیں رہے تھے اور دریافت کرنے سے معلوم ہوا، کہ انکے دوسرے عزیزوں کو بھی شفائے کامل حاصل تھی ۵

کارسازِ ما بفکرِ کارِ ماست　　　فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ماست

امان اللہ خان نے رہزنوں اور ظالم حکام کی خبر نہ لی جو رعیت پر ظلم کرتے رہے۔ کس نے رہزنوں کو امان اللہ خان کی بجائے مسلط کر کے ظالم حکام کو انکے ہاتھ میں دیدیا۔ جو تقریباً سب کے سب اپنے کیفر کردار کو پہنچے؟ ان سفاکوں اور فاسقوں کے پنجے سے پھر ملت کو کس نے نجات دلائی؟ ایک مریض بندہ خدا تنہا فراش میں لیٹا تھا۔ سفر کی طاقت نہیں تھی۔ کیا وہ یہ عظیم الشان اور خطرات و زحمات سے بھرا کام سرانجام دے سکتا تھا؟ هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَکُمْ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ۔ اس خداتعالےٰ نے تمکو اپنی مدد سے اور مسلمانوں کے اتفاق سے تائید اور توفیق عنایت فرمائی ؛

حاشیہ صفحہ ۱۶۵ ۱؎ سنتر اکابل میں سترا بولا جاتا ہے۔ ۲؎ گرگ خارش کو کہتے ہیں۔ تند رجسم کو پھاڑنے والا۔

مزار علی رض در بلخ

امیر علی شیر وزیر

(۵)
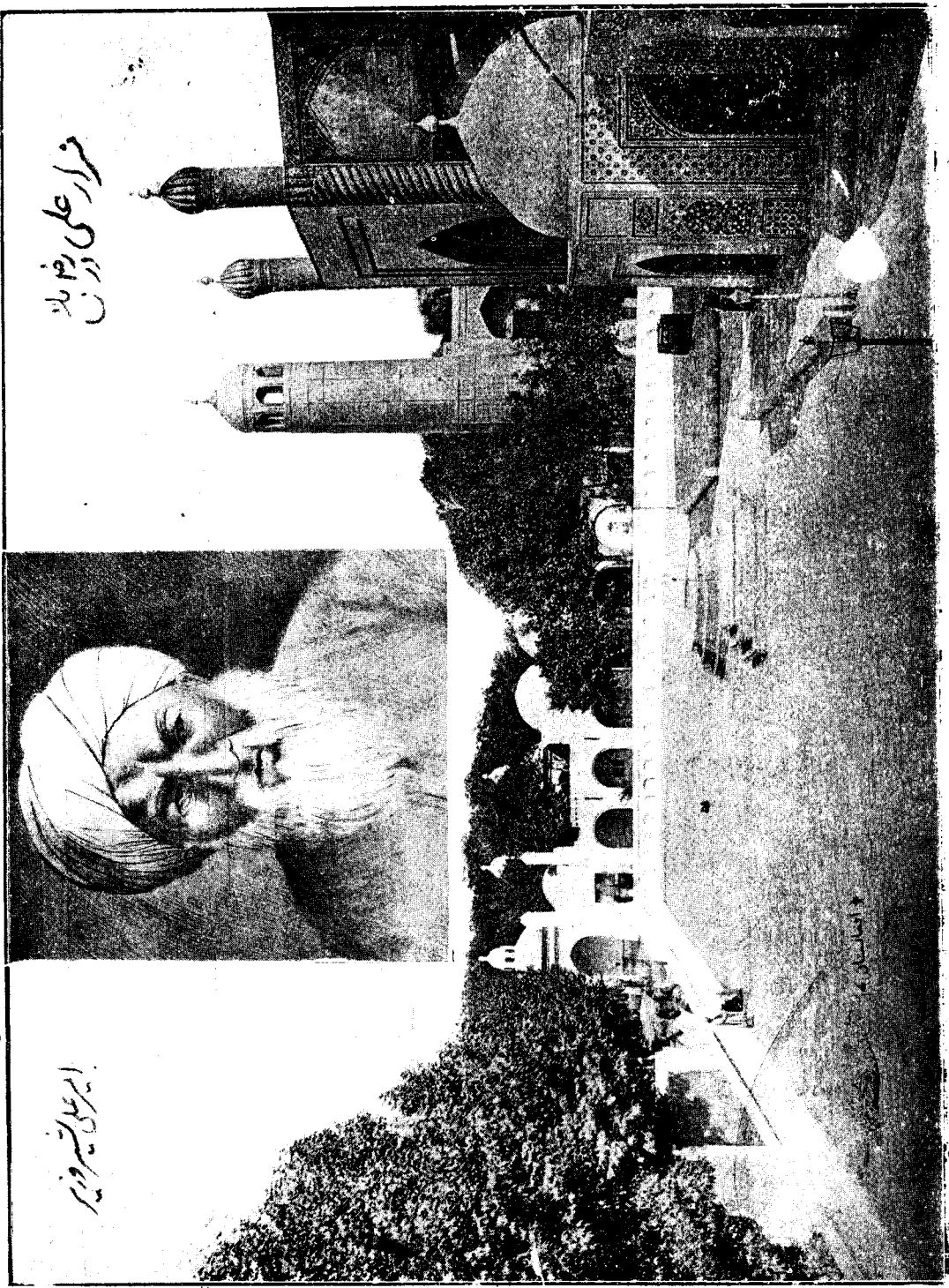
محمد نادر خان کی سپہ سالاری امیر حبیب اللہ خان کے عہد میں

سمت جنوبی کی مدبرانہ فتح اور عسکری مکاتب قائم کرنے کے علاوہ فوجی اصلاح میں سرگرم رہنے کا اثر امیر حبیب اللہ خان پر اتنا پڑا کہ محمد نادر خان کو جوانی میں سپہ سالاری کا جلیل القدر عہدہ عطا کیا۔ افغانستان میں یہ بلند ترین فوجی منصب اس سے پہلے کبھی اتنے جوان افسر کو نصیب نہیں ہوا تھا اس فوق العادۃ اعزاز کے فرائض بجالانے میں بڑی دقتیں درپیش تھیں۔ پہلے ہی سردار عنایت اللہ خان کیساتھ تعلق تھا جو ولیعہدی کا اعلان تو نہیں پاچکا تھا۔ مگر ساری فوج اسکے ماتحت و متعلق ہونے کی وجہ سے اشارۃً جانشین ہونے کو تھا۔ اس حیثیت سے اسکا رتبہ وزارت سے اونچا مگر وزیر جنگ گویا وہی تھا۔ اس کے خیالات خام کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب سمت جنوبی کی لڑائی زوروں پر تھی تو اپنے دربار میں کہنے لگا۔ آیا یہ باغی نہیں جانتے کہ ایک طرف سے ہم لشکر کشی کرینگے، دوسری طرف سے انگریز اور انکو درمیان لیکر پیس ڈالینگے؟ ایک دفعہ فوجی افسروں کو کہنے لگا کہ تم اپنی تعلیم و تجربے کے لحاظ سے مناصب کے مستحق نہیں، بلکہ محض امیر صاحب کی مہربانی و عطا سے مقرر کیے گئے ہو۔ یہ ارشاد درست تھا مگر افغانی ذہانت آگے بھی تو استدلال کرسکتی تھی کہ تم ولیعہد کس لیاقت سے ہو اور خود امیر صاحب کس قابلیت سے تخت کے مالک بن بیٹھے ہیں؟ عنایت اللہ خان کا نانا پہلے سپہ سالار تھا۔ اس نے اپنی معمر خیر خواہی سے نصیحت کی کہ لوگوں کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آیا کرو۔ تاکہ تمھاری اطاعت پر دل سے رضامند ہوں، تو جواب دیا کہ بس سپہ سالار مجھے

بچہ سمجھکر اتالیقی نہ کرو۔ اس نے کہا اگر میری باتیں پسند نہیں ہیں، تو یہ لو کلاہ اور یہ کرچ میں سپہ سالاری نہیں کرتا۔ رشید نواسے نے کہا۔ بہت اچھا، تم ایک کُتّے نہ سہی دوسرا سہی!

اس عنایت اللہ خان کا ایک استاد کرنیل محمود سامی تھا جو مے کے بغیر ہی مست ہو سکتا جیسا کسی نے کہا تھا کہ پینے کی کیا ضرورت ہے۔ ذرا سی مونچھوں کو لگا دو مستی میرے اپنے اختیار میں ہے، پھرے نوشی کیساتھ معین السلطنہ کا فوجی معلم ہوا تو نیم چڑھا کریلا بنگیا۔ یہ کرنیل اور محمد نادر خان سپہ سالار مگر انکی پرواہ نہ کرتا اور اپنے مکتب حربیہ کو ڈیڑھ اینٹ کا جدا تنخانہ قرار دیئے ہوئے تھا۔ سپہ سالار کی خواہش تھی کہ عسکریہ میں اصلاح جلدی ہو اور محمود سامی چونکہ ترکی فن جنگ سے واقف تھا۔ پوری مدد سے مگر اس نے لیت و لعل اور بعد میں بے اعتنائی کی۔ مختلف ذمائم کے ساتھ یہ شخص بڑا بخیل تھا اور صرف مکتب حربیہ سے ہی افسر نکالنا چاہتا۔ خالہ بلی کی طرح درخت پر چڑھنے کا ڈھنگ شیر کو نہ بتانا اور سعدی کے پہلوان کی مانند ایک تب اپنے شاگرد سے چھپائے رکھنا تنگ خیال استادوں کا دیترہ ہوتا ہے باوجود اسکے سپہ سالار بعض ہشیار آدمیونکو مقرر کرتے جو درخت پر چڑھ کر دور سے محمود سامی کی قواعد کا ملاحظہ کرتے اور نئی باتیں دیکھکر انہیں عام فوج میں رواج دیتے۔ اپنے اونچے فرض کو ایفا کرنے کے لئے ایسے تنزل پر اترنا یا چڑھنا آسان کام نہیں، مگر مجبوریوں سے گھرے ہونے پر بھی جدید قواعد کو ساری فوج میں جاری کر دیا حتیٰ کہ تصویر دار کتابیں تالیف و طبع کرا کے عسکری تعلیم میں سہولت پیدا کر دی!

جنگ عمومی کے چھڑنے پر جرمن اور ترک افسر کابل میں امیر کو اکسانے کے لئے آ موجود ہوئے امیر تو اپنے عیشوں میں مشغوف تھا اور لڑائیاں پہلی تیاریوں کے ساتھ کامیابی سے لڑی جا سکتی ہیں اور دیکھا جا چکا تھا کہ سمت جنوبی میں تین ہزار فوج کے بھیجنے میں کتنی مشکلیں پیش آئی تھیں اسلئے محمد نادر خان نے موقع کو

غنیمت سمجھکر ترک اور جرمن افسروں سے ضمناً استفادہ کیا۔ جو ان افسروں کی جمعیت تشکیل کرکے انکو فنون حرب سکھلانے شروع کئے جنکا یورپ کی لڑائی میں تازہ عملدرآمد ہوا تھا اس نظری تعلیم کے ساتھ فوج کو بھی نئی قواعد سکھانے مورچے کھدوانے اور مصنوعی لڑائیاں لڑانے کا کام جاری کردیا۔ سپہ سالار صاحب نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ کی اور ہر طرح سے جد وجہد کرکے فوج کو بیدار اور جدید ترین معلومات وعملیات سے آراستہ کرنا چاہا۔ مگر فطری قانون یونہی چلا آیا ہے۔ کہ کام جتنا زیادہ مفید اور جتنا اسکا نفع وسیع ہوگا اتنی ہی شدت اور کثرت سے اسکی مخالفت ومزاحمت ہوگی۔ سپاہی اکثر سن رسیدہ لوگ تھے۔ پلٹن محمدی اور اردل وغیرہ کے بعض سپاہی اپنی سابقہ خدمات کے بل بوتے پر ایسا غرور دکھاتے کہ ان کے اثر سے دوسرے عسکر بھی بگڑتے اور سپاہ میں ربط وضبط قائم کرنا دشوار امر تھا۔ جب چھوٹی عمر کے افسر نئی قواعد سیکھکر اسکا اجرا فوج میں کرتے۔ تو سپاہی بول اٹھتے کہ لڑکیوں کو ہم پر حاکم مقرر کردیا ہے۔ انھوں نے صرف برائے نام صبح کو قواعد کرینکے سوا باقی دن آرام کی عادت ڈال رکھی تھی اور ان کی بابت ضرب المثل ہوگئی تھی کہ سپاہی ایک چڑیا کی مانند ہے جسے اگر مضبوط پکڑا جائے تو چیخ اٹھتی اور سست رکھا جائے، تو اڑ جاتی ہے؛

محمد نادر خان کی کوششوں نے فوج میں شکایت پیدا کردی۔ پہلے تو وہ قیصر جرمنی کو گالیاں دینے لگے جس کا ایک افسر انھیں تکلیف پہنچانے آیا تھا۔ پھر باوجود سلطان روم کی تعظیم کے اُسے بھی کوسنے لگے۔ کیونکہ نان ہنٹنک کے ساتھ کاظم بے بھی تھا۔ جو زیادہ شوق سے فوجی تعلیم دیتا اور عملی کام سکھاتا۔ سپاہی کہتے کہ پنیر کو کیوں برا کہتے ہو، گاٹے کی خبر لو۔ جب دوپہر کو خندقوں کے کام سے فارغ ہوکر آتے تو ان کی رنگین بیانیاں سننے کے قابل ہوتیں، جسے میں نے انھی کی زبان میں ادا کیا تھا ؎

هم سنگر بکن هم جان بکن پیراهان فریمان است — بے چائے و بے کتخ سهی بیادر ملک افغانستان است[1]
از ماکرده خوب بندی خوب است که شسته جائے بجائے — او مرد که خوپوهو که میانِ ارک بندی وان است
تاثیر و استقامت وحدا وارتباط — این لغٹ لغٹ لغت ها بهر ماد بال جان است
گشته بخش ما جنجال کرده مارا در پچپال — آستر دی که سلطانی که جرمنی یا آلمان است
پروائے ما چه دارد ترک سات و باتش همه درست — پالیش سُرخ و نولش سرخ قِرقِر او چالان است

هم پر ارک میں ایک کمپنی مہینہ بھر پہرہ دیتی۔ اس طرح مہینے میں نو سال میں بارہ سو ادر پانچپال میں چھ ہزار سے زیادہ سپاہیوں کے ساتھ پالا پڑ چکا تھا، اگرچہ ابھی اتنوں ہی کے ساتھ اور واسطہ پڑنے کو تھا۔ ایک جدیدی سپاہی ہماری خدمت کرنے کے التزام میں مارا گیا۔ محمد نادر خان پر عتاب ہوا، کہ تمہاری غفلت سے پہرہ دار محبوسوں کے ساتھ اختلاط کرتے ہیں۔ بجائے ماہوار تبدیل ہونے کے اب ہر روز نئے سپاہی آنے لگے اور ہمارے دروازے بھی بند رہتے۔ شہر میں وبائے ہیضہ نازل ہوئی جو بلا ہے مگر ہمارے لئے برکت ہوئی کیونکہ امیر ڈرا کہ بند ہوا سے کہیں کوئی بندی مبتلائے مرض نہ ہو جائے۔ اور ہمارے اور اُسکے درمیان چند عمارتوں ہی کا فاصلہ تھا؛

محمد نادر خان نے باوجود معتوب ہونیکے اپنی دلی ہمدردی کو ہمارے معاملے کی اصلاحی کیفیت کی وجہ سے

---

[1] فریمان۔ فراوان؛ کتخ۔ سالن؛ بیادر۔ برادر؛
مورچے کنی اور جانکنی ایک چیز ہے۔ کیوں؟ روٹی بہت ہے۔ بغیر چائے اور بغیر سالن کے سہی کیونکہ بھائی افغانستان کا ملک ہے (یہ تعجب کے مقام پر استعمال کرتے ہیں کہ افغانستان میں غیر معقول باتیں ہوتی ہیں) ہم سے تو قیدی بہتر ہے جو اپنی جگہ پر تو بیٹھا رہتا ہے۔ وہ شخص تو کیا اچھا ہے جو ارک میں جیل رہے؛ لغٹ موٹے کو کہتے ہیں۔ جنجال در پچپال جھگڑے بکھیڑے میں پھنسنا؛ سات و بات ساز و سامان قِرقِر چکودر کا بولنا اور اُسکی نوک اور سینے سُرخ ہوتے ہیں (کابل میں ضرب المثل ہے)۔ چالان۔ جاری؛

جاری رکھا، موقع پاکر حضور میں عرض کیا کہ ارک میں سپاہیوں کے لئے جگہ نہیں رہی کیونکہ کئی برس سے بندیوں نے اُن کے کمرے روک رکھے ہیں۔ انکا منشا یہ تھا کہ شاید اس بہانے سے ہماری رہائی کی صورت بندھے۔ مگر حکم یہ ہُوا کہ ہم کو شہر کی کسی سرکاری عمارت میں منتقل کردیا جائے۔ وہاں سال بھر کوتوالی کے سپاہیوں کے ساتھ علاقہ رہا اور انکو بھی قواعد اور نئے سبقوں کے بارے میں متفق پایا بلکہ اُن کی وضع سے معلوم ہوتا کہ اپنے خیر خواہ اور مصلح کے ساتھ آخری درجے کی دشمنی کرنے پر آمادہ ہیں۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ۔ جہاں تک مجھ سے ہوسکے میں صرف اصلاح چاہتا ہوں۔ اسکے جواب میں یہی ہوتا رہا ہے کہ جو بہبودی اور ترقی چاہتے اُنہی کے ہاتھوں سے جنکی رفاہ و عزت کا ارادہ رکھتے مصیبت زدہ ہوتے، مگر بعد میں معاملہ برعکس ہوتا۔ اِسی فوجی بہتری کی وجہ سے جو عام شکایات پیدا ہوئیں انہی پر مبنی تھی وہ حماقت بھری خصومت جسکے سبب سپہ سالار مع اپنے بزرگوں اور خوردوں کے امیر حبیب اللہ خاں کے قتل ہونے پر سپاہ کے پنجے میں گرفتار ہو گئے۔ اور جب اُن کو پابزنجیر جلال آباد سے کابل کی طرف لارہے تھے تو سپاہی اُنھیں قواعد کے سبقوں کا طعنہ دیتے تھے ؛

میں ایک بندی کی عاجزانہ حیثیت میں فوج کی مخالفت محسوس کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ سپاہیوں کے سبق آسان کر دیئے جائیں اور بجائے ان مشکل عربی الفاظ کے جو ترکی میں مروج ہیں وہ سہل کلمے استعمال کئے جائیں جو کابل میں بولے جاتے ہیں مگر دنیاوی جاہ و مرتبت کا فقدان جسکا مظہر بندی سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہوتا کسی معقول اور اہم امر کو بھی فضول دکھاتا ہے۔ بلکہ اُس کی رسائی اور شنوائی منزل مطلوب تک دونو محال ہیں۔ ایک اسیر خواہ شخص ہو یا قوم اختیار و اقتدار اور ہر تمنا و آرزو سے پرلے درجے محروم ہوتا ہے۔ اپنی استطاعت کے بموجب پھر میں نے کشش اور کوشش سے ایک نظم لکھی تاکہ اُسے حفظ کرتے

ہوئے سپاہی نثر کی دُکنی سختی سے بچیں، اور ساتھ ہی بوستان سے کچھ شعر عسکری جدّت سے بھرے اقتباس کرکے ملا دیئے تاکہ قدامت کی حرمت سے نئی قواعد کو بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھیں۔ پھر ناظرین کے تفنّنِ طبع کو ملحوظ رکھکر نمونے کے طور پر اس میں سے کچھ شعر درج کرتا ہوں:۔

بقرآنِ فتح و ہدایت نشان
اَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ[1] بخوان

مظفر بُدہ چند گردیم چون
مقابل بود قومِ لَا يَفْقَهُونَ[2]

بشرطیکہ باشیم خود ماہران
قواعد شناس و رہِ جنگ دان

ہمیں است فقہِ عساکر درست
مسلماں چو باشیم راسخ نخست

بنائے نظام است وضعِ اساس
شود راست عسکر ز پا تا براس

گُرِی[3] ہر دو بستہ سر ہر دو پا
برابر باندازۂ پائے وا

بزانو شخی[4] راستہ تن ات
کشیدہ بہ پیش اندکے سینہ ات

---

[1] جہاں تک ہو سکے قوت اور گھوڑوں کے رسالے تیار کرو۔ قوت کو حدیث میں نشانہ لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ؛ [2] ترجمۂ آیت۔ مسلمان وہ چند مقابل پر غالب آئینگے کیونکہ دشمن ایسی قوم ہیں جو نہیں سمجھتے اسلئے لازم ہے کہ مسلمان سمجھیں یعنی مسلمانی کے علاوہ فنِ حرب کو جانیں؛ [3] گُرِی۔ کُھری سے لیا گیا۔ کابل میں ایڑی کو کہتے ہیں؛ [4] شخ۔ اکڑا ہوا +

بیاویز دستِ تو در حالِ آں | سرِ نیچہ تا بند چسپاں براں
بدر زیرِ ازارِ تو بیرونِ ران | بچسپیدہ کلکِ میانہ بآن
بآرنج خصم گردنت پاک مو | میانِ دو شانہ نظر روبرو
خمیدہ زنخ[1] نرم سوئے یخن | برابر بصر دو قدم بارِ تن
بدل حبِ دین و وطن جاگیر | بسر ہوشیار و فدائے امیر

نظام است دو نزدِ اہلِ ہنر | یکے جمع و تیت[2] است قسمِ دگر

ضروری بدانید تاثیر را | در آرید دشمن پیا پے ز پا
کہ مقصد ز جنگ است قتلِ عدد | اگرچہ بدست آید آں روبرو
تستر[3] بود بعدِ آں لازمی | کہ تاثیر گیرو ز وے خادمی
سلامت بمانی بجائے نہاں | ز اعدا کنی جوئے خوں را رواں
ز تاثیرِ معنیٰ است اودر[4] ہلاک | تستر نہفتن بلا خوف و باک
بگیرید موضع ز روئے دو سر | ز تاثیر اول تستر دگر

تعرض بود پیش رفتن شتاب | بقوت سرِ خصم خانہ خراب

---

[1] زنخ - ذقن یعنی ٹھوڑی [2] تیت - بکھرا - پھیلا ہوا [3] تاثیر و تستر وغیرہ مشکل الفاظ سپاہیوں کو بتائے جاتے تھے [4] اودر - آتش گولی

ہجوم است با برچہ[۱] حملہ اخیر	کہ دشمن بگردد قتیل و اسیر
بجز ایں دو صورت نمانید تا	نیارد فرارش پس او را بجا
میفتید ماندہ ز تعقیب شے	نیرزد و گرنہ ظفر ہیچ شے

شروعِ تعرض بشب میکنند	کہ پیش از سحر خوب سنگر کنند
نمائید در صبح زورِ ہجوم	برانید از جائے اعدائے شوم
چو غالب زیاد آتشِ ما بود	کمک بہر مایا فراواں شود
بدشمن رسیدہ است یا بس زیاں	بروز راست واجب ہجومے براں
فرائض چہار است بر استناد	بامداد کردن دلِ فوج شاد
بہر سُو فرستادن کاشفاں	خبر تا رسد از حریف و مکاں
پس و راست و چپ چو دشمن رسید	بدفعش نمودن مساعی مزید
بطرزِ نکو شوق دادن بجنگ	الا شیر مردانِ میدان ننگ
اگر فتح گردید عزّ و شرف	بدستِ شما آید از ہر طرف
دگر کشتہ گشتید رُوحِ شما	بآرامِ جنت شود بر ملا
[۲]خوے شہ دہ ڈکہ پہ دینہ سرہ	ولشتہ خولہ دی نہ خولی سرہ

حوالدار قابل بود ایں چنیں	کہ چشمش بود تیز بر دُور بیں

---

[۱] برچہ۔ برچھہ۔ سنگینِ بندوق۔ [۲] سُرخ لہو سے مُنہ بھرا بہتر ہے نہ کہ گریز کا پسینہ ٹوپی کے ساتھ لگا ہو۔

شناسد مسافاتِ خورد و کلاں — ز وسطےا کہ واقع شدہ بین آں
ادارہ کند نیک نفریش را — شود خوب جاری از و حکم ہا
بحالِ جبا خانہ وارد نظر — کہ از دخل و خرجش بود باخبر
ببیند بسرعت شود اورِ ما — نشاں راست بدہد نشانگاہ را
بتقسیمِ آتش شود علم او — کہ بسیار کشتہ شود زاں عدو

(۶)

امان اللہ خان اور محمد نادر خان میں بنائے اختلاف

امان اللہ خان نے تجدد اور ترقی کے جوش میں ہر طرف ہاتھ پاؤں مارے مگر ایک طرف بھی تتمیم اور کامیابی حاصل نہ کی، دفعتہً کیا نظر آتا ہے کہ تین چالیس اطالوی جیسا کہ انکا قومی خاصہ ہے کابل میں اٹھلاتے اور چلاتے پھرتے ہیں، کچھ تو ریشمی کیڑے کی پرورش کیلئے بلائے گئے ہیں بعض پل بنانے اور باقی متنوع کاموں کے واسطے محمد نادر خان وزیراول ہیں اور اعلحضرت کے غیاب میں کیں بادشاہی بھی۔ ان سے ذکر آیا۔ تو فرمانے لگے۔ کہ مجھے بالکل معلوم نہیں، کن کاموں کے لئے طلب کئے گئے ہیں۔ آپ کی عادت اوچھوں کی طرح شکایت کرنیکی نہیں تھی۔ اور امان اللہ خان کے ساتھ عقیدت کے سوا کسی اور وضع کا اظہار روا نہ رکھتے پھر بھی اپنی بیخبری پر افسوس ظاہر کیا اور اتنا کہا کہ اجنبی لوگ بڑی بڑی تنخواہوں پر بغیر مشورے کے استخدام کئے جاتے ہیں اور دو تین سال کی قرارداد پورا کر کے بلا کوئی کام سرانجام دیئے واپس چلے جاتے ہیں کیونکہ ان کی تمہیدی اور لازمی اشیاء مہیا نہیں کیجاتیں اور جبتک وہ بہم پہنچائی جائیں ان کی میعاد ملازمت ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سب اطالوی مفت مشاہرات لیکر بغیر کوئی کام کئے چلدیئے۔ اور انہوں نے اپنے ملک میں جا کر افغانستان کی کوتاہ اندیشی اور بدانتظامی پر بیسیوں مخالفانہ مضامین اخباروں میں شائع کئے جنکی تردید میں افغانی سفیر مقیم روما کو بہت مشکلات کا سامنا ہوا۔ فی الواقع ایک پل نہ بنا، ایک کان نہ کھودی گئی اور ایک تار ریشم کی نہ تنی نہ بنی گئی۔ امان اللہ خان نے بڑی امنگ میں بجٹ کیوقت اعلام کیا تھا کہ اسی سال چالیس لاکھ روپیہ ریشم سے حاصل ہوگا۔ لیکن باما نیکہ نتیجہ اور ثمرہ خالی

آرزوؤں سے ہاتھ نہیں آتا۔ جب ریشم کے کیڑے خوراک مانگتے تھے تو اسوقت پشاور سے چھکڑے کہستان کیطرف توت کے پتے لینے جاتے تھے۔ اور انکے لئے ٹٹیاں بھی تیار نہیں ہوئی تھیں اسلئے پہلے سال ہی علاوہ کئی لاکھ روپیہ خرچ ہونیکے ان کیڑوں کا تخم ہی مارا گیا۔

ہاں ایک اطالوی انجنیئر نے شہر کے تمام بازاروں کو کھدوا کر گندہ پانی باہر نکالنے کے لئے ایک نالہ تیار کیا جسکا نشیب دریا کی طرف جاتا تھا۔ درحقیقت یہ بڑا مفید کام تھا کیونکہ پہلے متعفن پانی اندر ہی جذب ہونے سے کئی طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی تھیں۔ مہینوں کی آمد و رفت مسدود ہونے کئی باربرداری کے جانوروں اور دکانوں کے گرنے کے بعد جب نالے کا منفذ دریا میں نکلا تو اسکی تہہ میں اترا جسکا مطلب یہ تھا کہ بارشوں کے موسم میں جب دریا چڑھے اور شہر کا پانی اسمیں جانے لگے تو یہی لوٹ کر اسکو غرقاب کر دے، ہر کوئی اس خطرے کو محسوس کرنے لگا۔ انجنیئر کی میعاد ملازمت ختم ہوئی اور وہ بغیر کوئی چارہ دکھائے کابل کو پانی کی نذر کرکے اپنے آتش فشانی ملک میں جا بیٹھا۔

بیشک اس سڑک کے ایک طرف جو جادہ نادر خان کے نام سے موسوم کیگئی تھی ایک جرمن انجنیئر نے بڑا مضبوط اور عالیشان پل بنایا، اور وہ اسی کے اسم پہ یاد ہوتا ہے۔ امان اللہ خان کی جو تجویزیں انجام کو پہنچتی تھیں یہ انکی ایک مثال ہے۔ بہیں گندگیس اور کسی کو پل پیدا کرنے میں کامیابی نہوئی کہ یہ پل کس غرض کیلئے تعمیر کیا ہے۔ شہر سے چاردہی کو دو سڑکیں جاتی ہیں۔ ایک باغ بابر اور دوسری دارالامان کیطرف اور دونو جگہوں کے لوگ شہر کے دو حصوں میں جانے کیلئے شاہ دو شمشیرہ کے پل سے عبور کرتے ہیں جو پہلے سے تیار تھا۔ اس سے آگے ایک لکڑی کا پل ہے جس پہ سے گذر کر شہر اور باغ بابر کی جانب کے مزدور مشین خانے میں جاتے ہیں۔ اس کو سرکار نے متروک کر دیا لہذا لوگ خود تختے لاکر سٹر ڈالتے کیونکہ یہ بڑا کارآمد تھا۔ نیا پل

اس سے تقریباً فرلانگ بھر دور اور محض بیکار اور عبث پڑا تھا، اپنی خود رائی اور بغیر کسی دور اندیش شخص کی صلاح کے کام کرنے سے ایسے ہی غیر مفید بلکہ مضر مصارف ہوتے جنمیں سے بعض بڑے ہولناک نتیجے بھی دے کر رہے ؛

افغانستان میں لشکر کو کھانا دینا لڑائی کے اثنا میں ایک خاص اور مشکل کام تھا، کیونکہ ایک بار ہی بغیر پہلی عادت اور تجربے کے بعض آدمیوں کے سپرد رسد رسانی کیجاتی۔ عسکر اپنی تنخواہ میں سے رُوکھی سُوکھی روٹی کھاکر باقی روپیہ اپنے گھر بھیجدیتے جسکی وہاں البتہ ضرورت ہوتی۔ جب جنگ چھڑتی تو وہ اپنا اہتمام خود بھی کرسکتے اگرچہ سرکار کیطرف سے پوری مدد ملتی، سمت شمالی میں جسے بچہ سقا اور سید حسین نے سمت شاہی کہلوایا تھا' پہلے بھی ایک قسم کی بادشاہی قائم ہو چکی ہے جسکا سکہ ایشان غلام قادر نے چلایا تھا ؎

میسکنم دیوانگی تا بر سرم غوغا شود سکہ بر زر میزنم تا صاحبش پیدا شود

وہاں توت بہت ہوتے ہیں اور اخروٹ بھی۔ زیادہ خشک توت اور کچھ اخروٹ کا مغز کوٹ کر انہیں آٹے کی شکل میں بنا لیتے اور تلخان کہتے اسے شکیزوں میں بھر کر ایک آدمی دس بارہ دن کی خوراک لڑائی کے دوران میں اپنے کندھے پر ڈالے پھرتا۔ جب کابل میں انگریزوں کا دور دورہ ہوا تو یہ لوگ مطیع نہیں ہوئے تھے۔ انکو لکھا گیا کہ دولتِ برطانیہ کی عظمت و ہیبت سے ڈرو اور تابع ہو جاؤ۔ انہوں نے جوابدیا کہ دولتِ تلخانیہ کسی سے خوف نہیں کھاتی اور خود مختار ہے ؛

امان اللہ خان نے ان قدیم رواجوں کی بجائے موجودہ زمانے کے مطابق فوج کو کھانا دینے کی تجویز عمل میں لانے کی ٹھانی۔ محمد نادر خان وزیر حربیہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ ملت اس کام کیلیے ہرگز تیار نہیں۔ وہ امیر عبدالرحمن خان کے عہد سے فوجی مناصب کے مختلف مدارج طے کرنے کے بعد سپہ سالار ہوئے تھے انکو افسروں

اور سپاہیوں کے حالات سے آگاہی تھی اور جانتے تھے کہ سرکاری کھانے میں کیا کیا غبن اور نقصانات ہونگے۔ افغانستان میں جیسا قدیم اقوام کا خاصہ ہے اور جسے علم تمدن بدویت قرار دیتا ہے مہمان نوازی صفت سمجھی جاتی ہے اور تنہا خوری عیب۔ اگر ایک معمولی افسر بھی ہو اور یہی حال حاکموں کا ہے تو اسے اپنے اردلی یا نوکر کو روٹی دینی پڑتی ہے کھانیکے وقت اُسکے دسترخوان پر جو کوئی بھی آئے بیٹھ جاتا ہے اور ہاتھ نہ بڑھائے تو میزبان اور مہمان دونو کیلئے قبیح سمجھا جاتا ہے۔ فَلَمَّا رَاٰ اَیْدِیَھُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْہِ نَکِرَھُمْ (جب حضرت لوطؑ نے مہمانوں کو دیکھا کہ اُنکے ہاتھ کھانیکے طرف نہیں اٹھتے تو ان سے جھجکے) چائے کا دور تو افسروں کو ہر دم جاری رکھنا پڑتا ہے اور حقہ اور یہ دونو بمشکل اُنکی تنخواہ سے چل سکتے ہیں، چونکہ اُن کی اور حاکموں کی تنخواہیں بہت تھوڑی اور محدود ہوتی ہیں اس خوان یغما کو برپا رکھنے کے لئے لاجرم رشوت کی طرف رُخ کرنا پڑتا ہے۔

محمد نادر خان اور اُنکے خاندان کے سب ارکان نے اپنی بدنامی کی پرواہ نکر کے لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ اس قاعدے سے انحراف کر رکھا تھا۔ انکے اخراجات اعتدال و انضباط سے ہوتے تھے۔ اس روش سے جہاں بعض لوگوں کی مذمت قبول کی جو حرام و حلال کی تمیز کے بغیر حاتم طائی کے اندھے پیرو تھے، وہاں معقول اشخاص کی مدحت بھی حاصل کی کیونکہ رشوت ستانی سے قطعی بریت پائی۔ وہ جانتے تھے کہ انکا گھرانہ اس معاملے میں استثناء ہے اور دیگر افسر اسے بُرا مانتے ہیں۔ اور نا مذہبی کی شہرت کمانیکے لئے کسی طرح کے ناجائز عمل سے پرہیز نہیں کرتے۔ جب کھانا سرکاری ہوگیا تو انہیں نہ صرف اپنی عزت کی توسیع کیلئے ایک نیا دسترخوان مُفت بچھا بچھایا ہاتھ آئیگا بلکہ غبن و خیانت کے موقعے بھی ملینگے۔

دوسری طرف سپاہیوں کی یہ حالت تھی کہ چند آدمی اکٹھے ہوکر جنہیں ہانڈی وال کہتے ہیں اور یہ عوام کے محاورے میں رفیق کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، کھانے میں شرکت کر لیتے۔ آٹا اکٹھا خرید کر خود گوندھتے

اور روٹی پکاتے جسمیں نمک ڈال کر صبح تو روکھی کھالیتے اور شام کو بیاوہ پکالیتے جسے شرمندہ شوربا بھی کہتے ہیں دُنبے کی چربی میں پیاز، آلو بخارا، نمک، سیاہ مرچ اور بہت سا پانی ڈالکر روٹی کے ٹکڑے کر کے اسمیں بھگوتے جاتے ہیں۔ ہفتے میں ایک دو دن گوشت اور موٹے چاول بھی کھاتے۔ ایندھن چھٹی کے دن جنگل سے پہاڑوں سے یا باغوں سے جڑیں اکھاڑ کر مہیا کر لیتے، جیسا کہ بعض لوگوں کا پیشہ بھی ہے۔ اس طرح اپنی تنخواہ سے کچھ روپے بھیجکر بڑھیا ماں یا دست نگر باپ، بیوی اور محتاج رشتہ داروں کی لازمی مدد کرتے۔ سرکاری کھانا ان سب ضرورتوں اور رواجوں کو درہم برہم کرتا تھا اسلئے سپہ سالار غازی نے مخالفت کی۔ شہر میں مشہور ہوگیا کہ انہوں نے اسی بات پر استعفےٰ دیدیا۔ عام رائے انکی طرفدار تھی بلکہ وہ مخالفت جو امیر حبیب اللہ خان کے عہد میں سپہ سالار صاحب کی فوجی اصلاحات سے سپاہ کے دل میں بیٹھ گئی تھی، اس سے برطرف ہوگئی۔

افسر البتہ امان اللہ خان کے ہوید تھے اور ویسے بھی بلا سبب ہوتے اب تو ذاتی منافع شامل تھے الغرض یہ کام شروع ہوگیا۔ چند برسوں میں فوجی منصبداروں نے شہر میں محل تیار کر لئے۔ عبدالعزیز خان وزیر حربیہ بیان کرتا تھا کہ ایک دن باورچیخانے میں گیا تو دیگوں میں پانی اُبل رہا تھا مگر چاول بالکل موجود نہیں تھے۔ طرفہ یہ کہ وزیر صاحب نے کوئی باز خواست کرنے کی بجائے اپنے ماتحت افسروں کی شکایت محض حکایت کے طور پر بیان کی۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انضباط کی سستی اس حد تک بڑھ گئی تھی۔ کہ ظلم کا احساس بھی نہیں رہا تھا۔

ایسی فوج جلال آباد کی طرف کیا لڑتی جو امن کی حالتمیں بھوکی رہ کر حمیت اور خیر خواہی حکومت کے جذبات ضائع کر چکی تھی۔ ایسے افسروں کی اطاعت میں کیسے موت کے منہ میں جاتی جو انہیں بھوکا رکھکر پہلے

ہی مار چکے تھے۔ پھر بھی انہوں نے بڑی ثابت قدمی اور فداکاری دکھائی جس پر تعجب آتا ہے۔ کوہ دامن اور کوہستان کے سپاہی جو کابل میں تھے اپنے گھروں ہی میں رہتے اور کپڑا بُنتے یا انگور شہر میں لا کر بیچتے۔ افسر اُن کی روٹی کے پیسے خود جیب میں ڈالتے اور اُنکو حاضر لکھتے۔ یہ حاضر سپاہی جن کی تعداد دو تہائی کے قریب تھی، بچہ سقا کی طرف سے آکر لڑے۔ وہاں سید حسین کے ضابطے کی یہ کیفیت تھی کہ چاریکار سے کابل تک بتیس میل کے سلسلے میں رسد کا تانتا بندھا تھا۔ کشمش۔ بیدانہ، اخروٹ اور بھنے ہوئے مرغ روٹیوں میں لپٹے سنگروں اور مورچوں میں پہنچتے اور جب بچہ سقا بارہ دن کے مقابلے کے بعد واپس چلا گیا تو ان چیزوں کے ڈھیروں کے ڈھیر باغ بالا میں پڑے تھے اور امان اللہ خانی سپاہی انہیں دیکھتے تو لامحالہ متحسر اور شکستہ دل ہوتے کہ ڈاکوؤں نے یہ فراوانی اور حکومت نے فاقے کے سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ حالانکہ پہلے زمانے میں ایسے مواقع پر اچھی سے اچھی اور بُری سے بُری چیزیں بھی بہم پہنچائی جاتیں تاکہ فوج کسی نہ کسی طرح خوش ہو کر لڑے چنانچہ چرسیوں کے لئے چرس اور افیونیوں کیلئے افیون منوں موجود ہوتی۔ اب وزیر مالیہ نے رسد رسانی کا اپنی گرہ سے ذمہ لیا۔ بادشاہ نے قبول کیا مگر یہ نہ دیکھا کہ اسکو خزانہ کہاں سے ملا۔ اسکا باپ ایک معمولی آدمی تھا اور یہ پچھلی سلطنت میں ایک دفتر کا سرکاتب (ہیڈ کلرک) رہا اور اب وزارت کی حیثیت میں اکھزار روپیہ کابلی تنخواہ لیتا جس سے وزیر معارف اور وزیر تجارت اپنا ہی خرچ نہیں چلا سکتے تھے۔ پھر بیشمار موٹر ولاریوں اور یہ فوج کو کھانا دینے کی استطاعت کہاں سے آگئی۔ پہلے جب مہند سمت جنوبی کی بغاوت کو فرو کرنے کیلئے بلائے گئے تو ڈھائی ہزار آدمی کو چند گھنٹوں کی مہلت پر مکلف کھانا دیا۔ یہ تو مصیبت کا وقت تھا جب امن ہوا تو اُس وقت بھی حکومت نے چھان بین نہ کی۔ کہ یہ روپیہ کہاں سے آیا تھا۔ البتہ امان اللہ خان نے اپنے بہت سے اعلانوں میں یہ بھی کہا تھا کہ آئندہ رشوت کے متعلق تحقیقات ہوا کرینگی تو وزیر مالیہ نے

کسی موقعہ پر سُنا دیا کہ میرا گھر اور دوسری عمارتیں سب جارث کیلئے ہیں، جب حکومت چاہے میں نذر کرنیکو تیار ہوں۔ مگر اسے خوب معلوم تھا کہ امان اللہ خان نے عُمدہ تجاویز کی ابتدا کرکے کسی کو بھی انتہا تک نہیں پہنچایا ہے۔

یہی گت فوجی کھانے کی ہوئی۔ پانچ چھ سال میں بھی اسے تکمیل کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہُوا۔ سپاہیوں کو امن میں بھی پیٹ بھر کر کھانے کو نہ دیا۔ پھر ان میں اور انکے افسروں میں جیفۂ دنیا کو استخوانِ نزاع بنایا۔ محمد نادر خان نے باصرار عرض کیا تھا کہ ملک اس اصلاح کیلئے تیار نہیں ہے۔ انھیں یورپ بھیجدیا تاکہ وہاں سے نئی چیزوں کا شوق پیدا کرکے واپس آئیں حالانکہ امان اللہ خان کی نسبت وہ ہندوستان میں پرورش پاکر فوجی کھانوں سے زیادہ باخبر تھے جو انگریزی لشکر میں دئیے جاتے ہیں۔ مگر اپنی عقل و تدبیر سے جانتے تھے کہ افغانی عسکر میں کونسی اصلاحات مناسب ہیں۔ فی الحقیقت امان اللہ خان کا مطلب یہ تھا۔ کہ وہ اکیلے جدید امور کو ملک میں تدریج دیگر دنیا کو جتلا سکیں کہ میں سب کام کر رہا ہوں اور اگر محمد نادر خان اور انکا خاندان نہو تو میں جس سے چاہوں ویسا ہی کام لے سکتا ہوں۔ امان اللہ خان نے انانیت اور نیز اشتباہ وحسد سے کہ محمد نادر خان کی شہرت اور نیکنامی داخل و خارج میں بہت بڑھ گئی ہے۔ اور انکی عظمت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ اسکے بعد وزارت ختم ہوتی اور بادشاہی شروع ہوتی ہے انکو فرانس بھیجنے کا فوری عزم کر لیا۔

(۷)

نادر خانی خاندان اور ہندوستان

وزیر پائندہ خان اعلیحضرت محمد نادر خان غازی اور امان اللہ خان غازی کا مشترک مورثِ اعلیٰ تھا جسکے نام کے سکے اب تک پائے جاتے ہیں ؎

سیم و طلا بشمس و قمر میدہد نوید — وقتِ رواج سکہ پائندہ خاں رسید

اسکے بیٹے شجاعت، شہامت اور حکومت میں نہ صرف افغانستان بلکہ دنیا کی تاریخ میں بے مثل حیثیت رکھتے ہیں اگرچہ کچھ مشابہت برامکہ کے ساتھ ہے وزیر فتح خان تو فی الحقیقت بادشاہی کرتا تھا مگر اسکے بھائی بھی اپنی اپنی جگہ کم نہیں تھے۔ سردار محمد عظیم خان کشمیر میں حکمرانی کرتا تو سردار سلطان محمد خان پشاور میں جس لئے اسکی اولاد کو پشاوری سردار کہنے لگے انکا تعلق سکھوں کیساتھ بھی رہا۔ سردار سلطان محمد خان کے بیٹے بھی بہت نامدار اشخاص ہوئے جنمیں سے ایک سردار عبد القدوس خان اعتماد الدولہ امان اللہ خان کے برائے نام صدر اعظم بھی تھے انکے دوسرے بھائی سردار یحییٰ خان اور سردار زکریا خان تھے۔ جب انگریز افغانستان میں داخل ہوکر لوگر پہنچے۔ تو امیر یعقوب خان خوشی میں انکے پاس جا حاضر ہوا اور حراست میں رکھا گیا۔ سرداران موصوف نے خوانین کیساتھ متحد ہوکر انگریزوں کیساتھ لڑنیکا ارادہ کیا۔ دوسرے خانوں اور سرداروں کو شک پڑ کر انکے بکھر جانیکا باعث ہوا اب ناچار یہ دونو سردار بھی لوگر پہنچے اور وہاں سے امیر کی معیت میں ہندوستان لائے گئے۔

سردار سلطان محمد خان امیر کبیر دوست محمد خان کے بھائی تھے۔ انکے بیٹے سردار یحییٰ خان کی

شادی وزیر اکبر خان کی بیٹی کے ساتھ ہوئی جس سے سردار محمد یوسف خان متولد ہوئے اس سے انکی نجابت تمام شاہی خاندان میں دوبالا ہوگئی۔ سردار محمد یوسف خان کے بیٹے اعلحضرت غازی محمد نادرخان ہیں۔ جو ڈیرہ دون میں پیدا ہوئے۔ انکی عمر اسوقت پچاس کے قریب ہے جسمیں سے تقریباً آدھی ہندوستان میں گذری۔ چونکہ سردار محمد یوسف خان اور انکے بڑے بھائی سردار محمد آصف خان بہت ملت دوست اور وطن خواہ مسلمان تھے انھوں نے اپنے فرزندوں کو اس امید پر کہ جلدی افغانستان واپس جانا ہوگا سکول میں داخل نہیں کیا اور اسمیں یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں بالکل ہندوستان سے مانوس ہوکر اپنے وطن کو بھلا ہی نہ بیٹھیں، جیساکہ دوسرے فراریوں کی اولاد پر یہ گمان ٹھیک نکلا۔ نیز اُن کو دین کا لحاظ تھا۔ کہ مبادا نئی تعلیم سے اسمیں بھی کوئی رخنہ پڑجائے۔ اسلئے گھر ہی میں انکے لئے معلم مقرر کیا البتہ سہارنپور کے علما کی صحبت نے ایک طرف اور منصوری میں انگریزوں کی ملاقات نے دوسری جانب اس خاندان کے افراد پر شرق وغرب کا معتدل اثر ڈالا۔ سوائے جنگلوں اور پہاڑوں میں سیر و شکار کے جس سے اپنی صحت و قوت قائم رکھتے ان کو اور کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ قبیح عادات اور بُرے اطوار سے اُن کو نفرت دلائی جاتی۔ اہل و صالح اشخاص کی مجلس کے سوا اور کسی تماشہ ناٹک اور ناچ وغیرہ میں جانیکی انکو سخت ممانعت تھی۔ اسی معقول اور مقبول تربیت کا نتیجہ ہوا کہ اس خاندان کے سب اعضا رشد و ہدایت کے پتلے ہیں۔ اور کوئی معیوب شوق اور بُری خصلت انمیں پائی نہیں جاتی۔ بخلاف بعض اور فراریوں کے جنھوں نے تعصب کی وجہ سے انگریزی تعلیم تو حاصل نہیں کی، مگر ساتھ ہی عیش و عشرت میں ماہر ہوکر آئے اور جنھوں نے انگریزی تعلیم پائی۔ وہ تو اکثر ہندوستان ہی کے ہو رہے اور افغانستان کو اپنا وطن سمجھنا ہی چھوڑ بیٹھے ؎

چونکہ موجودہ بادشاہ، صدر اعظم اور اکثر وزراء ہندوستان میں متولد اور تربیت یافتہ ہوئے۔ افغان

انکو ہندوستانی سمجھتے اور دوالخور کہتے اور جیسا کہ کمزور طبائع کا قاعدہ ہے کہ کثرت سے دب کر اپنے دلی خیال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ زلزلے کے اثنا میں ایک مسلمان کلمہ پڑھتا ہندوؤں کے بازار سے گذر رہا تھا جو رام رام پکار رہے تھے۔ اُسکے مُنہ سے بھی یہی نکلنے لگا۔ برخلاف اسکے نادرخانی خاندان علانیہ اہلِ ہند کے ساتھ محبت و ہمدردی کرتے رہے ہیں۔ سخت حیرت و حسرت کا مقام ہے کہ ہندوستان کے بعض سمجھدار اور روشن خیال اصحاب بجائے، ان پر فخر و ناز اور انکے ذریعے سے دونوں ملکوں میں اتحاد قائم کرنے کے انکی مذمت کرتے اور محلی حالات افغانستان سے بےخبری کے سبب ان پر الزام دیتے ہوئے امان اللہ خان کی تعریفوں کے پُل باندھتے ہیں۔ حالانکہ وہ محمد نادر خان کے معاملہ میں سنگین مُجرم اور ہندوستانیوں کو حقارت کرنے کی وجہ سے گنہگار ہیں۔ مظلوم کی طرفداری اور ایسے ظالم کی مخالفت جو تمام ہندوستانیوں کی توہین و استہزا کرنیکا ارتکاب کرتا رہا ہو، حمیت اور غیرت کا تقاضا ہے۔

جب بہت سے ہندی مہاجروں کو امان اللہ خان نے اخراج کا حکم دیا تو محمد نادرخان کابل میں نہیں تھے سخت افسوس کرنے لگے اور بعض کی قیمتی خدمات کی حق تلفی پر جو انہوں نے مختلف موقعوں پر ایفا کی تھیں۔ ہاتھ ملتے رہ گئے پھر بھی ہر ممکن طریقہ سے انکی امداد کرتے رہے۔ جب ہندی معلم بغیر کسی ظاہری سبب کے موقوف ہوگئے تو مکتب ملی میں بعض کو محمد نادرخان نے اپنی زمین کی آمدنی پر رکھ لیا۔ غرضیکہ انکا خاندان ہندوستانی بیکسوں کا ملجا و ماوا تھا۔ انکے والد، چچا اور بھائی ہندوستانیوں کو بیٹا اور بھائی کہکر پکارتے اور دلی محبت کا قولی الفت اور عملی معاونت سے ثبوت دیتے۔ ایک تعلیمیافتہ افغان نے محمد نادرخان کے سامنے کہا کہ ہمکو ہندی معلموں نے کافی تعلیم نہیں دی۔ اور حریت نہیں سکھائی تو آپنے ڈانٹ کر کہا کہ تمہارے اپنے اخلاق کا قصور ہے ورنہ یہی لیاقت اور یہی حریت کی خواہش اور کس نے تمہیں بتائی ہے۔

محمد نادر خان اور انکے سب رشتہ دار اردو بولتے اور اسکو پسند کرتے ہیں حتیٰ امیر حبیب اللہ خان کے عہد میں جب مکتب حبیبیہ کی بناپڑی تو آپکے والد ماجد اور عم محترم اسی زبان کو تعلیم کا توسط قرار دیتے تھے کیونکہ معلم صرف اردو کو سمجھنے اور بولنے والے تھے۔ اور آئندہ ہندوستان میں بھی اعلیٰ تعلیم کے حصول میں سہولت ہوسکتی تھی۔ افراط و تفریط سے امان اللہ خان نے اردو کو پس پشت ڈالکر ترکی کو یورپین السنہ کے مساوی مکاتب میں رتبہ دیا۔ اور اسکی تعلیم مکتب ستورات میں لازمی ٹھیرادی حالانکہ افغانستان میں نہ صرف ترکی بولنے کا اتفاق کم پڑتا ہے بلکہ اسکے اخبار اور کتابیں بھی کمتر دستیاب ہوتی ہیں برخلاف اردو کے جسمیں تکلم کا ہر وقت موقعہ ہے اور کتب و جرائد بھی کثرت و تازگی سے میسر ہوتے ہیں۔

نیا خاندان شاہی اردو بولنے والوں کیساتھ خاص رغبت رکھتا ہے اور مستثنیٰ طور پر اہل ہند کیساتھ مواسا و مدارا میں معروف ہے۔ اگر ہندوستان کی طرف سے انکی حمایت و موافقت میں کوتاہی ہوئی۔ تو بہت بے معاملگی ہوگی اور اس اتحاد و اتفاق سے ہمیشہ کے لئے ناامیدی ہوجائیگی جسکا موقع اب افغانستان کے ساتھ قائم کرنیکا ہے۔ یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ عام طور پر افغانستان میں نہ صرف ہندوستان کی طرف میلان ہی نہیں اسلئے اس کے حالات سے بالکل ہی بیخبری ہے۔ بلکہ ساتھ ہی تنفر بھی ہے جسکو دور کرنے کا اب یہ وسیلہ ہے کہ نئے حکمران خاندان کو جہانتک ہوسکے ہر طرح کی علمی، اخلاقی اور مالی امداد بہم پہنچائی جائے ورنہ دیرینہ بیگانگی بدستور رہے گی اور ہندوستان کا جوش اور حمیت پہلی طرح بیجا اور عبث ظاہر ہوتا رہے گا۔

کابل میں سرحد کے اس طرف رہنے والے خواہ وہ افریدی اور وزیری ہوں یا بنگالی اور مدراسی پشاوری کہلاتے ہیں۔ گویا پشاور ہندوستان کا مرادف ہے۔ ایک دکاندار امیر حبیب اللہ خان کے وقت میں

پشاور گیا اور پہلے اسکا ایک آشنا لاہور پہنچا ہوا تھا۔ اُسکی تلاش میں پشاور پوچھتا گھپتا رہا۔ مگر کہیں پتہ نہ چلا جب وہ نو واپس وطن آئے تو کہنے لگا میں نے تمہاری جستجو میں تمام ہندوستان چھان مارا۔ اس سے زیادہ واقف لوگ راولپنڈی کو چھوٹا لاہور کہتے ہیں اور لاہور کو بڑا۔ جب سردار نصر اللہ خان لنڈن گیا تو بعض سپاہی مشایعت کیلئے ہندوستان تک گئے۔ اسیطرح سردار عنایت اللہ خان کے ساتھ بھی تھے۔ جب لوٹے تو کہتے کہ ہم نے لنڈن دیکھا ہے۔ اسی لئے جب رجز خوانی پر اُترتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مجھے ایک پلٹن دے" لنڈن تک فتح کر لونگا"۔

ایک کوہستانی حج کو گیا تو واپس آکر اپنی جہاندیدگی کا قصہ سُنانے لگا بمبئی شریف پہنچکر ایک اور رسما دار میں بیٹھکر جسے جن کھینچتے تھے۔ مکے اور مدینے گئے۔ ایک جگہ رسول کی قبر تھی دوسری جگہ خدا کی"۔ یہ تو پرانے افسانے ہیں اور امان اللہ خان کے استقلال یا جلال کی وجہ سے بہت لوگ ملک سے باہر جانے لگے ہیں مگر سردار نصر اللہ خان کے ساتھ ایک جرنیل بھی تھا جب بحر روم میں پہنچے تو کپتان جہاز نے خوش خلقی سے کہا سردار صاحب دیکھتے ہو کسقدر وسیع سمندر ہے۔ جواب ملا ہمارے ملک میں ایسے بہت سے ہیں! یہ جرنیل قدیم غازیوں کی طرح جانوروں کا بہت شائق تھا۔ اسکے گھوڑے اصالت اور نفاست میں ممتاز ہوتے اور اصیل مرغ بھی نامدار تھے انہی کے شوق میں جب راولپنڈی میں فرار تھا تو ٹھونگے سے ایک آنکھ کھو بیٹھا تھا۔ پنجاب کے لوگ بھی مکابرے میں کسی سے کم نہیں اگر افغانوں کو عزت سے دیکھتے ہیں۔ تو کبھی حقارت سے بھی یاد کر لیتے ہیں، جب ہجرت کا مانیا مندوں پر تھا تو ایک مہاجر گاڑی پر سے دوسرے کو کہتا ہے۔ کہ دیکھو پانی اُوپر کیطرف جارہا ہے وہ بھی انعکاس نگاہ سے بیخبر تائید کرتا ہے کہ اُدھر کو کیوں نہ جائے افغانستان کا پانی ہے! ایک چھوٹے لاہور کا آدمی کابل جاکر واپس آیا تو افغان نخراریوں نے اس سے اپنے وطن کا حال پوچھا

کہا اس ملک کا کیا حال پوچھتے ہو جہاں کا نٹرا جرنیل ہو ؛

سردار نصر اللہ خان کے ساتھ ایک سردار محمد حسن خان بھی تھا جب لنڈن پہنچکر لوگوں کا تعارف شروع ہوا تو کہا گیا یہ لارڈ رابرٹس قندھاری ہیں۔ سردار تجاہل عارفانہ سے گھبرایا کہ یا انگریز قندھاری کیسے ہو گیا؟ جواب ملا کہ آپ نے انکو لڑائیوں میں دیکھا ہوگا۔ ذرا غور کر کے کہنے لگا کہ اگر براہِ مہربانی چند قدم چلیں تو شاید پہچان لوں۔ جب اس نے کچھ چلکر میٹھ موڑی تو چلا اٹھا کہ پہچان لیا، پہچان لیا۔ تلمیح یہ تھی کہ کابل سے انگریزوں کی فوج تین حصوں میں تقسیم ہو کر غازیوں کے مقابلے میں نکلی تھی رابرٹس درمیان اور اس کے سامنے غزنی کی طرف سردار محمد حسن خان تھا منصوبہ یہ تھا کہ دائیں اور بائیں کی فوج بھی کوہ دامن اور لوگر سے گذر کر ایک وقت اکٹھی حملہ آور ہوگی جرنیل رابرٹس سیدھا پہلے پہنچگیا۔ اور اکیلا لڑنے کی تاب نہ لا کر رجعت کر آیا جس میں بہت سے انگریز کام آئے ؛

اس فوج کے تین حصوں میں ایک کا افسر سردار ولی محمد خان تھا جسکو افغان لاٹ کہتے تھے۔ ایک دفعہ اُس نے اپنی خدمات جتاتے ہوئے بیان کیا کہ میں تمھاری خاطر آشنا بدنام ہو گیا ہوں۔ افغان مجھے لاٹ کہتے ہیں۔ جرنیل رابرٹس نے غصے اور تعجب سے کہا کہ میں لارڈ ہونیکی آرزو میں ہوں اور تم مفت میں اس خطاب سے سرفراز ہو کر بجائے ممنون ہونے کے محزون ہوتے ہو۔ وہ کیا اسکی نسل ابتک غم کھاتی ہے۔ حتےٰ اسکی پوتی مکتب مستورات میں لڑکیوں کے طعنے سہتی اور تنگ آکر میری ہمشیرہ کے پاس شکایت کرتی جو نائب مدیرہ تھی۔ مدیرہ اسلئے نہیں کہ ہندوستانی تھی۔ حالانکہ سارا انتظام وہی کرتی۔ اور مدیرہ مکتب کے کام سے بےخبر گھر میں رہتی۔ مدیر معارف فیض محمد خان کہتے تھے کہ سارے افغانستان میں دو عورتیں انتظام اور لیاقت میں ممتاز ہیں۔ جنمیں ایک یہ ہے۔ جرمن اور ترک معلمات سے جو تعلیم نہ ہوسکتی یہ کامیابی سے اجرا کرتی اور سب معلمات

اور متعلمات اسکی تنظیم و تدریس پر فائز ہوئیں۔ چنانچہ جب امان اللہ خان نے عورتوں کی مجلس منعقد کی، تو مستورات نے اسے بھی اپنی وکیلہ انتخاب کیا۔ فرمانے لگے میں اسکی لیاقت اور فضیلت سے خوب آگاہ ہوں مگر ہندوستانی ہونیکے سبب منظور نہیں حالانکہ ہم ملیت کے لحاظ سے افغان تھے جو مغلوں کی سلطنت میں ہندوستان آ رہے تھے؛

امانی تکبر و نخوت کا اس سے ہو سکتا ہے کہ یورپ جاتے ہوئے ہندوستان سے گذرنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ مجبوراً گذرنا پڑا۔ تو کنارے سے کتراتے ہوئے گئے مگر انتقام حق یوں لیا گیا کہ اسی راستے سے ہزیمت اور نکبت میں گذرنا پڑا۔ ایسے شخص کی حمایت فی الواقع حق کے خلاف روش اختیار کرنا ہے؛

امان اللہ خان نے تو اکثر مہاجروں کو اخراج کیا اور باقی کو بے روزگار چھوڑ دیا۔ بچہ سقا نے انکو قید میں ڈالنا مناسب سمجھا چنانچہ کچھ تو گرفتار اور بعض وقت پر متنبہ ہو کر فرار ہو گئے۔ امان اللہ خان انکو افغانستان کی خدمتیں آخری درجے پر رکھتے مگر ان کی ثابت قدمی، وفاداری اور جان نثاری کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خادم درجہ اول کی طرح خطرات سے نکل کر باہر پناہ لینے کی بجائے ملک کے اندر ہی رہتے ہیں۔ محمد نادر خان کے ہمراہ سربکف ہو کر باوجود نہایت غیر مساوی مقابلے کے میدان جنگ میں اُترتے اور بڑی جان جوکھوں کی لڑائیوں کے بعد فتحیاب ہوتے ہیں مولوی عبدالرزاق مہاجر سمت مشرقی کی مدیری مکاتب سے اس لئے موقوف ہوتے ہیں کہ جرنیل شاہ محمود خان حاکم اعلےٰ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے مولوی اللہ نواز خان علاقہ کابل کی مدیری مکاتب سے برطرف کئے جاتے اور ناچار المان و افغان کمپنی میں ملازمت اختیار کرتے ہیں۔ انکے ساتھ پشاور کے شاہجی بھی ہیں اور دو نوابی ہمت و فعالیت سے فارغ البال ہیں اگرچہ قانع نہیں ہیں۔ کیونکہ انکا مقصد تجارت سے مختلف اور ارفع ہے۔ بچہ سقا کی گرفتاری سے بچکر محمد نادر خان کے پاس جاتے ہیں۔ کیونکہ

ایک تو اسلامی خدمات کا موقع پیش آتا ہے دوسرا دیرینہ تعلق مقتضی ہے کہ اس مشکل وقت میں کمک کریں۔ کئی میدانوں میں جانفشانی اور بہادری سے لڑنے اور عقل و تدبیر سے قبائل کو اپنی طرف لڑانیکے بعد کابل میں مظفر و منصور داخل ہوتے ہیں اور اپنی شجاعتوں اور خدمتگذاریوں کے صلے میں بلند عہدوں پر ممتاز ہو کر اور مفید خدمتیں بجا لا رہے ہیں؛

اسی طرح نادر خانی خاندان کی مخلصانہ کشش دوسرے ہندوستانیوں کو بھی سویت کے زمانے میں انکی طرف مائل کرتی ہے۔ ایم۔ اے حکیم ایک جوان تاجر ہیں اور ان کے ساتھ پرانا رابطہ ہے تجارت کے علاوہ جو کثرت اجتماع ہوتا ہے اپنی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے ملکی امور میں بھی دلچسپی رکھنے کے سبب محمد نادر خان کو ہر طرح کی مدد دینے پر آمادہ ہوتے اور متواتر مساعی سے قدیم آشنائی کا حق ادا کرتے ہیں۔ پشاور میں ہر قسم کی معاونت کر کے بیش از پیش عزت و محبت کے مستحق بنتے ہیں۔ اور جب فتح و ظفر حاصل ہوتی ہے۔ تو بھی خدمات بجا لا رہے ہیں؛

اعلیحضرت محمد نادر خان غازی کا مغناطیسی اثر اس سے قبل کی سمت جنوبی کی مہم میں بھی کئی ہندی جوانوں کو انکی خدمتیں حاضر کرتا ہے جنمیں بعض سرحد کے تعلیمیافتہ افغان بھی ہیں مگر جس شخص نے خاموش فداکاری سے گوناگوں خدمات ایفا کیں اور سفر و حضر میں نہایت مفید کام کرتے رہے وہ مولوی ظفر حسن تھے چونکہ محمد نادر خان کے ساتھ قلبی علاقہ رکھتے اور انکی معیت میں رہ کر علمی و فنی خدمتیں بجا لاتے تھے بلا لحاظ ان فوائد کے جو انھوں نے ملک کو پہنچائے انکو بھی ملک بدر کر دیا گیا اور بیچارے روس اور ترکیہ کی طرف جانے پر مجبور ہوئے اس فرار سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے کئی فنی چیزیں سیکھ لی ہونگی جو اب پھر اعلیحضرت محمد نادر خان کے وسیلے سے افغانستان کے کام آئیں گی؛

فرانس کی سفارت کے زمانے میں بھی آپ ہندیوں سے غافل نہیں رہے اور نہ ہی افغانستان کو بھلایا۔ جس سے امان اللہ خان نے آپکو ضرورت کے وقت باہر کیا تھا۔ ایک ہندی طیارہ ران کو جو جرمنی میں ہوابازی کا کمال حاصل کرچکا تھا۔ استخدام کر کے افغانستان بھیجا مگر وہاں ایک تو ہندی کیخلاف تعصب دوسرا محمدؐ نادرخان کا آدمی سمجھکر اس سے کوئی خدمت نہیں لی گئی یہانتک کہ اسکو تنگ کر کے نکالنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ مجھے اطلاع ہوئی تو محمد ولی خان کو جو اسوقت وزیر حربیہ تھا ساری کیفیت لکھکر بتائی مگر اسکی کماحقہٗ پرداخت نہیں ہوئی بلکہ اسکی قرارداد کے خلاف عمل کر کے اُسے واپس جانے پر مجبور کیا۔

شاہ ولی خان ہندوستان جاتے ہوئے حرمسرائے کے دروازے پر حاضر ہوتے ہیں تاکہ بادشاہ سے وداع کریں۔ اندر بلائے بغیر پیش خدمت کو کہتے ہیں کہ انہی الفاظ میں پیغام دیدو "چلو چلو"۔ ہندوستان اور اردو کے ساتھ اس خاندان کا تعلق اتنا زیادہ تھا کہ امان اللہ خان اپنی نفرت کا اظہار انہی کے پیمانے میں بھر کر کرتے۔ سرولیم میور نے عربی سیکھی تاکہ مسلمانوں کی اپنی کتابوں سے انکے رسولؐ کی اہانت کریں کیونکہ عربی کتب میں بعض روایات ضعیف اور موضوع بھی ہیں۔ امان اللہ خان نے تھوڑی بہت اردو یاد کرلی تاکہ محمود سامی کیساتھ مل کر جو کچھ دنوں پشاور رہ آیا تھا تمسخر سے ہندوستانیوں کی نقلیں اتاریں۔ اسمیں میرا گناہ خدا معاف کرے کیونکہ اردو قواعد انھوں نے مجھسے لکھوائے تھے۔

(۸)

بچہ سقا اور نادر خانی خاندان

جب امان اللہ خان اور انکے عزیز اور وزیر بعض اپنے کنبوں کو بھگا لیجانے میں کامیاب ہوئے، تو محمد نادر خان اور انکے بھائی پردیس میں تھے اور جو کابل میں تھے انہوں نے ملت کیساتھ شریک غم ہونیکا قصد کر لیا۔ جب بچہ سقا آپہنچا اور شب برات کو منضبط تاخت و تاراج شروع ہوئی تو انکے گھر ایسے مامون و مصئون رہے کہ پہلے بھی ایسے نہیں تھے۔ بچہ سقا کے ساتھ علما خوانین اور کوہستان کیجانب سے کچھ حکام شریک ہو گئے تھے۔ جنھوں نے میلان ملت کو جان کر یہ مشورہ دیا کہ اگر محمد نادر خان اور انکا خاندان نئی سلطنت کے ساتھ شامل ہو گیا تو اسکے استحکام میں کوئی شبہ نہیں رہیگا۔ چنانچہ احمد شاہ خان کو جو محمد نادر خان کے چچا کے بیٹے ہیں۔ مع ایک دو اور آدمیوں کے سفر خرچ دیکر طیارے میں روانہ کیا تاکہ سپہ سالار غازی کو لاکر بچہ سقا کا وزیر اعظم بنا دیں۔ انکے خاندان کی تسلی کیلئے سقا شاہی فرمان صادر ہوا اور انکی حفاظت کا پورا سامان کیا گیا۔ شاہ محمود خان کو ریاست تنظیمیہ پر مقرر کر کے لوگر کی طرف بھیجا تا کہ وہاں کے لوگوں کو بچہ سقا کی بیعت پر آمادہ کریں جہاں سے وہ بعد میں موقع دیکھکر سمت جنوبی میں محمد نادر خان کے ساتھ جا ملے۔

یہ خاندان عجیب مخمصے میں تھا۔ رہزنوں کے وزیر اور حاکم بننا کوئی عزت نہیں تھی اور نہ اس سے انکار ہو سکتا مقابلہ تو درکنار یہ سب اہل و عیال انکے قبضہ میں اور قوت و اقتدار بھی انہی کو حاصل تھا۔ باوجود ظاہرہ اطمینان کے احمد شاہ خان، شاہ محمود خان اور انکے دوسرے عزیزوں کو دیکھکر رحم آتا۔ رنگ زرد اور چہرے پہ ہوائیاں
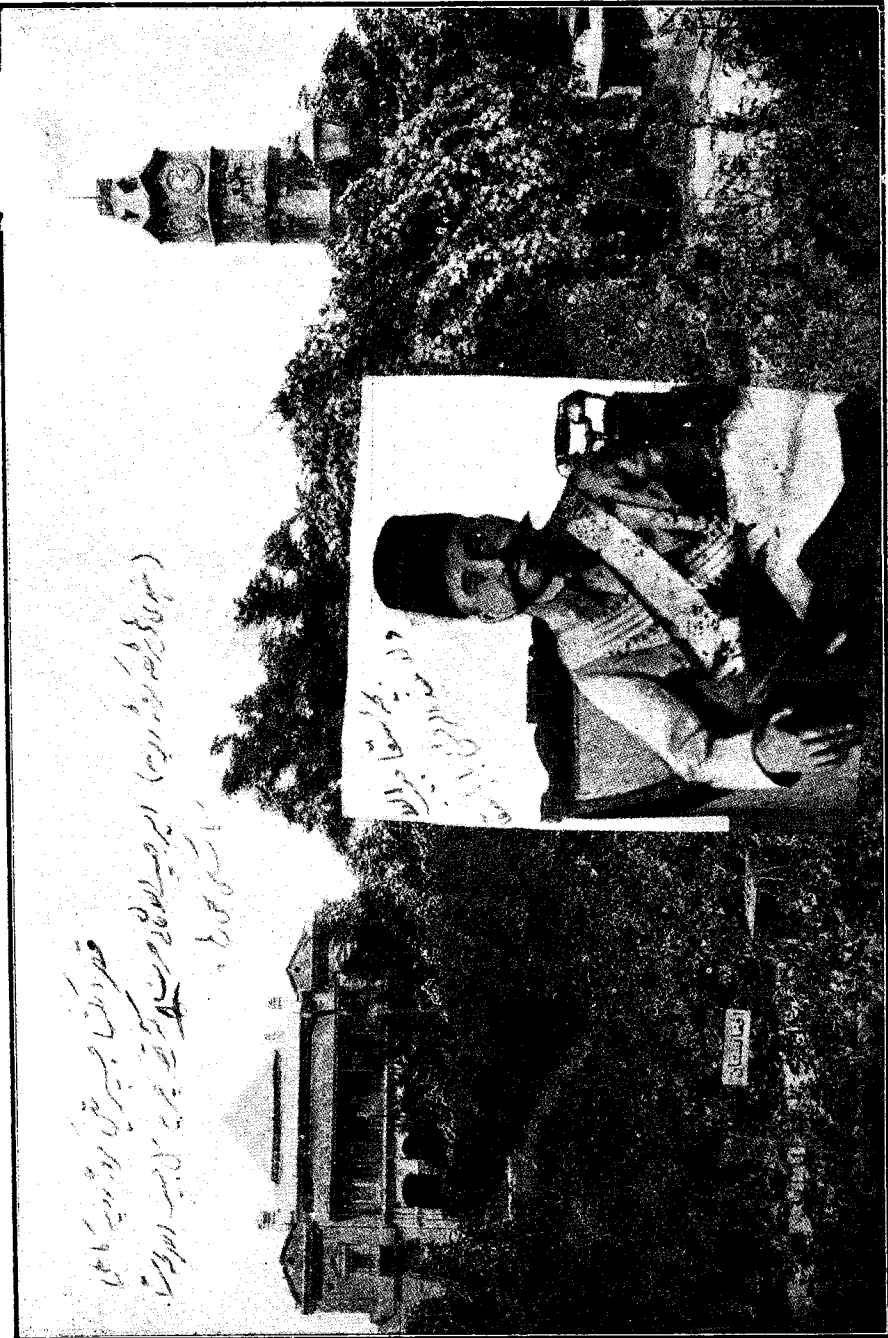
اُڑ رہی تھیں۔ احمد شاہ خان تو اسی غم و الم کو لیکر چلے گئے۔ شاہ محمود خان لوگر پہنچے۔ ایک مُنہ سے لوگوں کو ترغیب دیتے کہ چوروں کی اطاعت قبول کریں مگر جو بھی ساتھ تھے اور اُنکی خاطر اور اُنکے خوف سے مجبور تھے کہ اُنکی طرفداری کا دم بھریں اور اُنکی متابعت کی بھی تحریض کریں۔ کچھ مدت تک اسی اضطرار میں گرفتار رہے البتہ در پردہ بعض معتمد اشخاص کو اپنا دلی خیال بتاتے ہونگے مگر ظاہرہ سقوی سلطنت کی خوبیاں بیان کرتے رہے ؛

کابل میں سب لوگوں کا یہی حال تھا۔ مشاہیر کو اس کاغذ پر دستخط کرنے پڑے جو امان اللہ خان کے خلاف اور بچہ سقا کی تعریف میں مع بیشمار خرافات کے لکھا گیا تھا۔ وزرا اور اکابر دولت و ملّت کو بلایا۔ اور دستخط کرنے کے لئے کہا جاتا۔ بلا چون و چرا ہاتھ کاٹ کر چل دیتے اور جان سلامت لے جانا غنیمت سمجھتے۔ ایک عبدالهادیخان نے جو ہمیشہ حقانی دلاوری میں سابق قدم رہے ہیں۔ اپنے امضا کے ساتھ یہ استثنار کردی کہ بعض امور کے ساتھ متفق نہیں ہوں۔ چونکہ یہ رشوت بھی نہیں لیتے تھے اسلئے اُنکو ماموریت بھی پیش کی گئی مگر اُنہوں نے یہ کہکر ابا کیا کہ ابھی جدید سلطنت کے ارادوں سے مجھے واقفیت نہیں۔ ممکن ہے کوئی خطا کر بیٹھوں چونکہ یہ نیک نام تھے اسلئے کچھ تامل کے بعد انہیں قید میں ڈالا اور اس سے بھی تھوڑی مدت کے بعد رہا کر دیا جس حالت کو غنیمت سمجھکر وہ بھاگ نکلے اور قندھار میں پہنچکر جو اُنکا مولد تھا۔ امان اللہ خان کی وفاداری کا زائد ثبوت دیا اور جب بادشاہ نے بیوفائی پر اصرار و تکرار کیا تو ناچار اعلیٰحضرت محمد نادر خان کے ساتھ آملے اور اُنکے ماتحت جرمنی میں سفیر ہو کر گئے۔

جب بچہ سقا اعلان مذکور پر دستخط کروا رہا تھا تو یہ بڑی سخت آزمائش کا وقت تھا ممکن ہے کوئی شخص اپنی جان پر کھیل کر انکار کر دیتا مگر یہاں تنہا جان کا معاملہ نہیں تھا۔ زن و فرزند پر بھی مصیبت آتی اس لئے لوگ نہایت حیران و پریشان تھے اور بے بسی کی حالتیں صرف خدا کو یاد کر رہے تھے کہ وہی کسی اپنے

خاص بندے کو اٹھا کر انہیں اس بلائے عظیم سے نجات دلائے۔ یہ اعلان مع وزرا و روسا اور ارکان واعیان دولت وملت کے دستخطوں کے چھپ طیاروں کے ذریعے تمام جوانب ملک میں پھینکا گیا اور اسی وجہ سے پہلے پہل افغانستان کے اکثر حصوں میں خصوصاً ترکستان اور بدخشاں کی طرف سقوی سکہ جم گیا۔ کیونکہ دور دراز علاقوں میں لوگوں کو پرواہ نہیں تھی کہ کون بادشاہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سب وزیروں مدیروں اور بڑے آدمیوں نے امیر حبیب اللہ خادم دین رسول اللہ کو اپنا بادشاہ منظور کر لیا ہے تو انہیں کیا مضائقہ ہوسکتا تھا کہ انحراف کریں۔ حاکموں اور کارداروں نے بھی دستخط پڑھ کر سر تسلیم خم کر دیا اور اگر کسی نے سرکشی کا خیال کیا تو اُسے اوروں نے دبا دیا۔

محمد نادر خان کو یورپ میں مختصر اور ہندوستان میں مفصل اس وحشتناک انقلاب کی خبر ملتی ہے بچہ سقا کا فرمان بھی ملاحظہ کرتے ہیں۔ پہلے امان اللہ خان کے بھی تو اول وزیر تھے۔ اب ایک چور کے وزیر اعظم بنیں۔ پھر ان ڈاکوؤں کے ساتھ تباہ کیسے ہوگا جن میں ہر ایک برتری کا دعویٰ رکھتا ہے۔ جب محمد نادر خان کے بمبئی پہنچنے کی اطلاع کابل میں آئی تو معمولی کوہستانی کہتے کہ کیا ہوا ایک ہمارا نوکر اور تنخواہ خوار اور بڑھ جائیگا۔ ان حالات کے اندر کیا کریں۔ شرم آتی ہے محض اس خیال سے کہ چوروں کیساتھ شریک ہوں۔ پھر خوف ہے کہ تمام کنبہ انکے ہاتھ میں ہے۔ ضعیف مستورات اور معصوم بچوں کی ناموس جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ ناظرین خود قیاس کریں کہ اس دو طرفہ بلا سے بڑھکر انسان کیلئے اور کوئی سخت امتحان ہو سکتا ہے؟ کچھ مدت لیت و لعل سے جواب دیتے رہے تاکہ خدا کوئی سبیل نکال دے۔ بشری تدابیر سے بھی کام لیتے رہے مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ بچہ سقا نے آخر کہنا شروع کیا کہ مجھے دھوکا دے رہا ہے۔ کہتا ہے میں اکیلا کیا آؤں! افغانی قبائل کی بیعت لے کر ایک خدمت بجا لا کے آؤنگا۔

اسوقت تک انکے اہل و عیال کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی مگر شہر میں مختلف افواہیں اُڑنے لگیں، جو کسی واقعے کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہیں۔ آخر ایک دن عمارت بلدیہ (میونسپلٹی) کے سامنے سب عورتوں کو لے آئے اور باہر زمین پر بٹھا دیا۔ بچہ سقا کے رشتہ دار بدزبانی سے پیش آتے تھے خواجہ تاج الدین رئیس بلدیہ جو انہی میں سے تھا انکی داڑھی کو ہاتھ لگاتا۔ منت سماجت کرتا کہ شریف مستورات ہیں۔ انکا کیا گناہ ہے۔ انکی توہین مت کرو۔ جب وہ باز نہیں آتے تھے تو ایک خانم نے ولادری سے کہا کہ شرم دحیا کو کام میں لاؤ۔ مردوں کے ساتھ جا کر لڑو۔ عورتوں کو گالیاں دینا کونسی بہادری ہے اسکے بعد انکو بندی کر دیا۔ اور سردار فتح محمد خان کے گھر کو انکا بندیخانہ قرار دیا جو اُنکے قریبی عزیزوں میں سے تھا۔ بعض کو ارک میں بلایا جاتا کہ جواہرات ان سے وصول کریں۔ ثمرۃ السراج جو شاہ ولیخان کی اہلیہ تھی، بے کھٹکے جواب دیتی۔ کہ ہمارے مرد جواہرات اور زیورات دینے کے قابل ہوتے تو ضرور رشوت لیتے۔ اور یہ الزام اُنپر کون لگا سکتا ہے۔ یہی گھر بار ہیں۔ آپ انہیں لے سکتے ہیں۔ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ حتیٰ روٹی کپڑے کے لئے پیسہ نہیں بچہ سقا کہتا کہ تم امیر شہید کی بیٹیاں ہو۔ ضرور تمہارے پاس مال ہے اور میں وہ پاؤنڈ واپس لینا چاہتا ہوں جو نادر خان کو سفر خرچ کیلئے بھیجے تھے:

بچہ سقا چور تھا مگر چوروں میں بعض پختہ خصائل ہوتی ہیں جنپر وہ ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہ کلهکان کا رہنے والا تھا جہاں ایک خلیفہ صاحب تھے، جن کے مرید ہونیکی وجہ سے وہاں کے لوگ اکثر نماز خوان اور پرہیزگار تھے۔ بچہ سقا بھی نماز قضا نہ کرتا اور سوائے مار دھاڑ کے اور کوئی عیب اسمیں نہیں تھا۔ حتیٰ کہ مرغ بٹیر حقہ اور نسوار تک کے شوق میں نہیں پڑا تھا۔ اُسکا وزیر دربار شیر جان ایک شریف زادہ حافظ فقہ فہم اور قانوندان شخص تھا۔ اسکی تدبیر اور وساطت سے بچہ سقا نے امیر کبیر کی نواسی سے نکاح کیا تاکہ سابق شاہی

خاندان سے رابطہ پیدا ہو کر اسکی عزت میں افزونی ہو جائے۔ محمد نادر خان کے خاندان کی مستورات کو اسارت کی زحمات تھیں اور انکو تکلیفیں دیجاتیں کہ زر و جواہر اگر چھپا رکھے ہوں، تو نکال دیں۔ اس کے علاوہ بچہ سقا اپنے دیہاتی آداب کے مطابق خلق سے پیش آتا اور ستر و پردے کا پورا لحاظ رکھتا۔ جب یہ عورتیں پہلے ارک میں بلائی گئیں تو ان میں امان اللہ خان کی بہنیں تھیں۔ جنہوں نے وہیں پرورش پائی تھی تمام محلات کا نقشہ بدلا پایا اور کوئی چیز بھی پہلی نہ دیکھکر مدہوش سی رہ گئیں۔ آخر ایک ہرن کا بچہ نظر آیا۔ جو پہلے سے وہاں تھا۔ ایک اُسکے گلے لپٹ کر رونے لگی۔ تو بچہ سقا کی ماں بھی رو پڑی اور تسلّی دینے کیلئے کہنے لگی کہ صبر کرو اور خدا کو مت بھلاؤ جس نے یہ چیزیں اب ہمیں بخشدی ہیں۔ ہم بھی تمہاری طرح اسکے بندے ہیں کبھی تم مالک تھیں اب ہم ہیں۔ تمہاری ماں علیا حضرت میں وہ کونسی خوبی تھی جو مجھ میں نہیں ہے وہ بادشاہ کی ماں تھی میں بھی ہوں صبر اور شکر کرو۔ ہم تمہارے ساتھ دشمنی نہیں کرینگے بلکہ مہربانی سے پیش آئینگے۔

مگر یہاں صرف بچہ سقا کے ساتھ واسطہ نہیں تھا۔ جس گھر میں یہ نظر بند تھیں اسکے ایک حصے میں سپہ سالار سقوی نے ڈیرا ڈنڈا ڈال رکھا تھا۔ اسکا مالک سردار فتح محمد خان تھا جو سردار زکریا خان کا بیٹا تھا۔ یعنی محمد نادر خان کے دادا کا بھتیجا تھا۔ جمعے کے دن مرغ لڑ رہے ہیں کہ یہ بڈھا سردار بچہ سقا کا فرمان لیکر حاضر ہوتا ہے۔ سپہ سالار کہتا ہے کہ یہ بے تمیز کیا کاغذ لیکر آیا ہے وقت اور بیوقت بھی نہیں پہچانتا۔ اس کی سفید داڑھی کا پاس ہے ورنہ ابھی بے آبرو کرتا کہ میرے شغل میں خلل ڈالتا ہے۔ اسکے کاتب نے کہا۔ امیر صاحب کا فرمان لیکر آیا ہے کہ اسکے گھر میں کوئی مداخلت نہ کرے اور اسکا مال و اسباب محفوظ ہے۔ اب سپہ سالار زیادہ طیش میں آتا ہے کہ تمنے یہ گھر مکتب کو کرائے پر دیا تھا اسلئے سرکاری ہے۔ سو میں نے لے لیا۔ ابھی نکل جاؤ ورنہ پیٹے جاؤ گے۔

اس گھر میں یہ عورتیں کئی مہینے محبوس رہیں اور جو غم و اندیشے انپر گذرے اُسکا قیاس وہی لوگ کر سکتے ہیں جو کابل میں تھے۔ سردار امین اللہ خان کی زوجہ نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:۔ امان اللہ خان اپنی نزدیکی اور چہیتی عورتوں کو لیکر چلدیا اور باقی شاہی خاندان کی مستورات کو بلا کے مُنہ میں دے گیا۔ اُن کو اور سب عورتوں کو اس مصیبت سے محمد نادر خان غازی نے چھڑایا۔" اسمیں کوئی بھی شک نہیں تھا۔ کہتے تھے کہ بچہ سقا نے کابل پر حملہ آور ہونیسے پہلے اپنے لوگوں کو وعدہ دیا تھا۔ کہ پایہ تخت کی لڑکیاں اور زمینیں اُنکے درمیان تقسیم کیجائیں گی۔ اب وہ وعدے یاد دلائے جارہے تھے اور کوہستانی کہتے کہ خود جسے چاہا بیاہا، اب ہماری باری بھی آنی چاہیئے۔ یہ خبریں گھروں میں پہنچتیں اور جو پریشانیاں ان سے لاحق ہوتیں۔ انکا اندازہ باہر کے لوگ نہیں کر سکتے۔ پہلی دفعہ بچہ سقا آیا ہے تو ہمارے باغ میں اسکے آدمیوں نے کمین گاہ بنائی۔ باغبان نقل کرتا تھا کہ ایک کوہ دامنی نے کہا۔ ہمارے ساتھ وعدہ ہُوا ہے کہ مکتب مستورات میں سے ایک ایک لڑکی تمہیں دی جائیگی۔ یہ کہہ رہا تھا کہ گولی اُسکے دانتوں میں آکر لگی اور کاری پڑی۔ کہتے ہیں کہ سید حسین اپنی آشنائی کیوجہ سے جو اکثر کابلیوں کے ساتھ رکھتا تھا۔ ان خیالات کو قوت سے فعل میں لانیکا مانع رہا مگر ایک عجیب اتفاق تھا۔ کہ جب شہر میں اسکے مارے جانیکی خبر اڑتی جو ہندوستان بھی پہنچتی تو ایک دو دن کے بعد معلوم ہوتا کہ کوہستان میں اس نے نیا بیاہ کیا ہے۔ یہ واقعات البتہ سب گھروں میں بڑے خطرات کا موجب ہوتے تھے اور اس خاندان کے خوف کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے جسکے مرد باہر مقابلہ پر آمادہ ہیں اور اندر عورتیں دشمنوں کے قبضے میں ہیں۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ کی تاکید و تائید میں واقعی بڑی مہیب آزمائش تھی۔

میں نے اپنے باغ کا ذکر کیا جسکے متعلق ایک اور واقعہ یاد آیا۔ جو اگرچہ مختلف مضمون ہے مگر امان اللہ خان کے زوال کا ایک بڑا سبب اس سے دریافت ہوتا ہے۔ بچہ سقا کی فوجیں دو دفعہ اس جگہ سے گذریں بلکہ

اسمیں ٹھیریں مگر سوائے شرپنل کے مینے اور کوئی نقصان نہ پایا۔ جب امان اللہ خان ترکستان کے دورے کو جا رہے تھے تو رسالہ شاہی نزدیک مقیم ہوا۔ ایک رات میں نہر کے پلوں، بنگلے کے دروازوں، چوکاٹوں اور ایک کمرے کی چھت تک کو ادھیڑ کر جلا گیا حالانکہ جرنیل محمد غوث خان نے سپاہیوں کو خاص طور پر منع بھی کیا تھا۔ میں نے امان اللہ خان کو لکھا کہ مجھے اپنے باغ کی چنداں پرواہ نہیں مگر آس پاس رعیت کے گھروں حتیٰ کہ مسجد میں بھی ایسی ہی تباہی واقع ہوئی ہے۔ آپ ملت کی آسائش کے لئے سیاحت کر رہے ہیں اور آپ کے ہمرکاب یہ ظلم وجور برپا ہوتا جاتا ہے۔ کوئی روک ٹوک نہوئی اور اسیطرح سینکڑوں میلوں میں لوگوں کی شکایات جمع ہوتی گئیں جسمیں پہلے کوہستان تھا جہاں باغوں کے باغ اجڑ گئے۔ ان عملی بربادیوں کے سامنے شاہانہ تقریروں کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ بلکہ ان سے رعایا کے نزدیک بیزاری اور بے اعتباری دونو کا اضافہ ہوا۔

(۹)

بچہ سقّا کے مقابلے میں محمد نادر خان کی مشکلات

جب محمد نادر خان سمت جنوبی سے آگے بڑھے تو بچہ سقا نے مکر و تدبیر سے کام لیا۔ ایک طرف غوث الدین احمد زائی کو مقرر کیا کہ ظاہرہ دوستی رکھکر وقت پر حملہ کرے اور دوسری جانب محمد علم شنواری جو ایک ہزار آدمی کے ساتھ مکتب مستورات کی عمارت میں مہمان تھا اس مہم پر لگایا گیا کہ محمد نادر خان کو حیلے سے گرفتار کر کے لائے اور اسکی تائید ان کلمات سے ہوتی ہے جو بچہ سقا نے ان دنوں شہر کے لوگوں کو جمع کر کے بیان کئے۔ میں نے نادر خان کو خدمت دین کیلئے بلایا۔ سفر خرچ کیلئے ۳ لاکھ روپے بھیجے مگر اس نے میرے ساتھ دغا سے کام لیا۔ اب دیکھنا کہ اسکے گلے میں پٹہ ڈالکر شہر کی گلیوں میں پھراؤنگا۔ جب محمد علم شنواری چرخ میں قریب تھا۔ کہ محمد نادر خان کو پکڑلے تو مین وقت پر اطلاع پانے سے جان اور آبرو بچی، ورنہ ملت افغان کا خدا جانے کیا حشر ہوتا۔

بادشاہی بڑی نعمت ہے جب بادشاہ کو اصلاح کا خیال ہو اور محمد نادر خان کی زندگی کے حالات شاہد ہیں کہ وہ سوائے اصلاح کے اور کچھ نہیں چاہتے تھے۔ ایسی بادشاہی کا حصول جس میں خلق خدا کو منافع پہنچنے کی توقع ہو فطرۃ الٰہی کے رو سے البتہ زیادہ مصائب کے ساتھ الجھا ہونا چاہیئے تھا لہذا محمد نادر خان کو بہت سا سامان جنگ اور اپنی جمعیت کا حوصلہ کھو کر از سر نو تیاری کرنی پڑی۔ کئی مہینوں کی صعوبتوں اور زحمتوں کے بعد دوبارہ لشکر فراہم کیا۔ ان کے قتل اور گرفتاری کیلئے بڑے بڑے انعامات کا اعلان ہوتا

رہا اور ظیارے جاکر یہ کاغذ پھینکتے، کابل میں خبریں پہنچتیں کہ مسجد میں محمد نادر خان ہزاروں لوگوں کے سامنے اپنا سر آگے جھکا دیتے ہیں کہ جو کوئی ڈاکوؤں کے انعام کا خواہاں ہو، وہ بڑھے میں حاضر ہوں۔ پھر لوگوں میں جوش پیدا ہوتا اور جب وہ سنتے کہ محمد نادر خان کی مستورات کو قید کر دیا ہے اور دھمکیاں دیجاتی ہیں۔ کہ اگر تمہارے مرد مطیع نہ ہوئے تو جھاڑو دیکر تم سے بازار صاف کرائے جائینگے۔ اس سے افغانوں کی حمیت بھڑکتی اور کابل پر دھاوا عنقریب دکھائی دیتا مگر اسیطرح اور مہینے گذر گئے۔

محمد علم کا مع ایکہزار شنواریوں کے کابل میں موجود ہونا سمت مشرقی کے تذبذب کا باعث ہوا خوگیانی انکے ہمسائے ہیں اور محمد نادر خان کی مدد پہ نکلتے تو انکے گھر بار شنواریوں کی زد میں آتے۔ اسلئے پہلے انکے ساتھ لڑتے اور یوں آپسمیں قبائل کی جدا جنگ چھڑ جاتی، جو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ سردار محمد ہاشم خان کا مدت تک خوگیانیوں میں رہنا اسی لئے کسی ظاہری نتیجے پر منجر نہ ہوا۔ محمد ہاشم خان یہاں نائب سالار رہ چکے تھے جو سچی اور بے لوث خدمات انہوں نے ادا کی تھیں انکے اجر میں لازم تھا۔ کہ لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے۔ چنانچہ نہایت عزت و حرمت کے ساتھ وہاں رہے۔ اکثر طوائف کو جمع کرنے، ان میں اتفاق ڈالنے اور رہزنوں کی بابت نفرت دلانے میں موفق آئے۔ انکے تدین و تقوی کا اثر جو پہلے سے لوگوں کے دلوں میں جاگزین تھا آڑے وقت کام آیا۔ افغانوں کا شیرازہ بکھر رہا تھا انکی سعی و ترغیب سے اتحاد کی صورت بندھی جو آخر میں اس طرف سقوی بربادی کا باعث ہوئی۔ ہندوستان میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں کہ محمد ہاشم خان ناکام واپس گئے اور اپنے بڑے بھائی کے زجر کا مورد بنے اصلی حالات افغانستان کی بے علمی پر مبنی تھے، چنانچہ انکی مساعی بلیغہ کے سبب وہ صدر اعظم ہوئے جو بھائیوں کے دوا د و اعتماد کی دلیل ہے۔ امان اللہ خان نے پہلے سال برائے نام صدر اعظم مقرر کرکے پھر اس کا نام نہ لیا۔

اخیر سال جب ایک مدیر نے محض یہ تجویز پیش کی تو اسے فوراً موقوف کر دیا کیونکہ آپ براہِ راست وزیروں کو اپنے ماتحت رکھنا چاہتے تھے اور کسی دوسرے کو اتنا مقتدر بنا کر اپنے ساتھ شریک کرنا استبداد کے خلاف تھا جو مدیر مذکور کی فوری برطرفی سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے!

محمد نادر خان کو ایسے دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا جو اکیلا نہیں تھا بلکہ کوہ دامن اور کوہستان کے تمام باشندے اسکے ساتھ مرنے مارنے پر آمادہ تھے۔ جب کابل میں بم پھینکنے اور ایک آدھ اور سازش کا سراغ ملا۔ تو اس نے کہا کہ یہ حرکات بہت احمقانہ ہیں۔ کیونکہ میں ایک معمولی آدمی ہوں میری بجائے ایک اور امیر ہو جائیگا۔ مگر سمت شاہی کے لوگ انتقام میں کابل کو تباہ کر دینگے۔ اس سمت میں اتنی گنجان اور جنگجو آبادی ہے کہ ہمیشہ ایک لاکھ سپاہی یہاں سے افغانی فوج میں لڑتے رہے ہیں اسے انسانوں کی کان اور آدمیوں کا جنگل کہتے ہیں۔ جب سید حسین خود فوج بھرتی کرنے گیا تو تھوڑے دنوں میں ۲۰ ہزار سپاہی داخل کر کے آیا جنکی قطاریں سڑک کو روکے کابل میں پہنچکر یہ بتا رہی تھیں کہ انمیں اور پچھلے سپاہیوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ یہ سب بلند بالا توی ہیکل سرخ رنگ ہٹے کٹے خوش و خرم تھے۔ اور پہلے دُبلے پتلے پیلے اور غمناک نظر آتے کیونکہ اچھے مضبوط جوان حاکم ڈاکٹر مدیر نفوس یا فوجی افسر کو رشوت دے کر بہرحال نکل جاتے اور انکی بجائے نادار اور محتاج لئے جاتے جو حکومت کی بے انصافی پر شاکی کبھی خوشی سے کام نہ کرتے۔ اب قانع اور توی جوان آئے جو نئی بادشاہی کے نشے میں مست کسی کو دھیان میں نہ لاتے پھر یہ بھی جانتے تھے کہ اب وہ بازی جیت چکے ہیں۔ اسکے بعد ہار میں سوائے موت اور بربادی کے اور کچھ نہیں پس کیوں میدان جنگ میں لڑ کر نہ مریں!

سید حسین نے کابل کے شمال میں جتنے علاقے تھے سب کو سمت شاہی کا لقب دیا تھا کہ پنجشیر کو

جہاں سے لکڑ ہارے مزدور وغیرہ کابل میں آتے اور انکی عورتیں دائیاں ہوتی تھیں اور کابل کے لوگ اکثر انہی سے اپنے بچوں کو دودھ پلاتے۔ حکم ہوا کہ فوراً اپنے وطن کو واپس جائیں اور شاہی قوم کی حیثیت سے ایسے ادنےٰ خدمتگذاری کے پیشے چھوڑ دیں۔ کچھ دن کابل کے بعض گھروں میں شیرخوار دنکے رونے چلانے کی آواز بہت آتی تھی جو دائیوں کی جدائی میں بیمار بھی ہو گئے تھے:

سمت شمالی کے باشندے سرکشی میں مشہور چلے آئے ہیں اور انکی بہادری کی بہت سی مثالیں ہیں۔ امیر شیر علی خان نے کوہستان کی ایک پلٹن بھرتی کرنیکا ارادہ کرکے ایک جرنیل کو اس امر کے لئے روانہ کیا۔ وہ استرغچ ہی کے نزدیک پہنچا تھا کہ ملک اور خان جمع ہوئے، ایک نے کہا اب کابل میں ہمارے لڑکوں کو لیجاکر معلوم نہیں کیا کرینگے۔ اسلئے دور سے ایک بیل کو دیکھکر کہنے لگا کہ فرض کرو وہ جرنیل ہے اس شخص کی عورت پر طلاق ہو جو اسے گولی نہ مارے ایک آن میں اس جانور کو چھلنی چھلنی کردیا اور یہ اطلاع پاکر جرنیل واپس چلا گیا۔ اب یہ ملک خان مع عام رعیت سب امان اللہ خان سے بیزار اور بچہ سقا کے ساتھ کامل طور پر ہمدست ہو چکے تھے اور کسی دوسرے خاندان کو بھی اپنی پوری تباہی کا سبب جانتے، کیونکہ سب یہ ہاتھ صاف کر چکے تھے۔ یہ سارے لوگ متفق ہوکر اپنی بادشاہی کو قائم رکھنے پر ایسے تلے ہوئے تھے کہ سابق عہد میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کیونکہ ان میں بادشاہ، ارکین دولت اور خوانین کے علاوہ باقی سب کو فرمانبرداری کا بلکہ ظلم و تعدی کا جوا اٹھانا پڑتا۔ بلکہ امان اللہ خان کے وقت تو ملک اور خان بھی ذلیل و خوار اور ان کی بجائے صرف حکام اختیار دار ہو گئے تھے۔ کوہستان چونکہ کابل کے نزدیک اور میوہ زار تھا، حکام گھر کے قریب رہ کر البتہ مالامال ہونا پسند کرتے سو بہ نسبت اور علاقوں کے وہاں کے لوگ زیادہ ہی تنگ آ رہے تھے۔ اب ان سے سبکدوش ہوکر کب گوارا کرتے کہ پھر ان کا ہو پڑیں۔ اب وہ خود بادشاہ تھے! اور باقی

ولایتوں اور علاقوں کے باشندے اُنکے محکوم۔ سب بادشاہی سامان اُنکے پاس موجود اور تقریباً سارا افغانستان ان کو مالیات محصولات بہم پہنچانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ ماورا اسکے امان اللہ خان کو باوجود انکی جاہ وحشمت کے توپ طیارے کے مقابلے میں شکست دیکر انکی طبائع میں ہیجان اور اطمینان پیدا ہو گیا تھا کہ اب انکے سامنے کوئی بھی تاب مقاومت نہیں لاسکیگا۔ چنانچہ ہر جگہ اگر کوئی اٹھا تو سر جھکا کر کوہستانی غرور وتکبر کو اور زیادہ کر گیا؛

اب اسکے موازنے میں محمد نادر خان اور انکے بھائی کیسے عاجز وبیکس تھے۔ انکا خاندان کابل میں دھاڑیوں کے ترحم پر، اور اندیشہ تھا کہ سب کو بازار میں رسوا کر کے تلوار کی دھار نہ اتار دیں چنانچہ ایسے مشورے سقوی دربار میں ہوتے رہے تھے اور ہر شخص خون کھائے ہوئے منتظر تھا کہ آج کوئی ناگفتہ بہ نظارہ پیش ہوگا۔ ایک طیارے سب خراب ہو چکے تھے۔ باقی میگزینیں توپوں اور بندوقوں سے بھری پڑی تھیں۔ اسلحہ بنانے کا کارخانہ رات دن کام کر کے ان کی قوت کو اور بڑھا رہا تھا اسکے مقابلے میں محمد نادر خان پشاور میں رہنے کو جگہ نہیں پاتے۔ ایک سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات رخصت پر تھا اسکی کوٹھی خالی تھی اسے تار دیا گیا وہ ذرا تامل کے بعد رضامند ہوا؛

یہاں ایک عجیب اتفاق کا ذکر مناسب ہے یہی سپرنٹنڈنٹ صاحب برکت علی جو علیگڈھ میں میرے ہم جماعت تھے، پارہ چنار میں گئے تو بچہ سقانے انکی کوٹھی کو صاف کیا اور قالین کندھے پر اٹھا کر لایا۔ سپہ سالار غازی کو انہوں نے مہمان عزیز کی طرح رکھکر اپنی کوٹھی ان کیلئے خالی کر دی۔ تھوڑے دنوں کی ملاقات سے اتنا اثر پڑا کہ انکی شرافت، متانت اور فداکارانہ ارادوں کی تعریف کرتے نہیں تھکتے؛

وہاں کچھ دن رہ کر افغانستان میں داخل ہوتے ہیں۔ سب قبائل کوہستانی لوہا مان چکے تھے۔

اور کوئی جرأت نہ کرتا کہ نئے حملہ آور کو ہر چند وہ انکے نزدیک معزز اور نیکنام تھا اپنے علاقے سے صرف راہ گذر ہی دے چنانچہ جاجی میں کتنی مدت محصور رہنا پڑا۔ یہ لوگ کابل میں دیار کی لکڑی لیجا کر بیچتے ہیں کسان اور بان کے جانیسے ڈرتے۔ بڑا مشکل تھا کہ ایک شخص کیساتھ ہو کر جو ظاہرہ کوئی سامان نفع بھی نہیں رکھتا تھا اپنے گھر بار اور مال وجان کو بربادی کے حوالے کردیں۔ یہ سب باتیں تاخیر کی طرف مائل تھیں اور کابل میں تعجیل کی ضرورت تھی ورنہ محمدؐ نادرخان کے رشتہ داروں خصوصاً مستورات کو مدہش اندیشے درپیش تھے، عموماً سب باشندے سخت تنگ آگئے تھے اور طرح طرح کی اذیتوں اور ہلاکتوں کا شکار ہو رہے تھے؛

عزم بالجزم کیساتھ محمدؐ نادرخان غازی نے بیماری اور مرگ کی پرواہ نہ کرکے اتنے بڑے غیر مساوی مقابلے کا قصد کرلیا تھا۔ مختلف قبائل کے سامنے اپنے حقانی معاملے کو پیش کرنا وعظ ونصیحت سے انہیں اپنے ساتھ ملانا تمام اسلامی اور افغانی جذبات کو برانگیختہ کرنا ایسا کام تھا جسمیں راتدن کی مشغولیت لازم تھی۔ بندوقیں اور کارتوس جمع کرنا لشکر کو اکٹھا کر کے انہیں خوراک و پوشاک اور تنخواہ دینا بڑے مبالغ کا طالب تھا۔ اس حالتمیں چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ ملکوں خانوں اور دیگر اشخاص نے اپنی استطاعت کے مطابق گائیں، بھیڑیں، بکریاں اور نقد بھی اعانت میں دیا۔ اس مدد سے سمت جنوبی نے وہ دھبہ افغانوں کے نام سے دھو ڈالا۔ جو غیر ہمیشہ اس پر تھوپتے رہتے کہ یہ لوگ لڑائی میں صرف طمع کے سبب شریک ہوتے ہیں۔ ایک اخبار بھی ساتھ ہی کو ہی حیثیت کے بموجب شائع کیا گیا۔ جسمیں یہ چندے درج ہوتے اور ساتھ ہی جنگ کی خبریں اور تحریضی مقالات نشر ہوتے۔ اب یہی جریدہ "اصلاح" موجودہ شان کے مساوی کابل سے چھپ کر نکلتا ہے؛

ان تمام نواقص اور بدبختیوں کے ہجوم میں ایک اتفاقی خوبی پیدا ہوگئی تھی، وہ یہ کہ امان اللہ خان کے

آخر دنوں میں سمت جنوبی کے لوگوں نے سقویوں کے مقابلے میں نکلنے کے لئے بندوقیں اور کارتوس بیحساب ہی لئے بلکہ لیتے اور وطن کا رُخ کرتے تھے۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور ڈیڑھ مہینے میں بہت سی بندوقیں چھپا کر لے گئے۔ عنایت اللہ خان کے میرہ ہونیکی شام کو باقی ایک دفعہ ہی بندوقیں لیکر چلدیئے کیونکہ بچہ سقا شہر میں داخل ہوگیا تھا۔ اسکے سپاہیوں نے سب راستے دوسرے دن روک لئے اور کسی کو تلاشی کے بغیر گذرنے نہ دیتے۔ مگر پہاڑی باشندوں کی ناکہ بندی کیسے ہوسکتی تھی۔ پھر بھی بندوقیں لئے جاتے رہے۔ سوائے سات ہزار ہزاروں کے جو عنایت اللہ خان کے ساتھ ارک میں محصور ہوگئے۔ باقی میدانِ جنگ اور اپنی اپنی جگہوں سے لوٹ لوٹ کر مع بندوقوں کے بھاگ نکلے۔ ہمارا گھر لوگر کی سڑک پر تھا اور اسکے علاوہ ایک اور سڑک بھی سمت جنوبی کو جاتی تھی میں نے چھت پر سے دیکھا کہ ہزاروں ہی کی تعداد میں لوگ بندوقیں تھامے دوڑے چلے جارہے ہیں۔ دو گھوڑوں کی کرائی گاڑی کو پکڑا، جوتوں کو چھرے سے کاٹا اور سمت جنوبی کے چار آدمی گھوڑوں پر چڑھ کر پہاڑ کی طرف غائب ہوگئے۔ اسطرح تخمینہ کیا جاتا ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ بندوقیں سمت جنوبی اور اسکے نواح میں جا پہنچی تھیں؛

ایک وزیری فوجی افسر بالاحصار کے نزدیک رہتا تھا چونکہ اسکا عائلہ ساتھ تھا مجبوراً وہیں ٹھیرا رہا دوسرے دن سقوی سپاہی اسکے ہاں پہنچے کہ مشین گنیں اور بندوقیں تمہارے پاس ہیں، سرکار کے حوالے کردو۔ اس نے فوراً اپنے نوکروں کو آواز دی جن کو مسلح دیکھکر کوہستانی جلدی لوٹ گئے۔ تاکہ زیادہ جمعیت کے ساتھ واپس آئیں۔ ایک دو وزیری پہاڑ کی طرف لپکے اور اس چوٹی پر جا بیٹھے جو کلاہِ فرنگی کے نام سے مشہور ہے۔ ایک دو چھت پر جا بیٹھے اور باقی مال و اسباب مشین گنوں اور بندوقوں کو گھوڑوں اور گدھوں پر لاد مع عورتوں کے پہاڑ کی جانب روانہ ہوئے اور بحفاظت تمام اوپر اور نیچے سے

محفوظ پہاڑ کی دوسری طرف چلے گئے جہاں سے راہ صاف تھا؛

یوں سمت جنوبی وغیرہ میں محمد نادرخان غازی کیلئے کافی سامانِ حرب فراہم ہوگیا مگر یہ تھا منتشر حالتیں اسکو ایک جگہ اکٹھا کرانے اور اپنے مطلب عالی میں صرف کرنے کیلئے بہت سے اہتمام اور جدوجہد کی ضرورت تھی۔ اسمیں محمد نادرخان اور اُنکے بھائیوں کی گذشتہ خدمات وصفات جو سمت جنوبی والوں کے دلوں میں جاگزین تھیں کام آئیں۔ ان پر اعتماد کرگے کہ آئندہ خاطر جمعی کی زندگی بسر ہوگی اور سقوی اُن پر غلبہ نہیں پاسکیں گے، مسلح لوگ آنے شروع ہوئے۔ البتہ قبائل کے باہمی جھگڑے اور ازلی تنازعات جو ابدی کُشت وخون میں نتیج ہوتے رہتے ہیں، حائل تھے۔ جن کو ان نادر بھائیوں نے ویسے ہی رفع کیا جیسے آپسمیں نمونے کے طور پر اُلفت قائم رکھے ہوئے ہیں؛

سورج بنسی گھرانے کا اوتار افغانستان میں نمودار ہوتا ہے۔ سیتا کی مظاہر کوہستانی راونوں کے ساتھ تنہائی اور بیکسی میں مدافعہ کرتی ہیں۔ رام اور لچھمن پردیس میں ہیں مگر بھرت جیسے بھائی وطن میں اُنکی سیوا کررہے ہیں۔ ملت بھی بن باسیوں کا دم بھر رہی ہے۔ جنہیں راج باج کی طمع نہیں صرف دھرم اور اپنی دھرتی کا گیان دھیان ہے۔ اب افغانی سپوت جنوب کی ہنومانی کمک کے ساتھ پورے تیار ہیں کہ دیویوں کی لاج رکھیں اور بندے ماترم کو زیادہ بھرشٹ نہ ہونے دیں؛

(۱۰)

فتح کابل اور تخت نشینی شاہ نادر خان غازی

قرآنی اصطلاح میں انسان جو کام بھی کرے لکھے جاتے ہیں کسی نہ کسی وقت انکا پھر اعادہ ہوتا ہے اور اجر وزجر کے انجام کو پہنچتے ہیں۔ لَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا وَّلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً وَّلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا۔ کوئی وادی طے نہیں کرتے، کوئی خرچ نہیں کرتے تھوڑا یا زیادہ حتیٰ کہ دشمن سے کوئی مراد حاصل نہیں کرتے مگر یہ سب چیزیں لکھی جاتی ہیں تاکہ ان سے بہتر جزا پائیں اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ؛

محمود بیگ خان طرزی نے دمشق میں بیٹھے کئی کتابیں لکھیں جو بڑی دلچسپ اور مفید تھیں۔ سالوں کے بعد وہ کابل آئے اور مطبعہ صرف انہی کیلئے تیار ہوا۔ سب کتابیں چھپیں اور بہت سے افغانوں کے تنویر افکار کا باعث ہوئیں۔ میں نے طلبہ میں انکو تقسیم کیا اور ایک کتاب بھی باقی نہ رہی۔ ع

مکرّر نیست گر صد بار گوید شیشہ قلقل را

مشہور مقولہ ہے کہ تاریخ اپنے وقائع کا اعادہ کرتی رہتی ہے مگر لارڈ بالفور نے اسکی تردید میں کہا ہے۔ کہ ہمیشہ واقعات نئے اور مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ پہلی دفعہ محمد نادر خان نے سمت جنوبی کی بغاوت کو دانشمندی سے فرو کیا۔ دوسری مرتبہ اسیطرف کے باشندوں کی شجاعت و حمیت سے سرحد پر سے فاتحانہ مراجعت کی۔ تیسری بار اسی جانب کے غازیوں کی مدد سے ملک کو ڈاکوؤں کے پنجے سے نجات دلائی؛

سمت مشرقی اور سمت جنوبی میں محمد نادر خان اور اُنکے بھائیوں نے مختلف خدمات ادا کی تھیں۔ اور تجربے حاصل کئے تھے برسوں کے بعد ان سے استفادہ ہُوا۔ شاہ محمود خان دو دفعہ جرنیل اور حاکم کی حیثیت میں سمت جنوبی میں رہ چکے تھے۔ مدت کے بعد وہ علاقہ اُنکے احسانات کے اعتراف کے لئے تیار ہُوا۔ شاہ ولی خان نے بھی سمت جنوبی میں جرنیل کے مرتبے میں کام کیا تھا۔ اور لوگرمیں مصیبتیں جھیلی تھیں کاریز درویش میں محصور ہو کر بھوکے اور پیاسے دن کاٹے تھے۔ سمت جنوبی کی دوسری لڑائی میں یہاں باغیوں نے لشکر جمع کر کے کابل پر حملے کا ارادہ کیا تھا۔ جو امور اُن کے قصد میں مانع ہوئے اور جن سرکاری فروگذاشتوں سے اُنہوں نے فائدہ نہ اٹھایا۔ وہ شاہ ولی خان نے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کئے تھے۔ اب یہ ساری تفصیلات ان کے کام آئیں اور کابل کی فتح کے لئے یہ ضروری مقدمات تھے؛

بعد میں چند اور باتیں بھی ظہور میں آگئی تھیں! اور اگرچہ شاہ ولی خان کا بحیثیت جرنیل کے ان میں کوئی دخل نہیں تھا کیونکہ امان اللہ خان نے انکو اختیارات سے عاری کر رکھا تھا مگر کہتے ہیں تماشا بین کی عقل چالیس وزیروں کی سی ہوتی ہے اسلئے نئے حوادث کو زیادہ غور سے مشاہدہ کرتے رہے تھے سمت جنوبی کی دوسری بغاوت کے بعد وہاں تک سڑک تیار ہوگئی تھی اور اسپر جا بجا پُل بن گئے تھے اس سڑک اور پُلوں کی ساخت و مرمت شاہ مزار کے باشندوں کے سپرد تھی جو وہاں سے دس بارہ میل دُور تھے اور انکو مزدوری اسلئے نہ دیجاتی کہ باغیوں کو انہوں نے اپنے علاقے میں پناہ دی تھی۔ جب باغیوں نے تیسری دفعہ سر اٹھانا چاہا تو امان اللہ خان خود اُنکے پاس گئے۔ اور اُنکو خوش کرنے کے لئے مارشل لا وغیرہ کی تکلیفیں اٹھا دیں اور معاف کر کے واپس آئے۔ مگر شاہ مزار کے لوگ ویسے

ہی سزا کے شکنجے میں جکڑے رہے حالانکہ انہوں نے بغاوت میں صرف معاونت کی تھی۔ اس ظلم و غفلت کی وجہ سے ان لوگوں نے سب سے پہلے بچہ سقا کی بیعت کی۔ کوتل تیرہ کے پیچھے التمور کا علاقہ ہے جہاں کے باشندوں نے بھی باغیوں کی مدد کی تھی۔ ان کے گھر بار اور زمینیں وردکوں کو دی گئی تھیں۔ جو حکومت کے طرفدار تھے۔ بچہ سقا کے وقت ان نوواردوں کو چاروں طرف سے دبا لیا گیا۔ اسی طرح لوگر کے چاروں طرف طوفان سے تیزی اٹھا ہوا تھا۔ اور اسکی موجیں خون کی لہریں مار رہی تھیں۔ قتل و غارت سے پچھلے قصوروں کا بدلہ لیا جا رہا تھا۔ خوشی ایک بڑا قصبہ ہے جہاں زیادہ تر شیعہ سوداگر رہتے ہیں۔ انہوں نے بچہ سقا کو قبول نہیں کیا تھا جس لئے لوٹے گئے تھے اب شاہ ولیخان وہاں پہنچے اور آس پاس کے لوگوں کو اپنے ساتھ متحد کیا۔

بچہ سقا کی فوج کاریز درویش میں تھی اسکے ساتھ لڑائی شروع ہوئی جس طرح سمت جنوبی میں گردیز چھاؤنی ہے اور اسکا راستہ کوتل تیرہ ہے اسیطرح کابل کے راہ میں کاریز درویش ہے جیسا کہ نادر خانی افواج نے تیرہ کے سوا دوسری راہ اختیار کر کے کوتل اور گردیز کو انہی کے حال پر چھوڑ دیا۔ اسیطرح کاریز درویش کے مستحکم مواضع کو انہی کے قابضوں کے پاس رہنے دیکر خوشی سے دوسرا راستہ لیا، کیونکہ کابل جب قبضے میں آجائے۔ تو گردیز اور کاریز جیسے مقامات کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ جب غازیوں کا رخ شہر کی طرف ہوا تو سقوی افواج کے دستے جو کوہستانی نہیں تھے بلکہ بعض کوہستانی لوگ بھی بگڑ کر نادر خانی سپاہ کے ساتھ آملے۔ تنگی واغوجان ایک تنگ درہ ہے جہاں بچہ سقا کے کافی آدمی موجود تھے۔ کیونکہ یہ بھی کابل کا راستہ ہے۔ حملہ آوروں نے ان کی بھی پرواہ نہ کر کے دھاوے کو جاری رکھا، تو کوہستانی اور گھبرائے۔ اس طرح ان کو حیران چھوڑ کر اور کچھ لشکر ان کے مقابلے پر مامور کر کے نادر خانی غازی کابل کی طرف ہجوم لائے۔

شہر کے پہاڑوں پر کوہستانیوں نے مورچے بنا رکھے تھے۔ بڑی دلاوری سے ان کو اتار کر شاہ

ولی خان چاردہی میں دارالامان کیطرف محلوں اور کوٹھیوں میں جا مقیم ہوئے۔ وہاں کے باشندے سقوی ظلموں سے نہایت تنگ آ رہے تھے۔ بچہ سقا چونکہ خود قطعہ نمونہ میں فوجی تعلیم پا چکا تھا اور اسکے اکثر سپاہی اسی علاقے کے تھے اسلئے انکو جمع کرکے بہت ہمدردی اور برادری کا اظہار کیا تھا مگر جب انکو وردک میں لڑائی کے لئے بھیجا تو سب بھاگ آئے۔ اسلئے اُنکے گھر بار ضبط کئے گئے اور اُن کی تلاش میں کوہستانی سپاہی گھر گھر دیکھ بھال کر رہے تھے۔ چنانچہ ایک گاؤں کا نمبردار ملک احمد شاہ کہنے لگا کہ اُسکے ہاں آٹھ دس بیٹھے لذیذ کھانا مانگ رہے ہیں۔ چاردہی کے بہادر لوگ بھی حملہ آوروں کیساتھ ہو لئے۔ باغِ بابر کے پاس پہاڑ کی چوٹی پر تخت جان نثار خان ہے جہاں بارہ بجے کی توپ چلتی ہے۔ اسپر اور بالا حصار کی طرف بُرج یک لاغو پر تصرف جما کر ارک پر توپیں سوار کیں۔

اب معاملہ بہت دشوار ہوا۔ بچہ سقا نے نادری خاندان کو جنکی تعداد سو اسو تھی ارک میں بلا لیا۔ ایک کو مارنا اور دوسرے کو بچانا ممکن نہیں تھا۔ اگر یہ نادر بھائی اپنے خاندان اور مستورات کو مصیبت سے نکالنے کے لئے تمام منازل طے کرکے کابل میں آ پہنچتے تو ایسی غیرت کا کارنامہ تھا جو انسانی رفعت میں انکی مرتبت قائم کر نیکے لئے کافی ہوتا۔ اپنے گھرانے اور عورتوں کی ننگ و ناموس کی حفاظت میں جانوں پر کھیلنا سر ہتیلی پر رکھکر سینہ اور خون بہانا اور آخر کامیابی کے دروازے پر پہنچنا ایک نہایت بلند اور غیر معمولی معرکہ ہے اور جب مدعا اس سے بھی اونچا ہو، تو کتنا شاندار اور مقدس امر ہو جاتا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ ملت ظلموں کے پنجے سے چھوٹے اور آباد و آزاد ہو خواہ آنمیں خود اور خاندان اور خانمین ہلاک ہو جائیں ؎

ما اگر ہلاک شویم چہ باک　　　غرض اندر میان سلامت اوست

یہ خاندانِ جلیل ہمیشہ اپنے ارکان و افراد میں وداد و اتحاد کو محکم کئے ہوئے ایکدوسرے پر

نثار ہونیکو تیار تھا، معلوم ہوتا کہ وہ دمانی موالفت کے رب النوع کی پرستش کر رہا ہے مگر اب ثابت ہوگیا کہ صرف رب الارباب کی عبادت میں مستغرق ہے جس نے اپنی خلقت پر شفقت کو سب سے بڑا عمل ثواب قرار دیا ہے اور اولیائے کبار نے اسے اپنا معراج سمجھا ہے ؎

عبادت بجز خدمت خلق نیست　　به تسبیح و سجاده و دلق نیست

اگر ان برادرانِ کرام کا یہ شعار اور نصب العین نہ ہوتا تو ارک پر گولہ باری کرتے۔ جہاں اُنکے عزیز درشتہ دار مقید تھے اور محتمل تھا کہ وہ بھی مارے جاتے؛

جرنیل شاہ ولی خان اپنے بڑے بھائی کو خط لکھتے ہیں اور وہاں سے رقت بھرا جواب آتا ہے۔ کہ ہم نے افغانستان کو سقاکوں کے عذاب سے چھڑانے کیلئے اپنی اور اپنے خاندان کی جانوں کو قربان سمجھکر اس کام پر اقدام کیا ہے پس سب عزیزوں کو ملت پر فدا کر کے توپیں فوراً سر کردو۔ ارک پر گولے برسنے لگتے ہیں۔ اسکے ایک حصہ کو آگ لگ جاتی ہے۔ بچہ سقا خاندان نادری کے پاس التجا کرتا ہے کہ میں نے تمہاری عزت و آبرو کی حفاظت کی، اب میرے عائلے کو بھی بچانا، پھر چھوٹے دروازے سے بھاگ نکلتا ہے۔ اسکا سپہ سالار پُر دل باہر لڑائی میں مقتول ہوتا ہے۔ کوہستانی اپنے وطن کی راہ لیتے ہیں۔ ارک قبضے میں آجاتا ہے۔ اور نادر خانی خاندان صحیح وسلامت ہے۔ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ کا روشن مظہر فاتحین کو شادماں کر دیتا ہے۔ جہاں ملت کی نجات دہی کا سہرا سر بندھتا ہے وہاں اہلِ خاندان کی سلامتی بھی میسر ہو جاتی ہے؛

جب کابل فتح ہوگیا۔ تو جن گھروں اور محلوں میں سقوی امراء رہتے تھے، لوٹے گئے۔ فاتح لوگ کوہستان اور کوہ دامن میں جا گھسے اور انتقام کے مناظر پیش آئے۔ بچہ سقا اور سید حسین میں اس بات پر

بگاڑ ہوا کہ وہ ارک کے چھوڑنے پر ملامت کرتا تھا، کیونکہ وہ ترکستان سے کمک لیکر آرہا تھا، جواب بیفائدہ گئی۔ آخر دونوں نے متفق ہو کر مصالحت کر لی اور شاہ غازی نادر خان کی طرف سے جو لوگ انکو بلانے کے لئے گئے ہوئے تھے انکے ساتھ کابل کو روانہ ہوئے۔ تمام شہران کے استقبال کے لئے ٹوٹ پڑا۔ موٹروں کے سامنے آتے ہی گالیوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔ آوازیں سنائی دیتیں کہ تم نے تو یہ قصد کر رکھا تھا کہ شاہ غازی نادر خان کے قبضے سے پہلے ہمکو لوٹ مار کر کوہستان کو کابل میں لا بساؤ گے۔ اب کیا ہم تمہارے غلام ہیں یا تم ہمارے قابو میں ہو؟ اس طرح یہ ڈاکو امیر نائب السلطنہ اور ان کے سردار ارک میں مہمان اترے؛

محمد نادر خان کا ارادہ بادشاہی کا نہیں تھا، چنانچہ سمت مشرقی کے ملا کہتے تھے کہ اگر تم بچہ سقا کے خلاف لڑتے ہو تو وہ اب امیر ہے۔ اگر اسے غاصب جانتے ہو، اسکے مقابلے میں شرعاً لازم ہے۔ کہ ایک امیر جہاد کرے۔ محمد نادر خان یہی کہتے رہے کہ میں لڑائی بھی نہیں چاہتا۔ اگر ملت بچہ سقاہی کو امیر منتخب کر لے، تو میں پہلے بیعت کرنیکو تیار ہوں۔ چنانچہ اسے بھی یہی لکھتے رہے۔ ہندوستان میں بعض اخبار اعتراض کرتے رہے ہیں کہ تمام افغانستان کا جرگہ منعقد ہو کر بادشاہ کا انتخاب کرتا۔ وہ اول تو ملک کے حالات سے پورے باخبر نہیں، چنانچہ بچہ سقا کی سلطنت کے اعلان سے جو جبراً وزراء و اکابر کے دستخطوں سے شائع ہوا تھا۔ تقریباً سارے ملک نے اسکی اطاعت اختیار کر لی تھی، جب بعد میں اس جعل و جبر کی اطلاع ہوئی تو لوگ منحرف ہونے لگے۔ پایہ تخت میں عموماً تمام صوبوں کے وکلا مبعوثین موجود ہوتے ہیں۔ اور پھر محمد نادر خان کے ساتھ اکثر سردار علما، خوانین اور مشاہیر ملکی و عسکری موجود تھے۔ انہوں نے نہ صرف آپ کو بادشاہی کیلئے منتخب بلکہ مجبور کیا۔ اور عذر یہ لائے کہ تاخیر میں بڑے خدشے پیدا ہونیکا اندیشہ ہے اور بادشاہ کے جلدی مقرر نہ ہونیسے

صرف سابقہ فتنہ و فساد جاری رہیگا بلکہ اور بلائیں سر نکالینگی۔ آپنے جس ملّت کے لئے یہ فداکاری دکھائی تھی۔ اسکی خاطر البتہ اتنی گراں ہوسکتی تھی کہ اسے مزید اندیشوں سے بچائیں اور اسکے نمائیندوں کی مرضی پر چلیں۔

کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کو بادشاہ بنایا۔ جو شخص اتنا مقتدر ہو، بادشاہ فی الحقیقت وہی ہے بادشاہ گروں کا حال یہی رہا ہے۔ دراصل بادشاہ وہی بلکہ بتر اور برتر تھے۔ جب اُنکے مخلوق نے ذراسی بے پروائی کی تو اور کسی کو اُسکی بجائے گھڑ دیا اور اس تبدیلی میں کُشت و خون بھی ہو جاتا۔ جب محمد نادر خان ہندوستان میں تھے تو بعض اشخاص نے اُنکے سامنے اصرار کیا کہ امان اللہ خان کیلئے جاکر تلوار چلائیں بلکہ اقرار لینا چاہا۔ کہ غالب آکر امان اللہ خان کو تخت پر بٹھائیں سلطنتوں کی سیاستوں میں یہ اصرار و اقرار کوئی بھی وقعت و اہمیّت نہیں رکھتے۔ اوّل تو دوسرے ملک کے لوگ کسی اور ملّت کے معاملے میں جبتک مال و جان کیساتھ مساوی بلکہ زیادہ شرکت نہ رکھتے ہوں، رائے ہی نہیں دیسکتے۔ دوسرا اُنکو صحیح علم نہونے سے صائب الفکر ہونیکا درجہ حاصل نہیں ہوسکتا اس کتاب میں کافی واقعات بیان ہو چکے ہیں جن سے ثابت ہوگیا ہوگا کہ ان دونو میں ایسی دوستی ہی نہیں تھی کہ ایک دوسرے کا لحاظ ہو، بلکہ بالکل متضاد معاملات پیش ہو چکے تھے اور اگر محمد نادر خان جیسا کریم الطبع شخص مقابل میں نہ ہوتا تو انتقام پر آمادہ ہو جاتا۔ البتہ امان اللہ خان کی بعض بلند باتوں کی رعایت کرتے ہوئے جو عمومی اور خصوصی حالات میں کچھ نیک نیتی اور اخلاق پر بھی مبنی تھیں شاید محمد نادر خان مروّت سے پیش آتے، مگر جبکہ تمام ملّت کو ان سے عام شکایات تھیں، ان میں زیادہ خود محمد نادر خان شریک تھے۔ تو کس دلیل پر ملّت کو اپنا ہمخیال بنا سکتے تھے بلکہ اغلب تھا کہ اگر وہ قندھار میں اُنکے ساتھ جا شامل ہوتے، تو ملّت اُنکو بھی ویسے ہی دھتکار دیتی؛

ایک آزاد قوم کے افراد بھیڑ بکری کی طرح نہیں ہوتے کہ جو گڈریا اُنپر مقرر ہو جائے وہ آگے ہولیتی ہیں۔ انہیں احساس ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے ہماری پاسبانی نہ کی جسکی غفلت سے بھیڑیئے آپڑے اور جب ہمنے اُن سے

نجات پائی تو تیندوؤں اور چیتوں نے آن دبایا، اور فلاں شخص نے اُنکے جبڑوں سے ہمیں نکالا۔ وہ اُسکو اپنا
چوپان قبول کرسکتے ہیں۔ اور نہ تو وہ شخص جسارت کرسکتا ہے اور نہ دوسرے اُسے مان سکتے ہیں کہ اُن پر پرانا
اسبابِ فساد پھر برپا کردے۔ اُنکو اس بزرگ کی نسبت بھی شبہ ہوسکتا ہے کہ عاقبت خود گرگ ہو جائے جیسا
سعدیؒ نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص بھیڑ کو بھیڑیے سے چھڑا کر خود اُسے ذبح کرنے لگا تھا۔ محمد نادر خان اور
اُنکے خاندان کے احسانات ملّت پر پہلے سے تھے اور اب کمال کو پہنچگئے، کہ نہایت جان نثاری اور فداکاری سے
اُسکو ڈاکوؤں کے عذاب سے نجات دی مگر یہ دن کس کی غفلت سے دیکھنا پڑا تھا کہ ملک و ملّت پر دھاڑوی مسلّط
ہوگئے اور محمد نادر خان اور اُنکا خاندان خدمات سے محروم کیا گیا۔ تمام ملّت سے بڑھکر تو اس خاندان کو شکایت تھی۔ کہ
وطن کی خدمت سے ضرورت کے وقت اُنکو پرے رکھا، پس یہ کیسی نقیض اور غیر معقول حرکت ہوتی کہ یہی خاندان پہلے
ظالم کی حمایت پر آمادہ ہوتا اور دوسروں کو بھی اسکا طرفدار بناتا ؛

(۱۱)
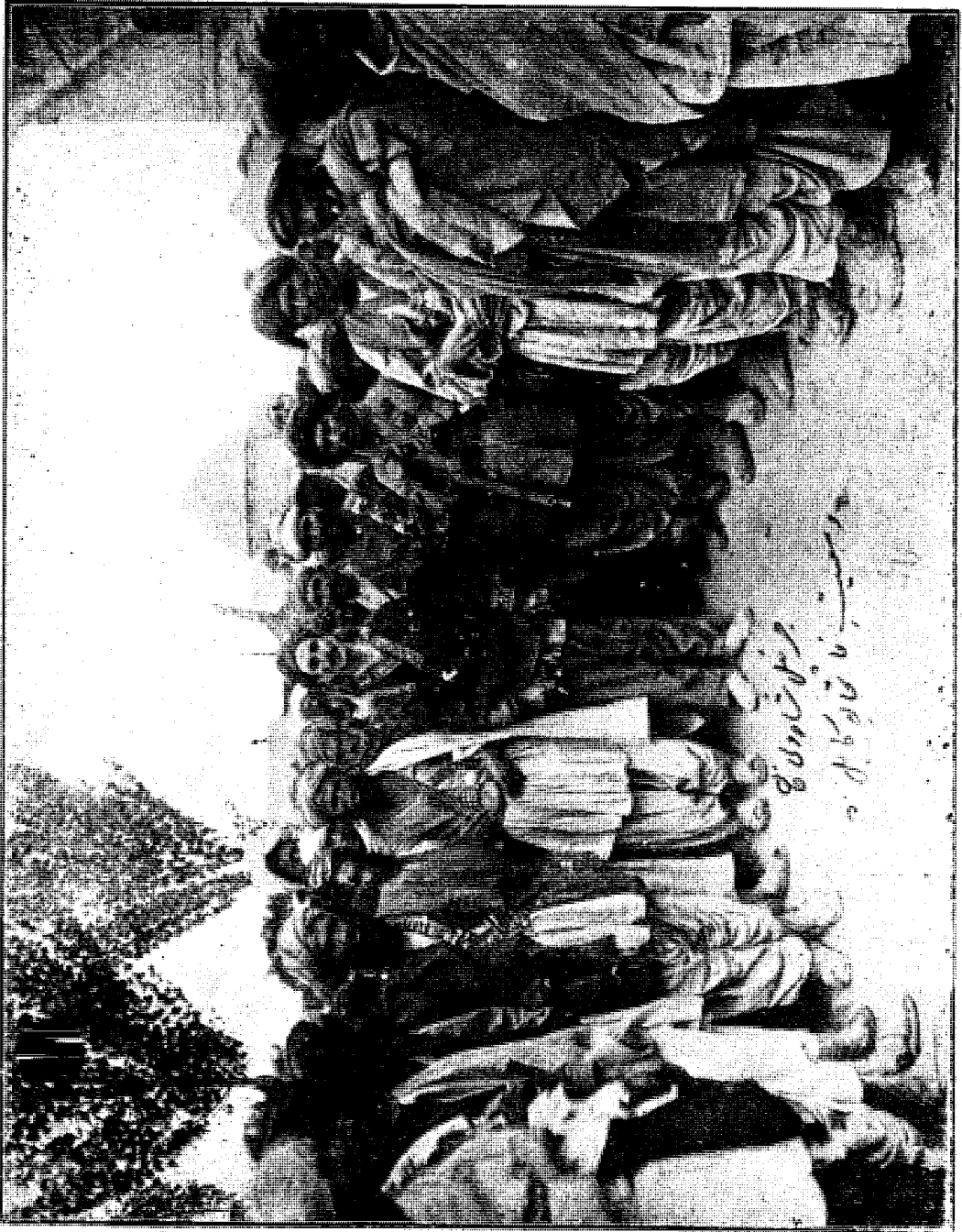
ایفائے وعدہ اور صدق و کذب کی شرائط

بعض اردو اخبارات اور نیز چند اشخاص میں یہ تذکرہ ہوتا رہا ہے کہ محمد نادر خان نے ہندوستان میں یہ وعدہ کیا تھا کہ میں کامیابی کی صورت میں امان اللہ خان کی تخت نشینی کے لئے کوشش کرونگا۔ اور اقلاً اُن کی بادشاہی کے حق میں قومی مجلس میں رائے دُونگا۔ ممکن ہے کہ اُنہوں نے اپنے اخلاق اور تواضع کی عادت کے مطابق اور تنہائی و بیکسی کے اقتضاء پر ایسے کلمات کہے ہوں، جس سے مخاطبین کو شبہ ہُوا ہو۔ کہ وہ ضرور امان اللہ خان کے لئے ساعی ہونگے۔ کیونکہ طبیعی قاعدہ ہے کہ مخاطب دوسرے کے اظہار کو موڑ کر اپنی خواہش کیمطابق بنالیتا ہے۔ اگر محمد نادر خان نے بالفرض یہ الفاظ کہے بھی ہوں تو وہ ملت اور مجلس اور ان کی آراء کے ساتھ مشروط ہو سکتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے لئے کوئی کوشش نہیں کی اور اسمیں ذرہ بھر شک نہیں۔ کہ وہ ملت کے فتوے کے تابع ہو کر جسے وہ بادشاہ منتخب کرلیتی خود بھی اُسکے فرمانبردار ہو جاتے۔ جب اُنکے مقابلے میں یا ان سے بہتر کوئی شخص تھا ہی نہیں اور جب قوم امان اللہ خان کا نام تک لینے سے بیزار، انہیں تمام بدبختیوں کا موجب قرار دیتی اور یہانتک منادی کرتی کہ ہم امیر عبدالرحمٰن کیا امیر کبیر کی اولاد میں سے کسی کو قبول نہیں کرینگے، تو ایسی اشد مخالفت میں جو متحد آتھی کیا محمد نادر خان یہ بیہودہ اور سخت بے موقع تجویز پیش کر سکتے تھے کہ امان اللہ خان کو دوبارہ بادشاہ بنالیں، بلکہ تیسری دفعہ آزمالیں ؟

امان اللہ خان نہ صرف تمام ملک میں بدنام ہو چکے تھے، اور ساری ملت اُن کو انقلاب کا ذمہ دار قرار دیتی

تھی بلکہ وہ بغیر کسی مشورے کے خود تخت سے دستبردار ہو کر کابل کے اعزہ واقارب اور وزراء ورؤساء کو مصیبت اور موت کے منہ میں دے گئے تھے۔ پھر قندھار میں دوبارہ بادشاہ بنکر اور غزنی سے شکست کھاکر جو فرار ہوئے تو اسی طرح قندھار کے اکابر واعاظم کو صعوبت واجل کا شکار بنا گئے۔ علی احمد خان اور اُن کی مانند کئی معروف اشخاص اسی بیخبرانہ گریز سے بے دست و پا ہو کر بچہ سقا کے ہاتھ پڑے اور بہت بُری طرح مارے گئے۔ امان اللہ خان کی پہلی غافلانہ رفتار کے سوا یہ دو دفعہ کی آخری ذلیل اور شرمناک حرکات اُنکو غالباً ہمیشہ کیلئے افغانستان سے بیگانہ اور رُسوا گردان چکی تھیں۔ اسلئے ان کی حمایت کے دم بھرنے سے اُنکا مؤید سوائے احمقِ مطلق کے اور کوئی لقب نہیں پاسکتا تھا؛

پھر جس ملت نے محمد نادر خان غازی کو مستحق سلطنت سمجھا اُسی نے بچہ سقا اور اُسکے رفقا کو مار دینا مناسب جانا، مگر آخری سبب یوں وقوع میں آیا کہ جب یہ لوگ ارک میں نظربند اور ایک طرح کے معزز مہمان تھے تو اُنھوں نے باورچی کو طمع دیکر شاہی باورچیخانے میں آگ لگوانے کی تجویز کی، جسکے نزدیک بڑی بھاری میگزین تھی۔ تھوڑے سے شعلے بھڑکنے کے بعد جلدی اطلاع ہونے پر یہ آگ بجھادی گئی۔ ورنہ شاہی خاندان کی کلّی تباہی متصوّر تھی۔ مجرم دریافت ہونے پر سزایاب ہوئے اور ملّت کی آرزو بھی پوری ہوئی۔ بعض لوگ ہندوستان میں ایسے بھی ہیں جو بچہ سقا جیسے واجب القتل ڈاکو اور اُسکے معاونان شر جیسے لازم القصاص رہزنوں کو موردِ عفو ہونے کے بعد ہلاک ہوتے دیکھکر حیران ہوئے۔ اوّل تو معافی کے بعد پھر جرم کا صادر ہونا موجب جزا ہو سکتا ہے۔ دوسرا عفو کی شرائط ہوتی ہیں۔ آپ ایک ھاڈوی کے نوکروں کو اُنکے جرائم کی سبکی اور کمی کی وجہ سے شاید مصلحتاً معاف کر سکیں، مگر اُس قاتل کو جس نے بیسیوں خون کئے ہوں، بخشش دیں تو مقتولین کے وارث کیسے درگذر کر سکتے ہیں۔ امان اللہ خان نے جب بچہ سقا اور سید حسین کو معاف کرکے

انکو کرنیل بنا دیا تو جیسا مذکور ہوا اسی سے سلطنت کی کمزوری ثابت ہوئی اور اسی سے کوہستانی بگڑے کیونکہ ان دو نو چوروں نے کوہستان ہی کو پامال کر رکھا تھا، کئی گاؤں لوٹے، کئی گھر برباد کئے اور جلا دیئے تھے۔ کوہستانیوں نے غصے میں آکر کہ ہمارے وطن کے موذیوں کو بجائے پھانسی دینے کے عہدے دیتے ہو، انہیں امیر اور وزیر بنا کر سلطنت سے بدلہ لیا۔ کیا محمد نادر خان بھی اسی غلطی کو دہراتے ؟

چنانچہ باقیماندہ رہزنوں کے حق میں نرمی اور عفو نے تقریباً ایک سال کے بعد اچھا اثر نہ دکھایا۔ کوہ دامن میں ڈکو ایک بڑا گاؤں ہے، جس کے باشندوں کو امیر عبدالرحمن خان نے اپنی مشہور عقوبتوں کے ذریعے سے سیدھا کیا۔ امیر حبیب اللہ خان اسے مسمار ہی کرنیکا ارادہ رکھتا اور امان اللہ خان نے اپنی تاجپوشی کے چند دن بعد یہاں کے چودوں کو توپ سے اڑا دیا تھا۔ ایسے ہی چند گاؤں اور تھے، جہاں کے سرشور باشندے بچہ سقا کے مقرب اور معزز عہدیدار بن گئے تھے۔ یہ سب معرض عفو میں آئے مگر سرکاری بندوقیں وغیرہ جو انکے پاس تھیں انکے واپس دینے میں لیت و لعل کرتے رہے۔ یا تو خود حاکم اور مختار تھے، لوگوں کی بندوقیں اور مال و متاع لے سکتے یا اب مجبور ہوئے کہ انہیں رد کر دیں۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں قتل و قید بھی نہیں کئے جا سکتے تھے۔ اس لئے عفو پا کر دلیر ہو گئے اور آہستہ آہستہ نشۂ دوش کا سودا بڑھتے بڑھتے انکی دوبارہ بغاوت پر منتج ہوا۔ لڑائی ہوئی۔ مگر پایۂ تخت سے کافی فوج پہنچ گئی اور سردار شاہ محمود خان وزیر حربیہ نے باغیونکی پوری سرکوبی کر دی بہت شمالی، دریزہ کوہستان اور تگاب سے ہزاروں آدمی حکومت کی مدد کے لئے آموجود ہوئے۔ حتٰی عین سمت جنوبی سے لوگ دوڑے دوڑے آئے۔ باغیوں کا تعاقب ہوا اور تمام صوبوں میں احکام چلے گئے کہ جہاں کہیں بھاگ کر آئے ہوں، گرفتار کئے جائیں۔ باقی کوہ دامن کے باشندوں نے خود بخود یرغمال پیش کئے، تاکہ حکومت انکی طرف سے کاملاً مطمئن رہے۔ ضمناً اس سے ثابت ہو گیا کہ افغانستان کی عموم رعایا جدید سلطنت سے

خوش اور اسکی اعانت کے لئے رضا و رغبت سے جان دینے پر آمادہ ہے یہ بھی اعلیٰحضرت محمد نادر خان غازی کی بادشاہی میں ایک تئی مثال ہے ورنہ پہلے عہدوں میں سرکاری خدمات کے لئے زور اور اکراہ سے لوگ حاضر کئے جاتے تھے۔ رعیت کی ایسی قناعت اور دلی فداکاری قابل یمن و تبریک ہے!

اسکے متعلق کہ محمد نادر خان غازی نے ہندوستان میں امان اللہ خان کی دوبارہ بادشاہی کی بابت وعدہ دیا تھا اسے ایفا نہیں کیا، یا بچہ سقا کو مغلوب کر کے مع اسکے نقا کے فنا کیا، یا تاج و تخت سے انکار کرتے آخر اس پر قابض ہو گئے۔ اگرچہ کافی بحث ہو چکی ہے مگر ایک اور پہلو سے بھی اس پر نظر ڈال لیتے ہیں۔ لارڈ کرزن نے اہل مشرق کو کاذب قرار دیا تو بنگالی سورماؤں نے اس کا کوریہ میں بولا ہوا جھوٹ اس کے ماتھے پہ دے پٹکا۔ سچ اور جھوٹ ایک دوسرے کی ضد ہیں اور انکی خوبی اور بدی میں کوئی کلام نہیں مگر یہ متناسب کلمات ہیں موضوع اور اطلاق کے اعتبار سے انکے معنوں میں فرق آجاتا ہے مثلاً اندھے کو حافظ، بصیر یا سورداس کہہ کر کوئی جھوٹا نہیں بنجاتا۔ حالانکہ سچ کہہ کر اس عاجز کا دل دکھاتا ہے۔ اگر اکبر کے نورتن میں یہ جھوٹ تجویز کیا گیا تو آرتھر کی گول میز میں لولے لنگڑے کو حق دیا گیا تھا کہ صحیح و سالم انسانوں کی عیب گوئی کریں۔ قرآنِ مجید میں صدق و کذب بحث کی نسبت سے مقبول و مردود ہوئے ہیں۔ اسلام کے تصدیق کرنے والوں کو بشارت دی گئی ہے۔ جو دین میں جھوٹے ہوں، اُنپر لعنت کی گئی ہے۔ سچ اور جھوٹ دو دریاؤں کی مانند ہیں۔ ایک میٹھا اور تازہ دوسرا کھاری اور کڑوا۔ دونوں سے فائدے حاصل کئے جاتے ہیں۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ۔ دونوں بحریں ملی چلی ہیں۔ پھر ان کے درمیان پردہ ہے اور ایکدوسرے کی طرف بڑھ بھی نہیں سکتیں!

روزمرہ کے واقعات لیجئے۔ ایک شخص بیمار ہے اور طبیب آکے دیکھتا ہے۔ کہ بحران کی نازک حالت ہے۔

تیمارداروں کو کہتا ہے کہ مریض کو ہرگز مت کہنا کہ تم کسی اندیشے میں ہو۔ بلکہ اُسے تسلّی دینا کہ شفا جلدی ہوئیکا یقین ہے ورنہ صحیح درجۂ مرض بتانے سے ہلاکت کا خوف ہے۔ وہ تو یہ کہکر رخصت ہوجاتا ہے اور اب اسکی بات سُننے والوں کو جنمیں لڑکے لڑکیاں بھی ہیں تاکید کیجاتی ہے کہ خبردار سچی اطلاع مت دینا اور تعلیم دیجاتی ہے کہ جھوٹ بولنا ورنہ بیمار احتمال ہے کہ اصلی بات سُننے کی تاب ہی نہ لاسکے اور اگر سارے گھرانے کا دارومدار اسکی کمائی پر ہو تو اسی سچی خبر سے سب کی تباہی منتج ہوسکتی ہے۔ امکان ہے کہ یہ واقعہ اگر دوبارہ رُخ دکھائے تو جھوٹی تسلی بھی مُوثر نہ ہو۔ مگر سردست تو سچ سے پرہیز ہی مرجح ہے؛

بچہ سقا کے تسلّط نے اعلیٰحضرت محمد نادرخان کے بھائی بندوں کو مجبور کیا کہ اُسکے اعلان پر دستخط کریں جسکا ذکر ہوچکا ہے۔ مجھے لوگ مبارکباد دیتے کہ اس منافقت سے بچے۔ مگر میں اس سے بڑھکر اگر معصیت نہیں تو مصیبت میں گرفتار ہونے کو تھا۔ سقوی فرمان صادر ہوا کہ سردبیر اخبار مقرر کئے جاتے ہو۔ میرے انکار پر اور اس عذر پر کہ بیمار ہوں وزیر خارجہ نے کہا کہ تمہارے حق میں مہلک اور مسافرت میں تمہارے گھر بار والوں کے لئے سخت خطرناک ہوگا۔ تقریباً ایک مہینہ مجھے امان اللہ خان کو بُرا بھلا لکھنا پڑا جو غلط نہیں تھا۔ مگر بچہ سقا اور اسکی سلطنت کی تعریف تو زیادہ تر جھوٹ تھی پھر بھی اسکے ضمن میں عظت و نصیحت کا حق ادا کردیتا تاکہ ملت ان بُرائیوں سے پرہیز کرے جو اس انقلاب اور عذاب کا باعث ہوئی ہیں لیکن بلدی اس دورنگی سے تنگ آکر میں نے قصد کرلیا کہ جو ہوسو ہو، مرض کے عذر پر جو صحیح تھا ہندوستان جانیکی رخصت لے لوں۔ اگرچہ راستے میں بھی خوف وخطر بہت تھے۔ مگر منزل پر پہنچکر تو اطمینان تھا۔ وزیر خارجہ میری چھٹی بچہ سقا کے سامنے پیش کرکے باہر آیا تو کہنے لگا کہ امیر حبیب اللہ خان نے گیارہ سال تمہیں قید میں رکھا امان اللہ خان نے تم پر پستول کھینچا اور اس امیر سے بھی بال بال بچے۔ خدا کا فضل ہوا کہ وہ اندیشوں کے

علاوہ محمد نادر خان غازی جیسے صادق صدیق کی مذمت کرنے سے تو رہائی پائی جس کی نوبت آپہنچی ؛

ہماری قید کے زمانے میں اکثر جھوٹوں کا ارتکاب ہوتا رہا ورنہ زندگی دوبھر بلکہ محال تھی ۔ اول تو بیگناہ محبوس تھے اور کوئی تحقیق ہی نہیں ہوئی تھی ۔ امیر نے میری شکل تک نہیں دیکھی تھی ۔ ڈاکٹر عبدالغنی اگر صدر مجلس تھے تو اُن کے دو بھائی بغیر شمولیت کے گرفتار تھے ۔ ایک ہمارا شریک کرنیل مارا گیا تھا ۔ اس کے پانچ بھائیوں کو بے سبب گھروں سے لاکر بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑ دیا ۔ اسی طرح ناحق ستموں کا لمبا سلسلہ تھا ۔ پھر ہمارے لئے کوئی ضابطہ نہیں تھا ۔ کہ کیا کھائیں کیا پہنیں کیا کریں ۔ محافظین جب اپنی مرضی و منفعت کے رُو سے قواعد گھڑ لیتے ۔ اور ہم بھی اپنی جان سلامت رکھنے کے لئے حیلے تراش لیتے تھے ۔ ایک بندی کا چھوٹا سا لڑکا گھر سے خیریت کا خط لاتا ہے اور اسی طرح کوئی غذا ، دوا یا کتاب کی فرمائش کا پرزہ واپس لے جاتا تو اُسے تعویذ بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جاتا ۔ اور پوچھنے پر وہ جواب دیتا کہ فلاں پیر و مرشد نے دیا تھا ۔ ٹنکچر آیوڈین منگائی جاتی دوا کے طور پر ، اور استعمال کی جاتی اس سفید کاغذ کو اس میں تر کر کے پڑھنے کے لئے جس پر آٹے کے پانی سے لکھا ہوتا اور باہر سے سفید کاغذ کبھی کسی دوا پر لپٹا کرتا ۔ یا پیاز کے پانی سے لکھا ہوا آگ کے سامنے گرم کرنے سے پڑھا جاتا ؛

میں نے ایک دفعہ قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ اپنی ضبط شدہ کتابوں میں سے منگایا ۔ تو وہ پہلے ارگ کے افسر کے پاس پہنچا وہ تھا اَن پڑھ اس کے پاس ایک پڑھا لکھا آدمی بیٹھا تھا ۔ جو امان اللہ خان کے وقت میں وزیر مالیہ ہو گیا اس نے کھول کر دیکھا تو انگریزی کی کتاب تھی اور اُوپر لکھا تھا ترجمۂ قرآن ۔ کہنے لگا یہ لوگ اب تک مسلمان نہیں ہوئے ۔ ایک سپاہی کے حوالے کیا جس نے ردی میں دو آنے کو جا کر بیچ دیا ۔ مجھے

اطلاع ہوئی۔ تو ایک اور سپاہی کو بھیج کر چار آنے میں پھر خرید لیا۔ فارسی میں جو ترجمۂ قرآن لکھا تھا اُسے مٹا دیا۔ اس ارادے سے کہ اگر تلاشی ہوئی جو اکثر پیش آتی، تو کہہ دیا جائے گا۔ کہ ایک انگریزی کتاب ہے۔ ناظرین اپنی عقلِ کامل سے کوئی اور تدبیر کر سکتے۔ ہماری ناقص رائے میں تو یہی حیلے بہانے بجا تھے +

(۱۲)

اعلیحضرت محمد نادر خان اور امان اللہ خان کا موازنہ

امان اللہ خان جمہوریت، حریت اور مساوات کے اعلانات کے ساتھ ایک بالغ بیٹے کی بجائے نو برس کے بچے کو ولیعہد بناتے ہیں اگر ظاہر و باطن مطابق ہوتا، تو اس کام کو ملت کے حوالے کرتے اور جیسا ہر معمولی چیز کیلئے قوانین بنا دیئے تھے اسکے لئے بھی قانون وضع کر دیتے، واضح طور پر نہ ایسے الفاظ میں جو نظام نامۂ اساسی میں درج تھے کہ اصول اولادیت پر سلطنت ہوگی۔ جو سچے علمائے دین کو کھٹکتے۔ اگر جمہوریت کے دعوے تھے تو وراثت کے کیا معنے؟ اگر اسلام کی پابندی تھی تو اسکے بانئے مقدس اور ان کے خلفائے راشدین سے بہتر پیروی کس کی ہو سکتی تھی۔ اور اسمیں بھی وراثت کا دخل نہیں تھا اسکے مطابق کیوں قانون مرتب نہ کیا گیا؟ کیا اس زمانے میں جبکہ دنیا مشروطیت جمہوریت بلکہ اشتراک کیطرف سر توڑ جا رہی ہے یہی لازم تھا کہ خلافت راشدہ کے بہترین طریقۂ انتخاب کو چھوڑ کر فرانس کے تعلیمیافتہ جوان فرزند کی بجائے ایک چھوٹے لڑکے کو یزید سے تبر ولی عہد مقرر کرتے جو اپنے نانا کے آغوش میں شراب نوش سے پرورش پاکر وہی عقائد دل نشین کرتا جو وہ اپنے معاصر کو سکھاتے تھے۔

محمود بیگ خان نے مکتب مستورات کے امتحان میں ایک جماعت سے پوچھا۔ کہ مکہ مقدس شہر ہے یا کابل؟ مکے کی تقدیس کے جواب میں آپ غمگین ہوتے رہے۔ کہیں ایک لڑکی کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ کہ کابل مقدس ہے تو آپ نے اٹھ کر واہ واہ کا شور مچا دیا۔ اتنے میں نماز کا وقت آگیا۔ محمد سلیمان خان (مرحوم)

وزیر معارف نے مصلے طلب کیا تو کہنے لگے کہ مسجد میں کبھی میلے کچیلے لباس والوں کے سوا بھلے مانس کو بھی نماز پڑھتے دیکھتا ہے؟ کیا انہی لوگوں کے ساتھ ملکر بہشت میں رہنا چاہتے ہو؟ اگر میرے ساتھ دو دن نشست و برخاست کرو تو انشاءاللہ تمھیں بے نماز بنا دوں؟ امان اللہ خان کی یہ دلیل تھی کہ بڑا بیٹا بادشاہی اصول پر تربیت یافتہ نہیں ہوا۔ تو اُنکا مطلب یہی تھا کہ چھوٹے کو اسکے نانا کے سپرد کر کے وہ تعلیم دلواتے جس کا وہ لڑکیوں اور وزیروں کے سامنے نمونہ پیش کرتے تھے:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر محمد نادر خان فتح کیا ہوا ملک امان اللہ خان کے سپرد کر دیتے تو دنیا اور تاریخ میں اُنکا نام زیادہ روشن ہوتا۔ اس سے یہ عبارت ہے کہ پھر ایسی سلطنت شروع ہوتی جو نہ جمہوریت پر مبنی نہ اسلامیت پر۔ ایک شخص کے گھر کی میراث ہو جاتی اور پہلا وارث ہی بیدینی اور دہریت کی پرورش سے محمد نادر خان کا نام روشن کر دیتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ۔ میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوتے ہیں وہ نیک بندے دوسرونکو اپنا جانشین کیسے بنا دیتے جنکا ریا، نفاق، ظلم اور مکر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا تھا۔ ایک شخص بار ہا کہتا ہے کہ میں اپنی ملت کا عاشقِ زار اور اپنا آخری قطرہ خون اُسکے لئے ٹپکانے کو تیار ہوں جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو اپنے خاص خاندان کو لے کر بھاگ نکلتا اور ملت کو رقیبوں کے کنارمیں چھوڑ جاتا ہے ؎

ملک الموت من نہ ہستی ام   من یکے پیر زال محنتی ام

ایک شخص جو ہمیشہ عجز و انکسار سے خدمت ملت بجا لاتا ہے اور کبھی زبانی دعوے نہیں کرتا اور نہ کبھی اُس کے بھائی لافیں مارتے بلکہ خاموشی سے جانفشانی کرتے ہیں، جب امتحان کا وقت آتا ہے تو ساحلِ سلامت سے باختیار خود ورطۂ نہلکہ میں پڑتے، خونی غوطے کھاتے آخر غریق کو تباہی سے نکالتے ہیں ؎

اینجا در آب تیغ بخوں غوطہ خوردن است   آئینہ تا کجا بود آئینہ دار مرد

بڑی عبرت کی جگہ ہے۔ امان اللہ خان نے بہت شہرت حاصل کی اور انکے زعم میں رہا کہ زبانی لاف و گزاف سے یہ منزلت قائم رہ سکتی ہے کبھی خیال نہ کیا کہ ابتلا کا زمانہ آئیگا حق اور باطل میں تمیز ہوگی۔ جوانی کی امنگوں میں منبر یا پلیٹ فارم پر آکر دلکش صورت میں تقریریں کرنا جسکی علمی غلطیاں ظاہری شان و شوکت سے چھپ جاتیں اور عملی نتائج استقبال میں پوشیدہ ہوتے، البتہ ایک جہان کو دھوکا دیتا تھا۔ مگر جلدی عیاں ہوگیا کہ اَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَاءً وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ جھاگ سوکھکر چلی جاتی ہے لیکن جو چیز لوگوں کو نفع پہنچائے وہ زمین میں پائیداری کرتی ہے !

مقابلہ کیجئے۔ بچہ سقا توپوں سے نہ ڈر کر بلکہ ایک گولے سے زخمی ہوکر پھر بھی کابل میں اگھستا ہے۔ امان اللہ خان میدان جنگ سے پرے پرے ہی بغیر لڑائی کے بھاگ جاتے ہیں۔ موت کے ڈر سے سلطنت کھوئی جاتی ہے۔ موت سے نہ ڈر کر سلطنت حاصل کیجاتی ہے۔ یہی زندگی کا پاس اور مرگ کا خوف بنی بنائی عظمت کو خاک میں ملا دیتا ہے اور زندگی اور مرگ سے بے پروائی رہزنی و رذالت کو تخت و تاج سے مبدل کر دیتی ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ تم ہرگز خوبی کو نائل نہیں ہو سکتے جب تک وہ خرچ نہ کرو۔ جسے محبت کرتے ہو۔ بادشاہی سے بڑھکر معزز اور جان سے زیادہ عزیز اور شئے نہیں ہو سکتی۔ ایک بادشاہ اس حقیقت سے منہ موڑ کر اور ایک ڈاکو اس پر عمل کر کے اپنی جگہیں بدل لیتے ہیں کیونکہ امان اللہ خان ویسے ہی زر و جواہر چرا کر لے جاتے ہیں جیسے بچہ سقا پہلے کیا کرتا تھا!

محمد نادر خان غازی باوجود مزمن مرض اور سخت ضعف کے یورپ سے حرکت کرتے ہیں۔ چلنے کی طاقت نہیں، اٹھا کر جہاز میں سوار کئے جاتے ہیں افغانستان میں جو کشت و خون اور لوٹ مار کا اکھاڑہ بن رہا ہے آ کودتے ہیں۔ امان اللہ خان تندرست و توانا اور ہزاروں فوج کے مالک جو روز بروز بڑھ رہی ہے

صرف شمالی اور مشرقی سمتوں کی بغاوت سے ڈر کر بھاگ نکلتے ہیں جو دو تو ملک افغانستان کا دسواں حصہ بھی نہیں ؂

شجاعت چوں نبود تیغ کند کار نیام　　　جوہر مردی اگر ہست عصا شمشیر است

محمد نادر خان اکیلے بغیر مال و متاع اور لشکر کے آ داخل ہوتے ہیں جس اطمینان اور امن کی حالت کی تلاش میں امان اللہ خان باہر نکلتے ہیں۔ محمد نادر خان اُسے ترک کرتے ہیں اور جس خوف و خطر سے امان اللہ خان دوڑتے ہیں۔ اسمیں محمد نادر خان خود آ پڑتے ہیں۔ ان دو نو اقداموں کا نتیجہ بدیہی تھا اور اقبال و ادبار کے یہی مظاہر ہیں؛

اعلیحضرت محمد نادر خان غازی کی سیرۃ میں متانت وقار، تواضع اور انکسار اسقدر زیادہ ہیں۔ کہ ان سے بعض ادنٰے خصائل کی اسمیں گویا گنجائش نہیں۔ مثلاً سوائے ان کاموں کے جو ملت کیلئے مفید اور ملک کی ترقی کیلئے لازم ہوں اور کوئی انکو ذاتی شوق ہی نہیں، ظرافت، ہزل، خندہ، قہقہہ، کھیل کود، گانا، بجانا وغیرہ جن کی طرف تھوڑا بہت میلان بعض اچھے لوگوں میں بھی ہوتا ہے۔ اعلیحضرت میں ایسے ثانوی شمائل پائے ہی نہیں جاتے۔ اکثر اوقات جدیت اور سنجیدگی میں رہتے ہیں۔ مگر خشم و غضب آپکے نزدیک نہیں پھٹکتا۔ بڑے سکون کی حالتمیں ایسی باتوں کو سنتے ہیں۔ جن سے انسان غصے میں نھر اُٹھے۔ اسی طرح جب مجرموں کو سخت سزائیں دیتے ہیں۔ اور ام تک تو بھی مزاج میں کوئی تغیر نہیں آتا نہ ہی چہرے پر کوئی غیر معمولی آثار نظر آتے ہیں گویا یہ مجازات چونکہ لابد ہے اسلئے اسکو اصدار کرتے ہیں۔ ورنہ آپ کی طینت میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہے لامحالہ یہ فرزند سے شروع ہوتی چاہیئے جو ایک ہی ہے محمد ظاہر خان۔ باپکے انقلابات میں اسے بھی شریک ہونا پڑا۔ فرانس میں تعلیم پاتے کابل میں آکر مصیبتوں کا سامنا کر کے پھر فرانس میں متعلم ہوا۔ نہ صرف اس کے ساتھ بلکہ سب اولاد وطن کے ساتھ محبت و شفقت کا سلوک کرتے ہیں۔ آپ کی کلام میں درد ملت بھرا

ہوتا ہے جو خلوت میں زیادہ ظاہر کرتے ہیں۔ جذبات میں امید کی افزونی ہوتی ہے یاوسی کو کبھی راہ نہیں دیتے۔
امان اللہ خان کی بیجا مداخلتوں کیوجہ سے ایکدفعہ میں نے کہا کہ مجھے تو اس روش کی عادت پڑ گئی ہے۔ جب
دو تین دن کوئی اچھا کام بے خلل جاری ہوتا ہے تو میں منتظر ہوتا ہوں کہ اب اسمیں کوئی فتور پڑیگا۔ آپ نے
میرے ساتھ افسوس سے اتفاق کیا مگر ساتھ ہی تسلی آمیز باتیں کیں ؛
تکلیفوں اور مصیبتوں میں کبھی نہیں گھبراتے ہمیشہ صبر اور شکر سے کام لیتے ہیں وَلَنَبْلُوَنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ
وَأَنْفُسِكُمْ۔ مالوں اور جانوں کے تلفات کی آزمائش قضاء قدر ہے۔ بادشاہی کے پہلے سال ہی ابھی انقلاب
کی خرابیوں کو رفع ہی نہ کر چکے تھے جسمیں شب روز کی ان تھک مساعی درکار تھیں کہ کابل میں وبائے ہیضہ نازل
ہوئی کبھی کسی بادشاہ نے ایسی ہمدردی نہیں دکھائی تھی کہ شفاخانوں میں متعدی مریضوں کے پاس خود گیا ہو
آپ ملکی اور عسکری دونو ہسپتالوں میں تشریف لے گئے۔ اور ہیضے کے بیماروں کو دلاسا اور تشفی دیتے
رہے اور دونو محکموں کے لئے بجٹ کے علاوہ روپیہ منظور کیا۔ تاکہ معالجات میں کوئی نقص نہ رہجائے
اس کے بعد حکمدیا کہ ہر پلٹن سے بالنوبت تین تین سپاہی شاہی میز پر موجود ہوکر کھانا تناول کیاکریں
امام غزالی نے نماز کو روحانی طعام قرار دیا ہے۔ اسمیں تو مسلمان مساوی تھے ہی جسمانی غذا میں بھی عام
سپاہیوں کو شریک کرکے اور زیادہ مساوات کا ثبوت دیا کہ بادشاہ کو ان سے کسی طرح کی پرہیز اور مباعدت
نہیں البتہ اس سے فخر تمام عساکر کو حاصل ہوگیا ؛
اس اخلاق کیساتھ جب تین ملکوں اور تین بادشاہوں کا تجربہ اور مشاہدہ مل گیا تو اعلیحضرت محمد نادرخان
کی طبیعت میں اعتدال پسندی رواداری اور بردباری کے ساتھ اصلاحات پھیلانے کا قصد مصمم ہوا۔ امان اللہ
خان کے قوانین اور نظامنامے بحال رہنے دیئے البتہ جو چیزیں ان میں قبل از وقت یا عرف کے خلاف

تھیں، ملتوی یا متروک کر دیں۔ بڑی بے غرضی اور ایثار سے سابق عہد کی ان جدید باتوں کو جو بادشاہ کی ذات کے ساتھ منوط تھیں قائم رہنے دیا۔ ع

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

آپ پر عائد نہیں ہوتا۔ دارالامان کی بھی تکمیل ہو رہی ہے، اسلئے کہ اگر ادھورا چھوڑ دیا جاتا تو کروڑوں روپیہ جو خرچ ہوا ہے وہ بالکل اکارت جاتا۔ البتہ بہت سے نقائص دور کر کے اسکو تمام پر پہنچائینگے مثلاً جو لوگ انکی تعمیر پر مقرر ہوتے بقول فیض محمد خان وزیر خارجہ دارالامان کے مساوی بلکہ اس سے زیادہ عمارات انہوں نے اپنے گھروں میں بنالی تھیں۔ علاوہ اسکے شخصی کوٹھیوں کا معیار تو اتنا بلند رکھا تھا کہ سوائے رشوت خوروں کے اور کوئی وہاں گھر ہی نہیں بنا سکتا تھا۔ ایسی باتوں کی ضرور تعدیل ہو گی۔

اعلیحضرت محمد نادر خان صدق و اخلاص کیساتھ لائق اور صالح اشخاص کی خدمات سے استفادہ کر رہے ہیں۔ بخلاف امان اللہ خان کے جو کسی کو کسی کام میں اپنے سے بڑھکر دیکھنا ہی گوارا نہیں کرتے تھے اور پھر جمعیتوں سے خوف کھاتے کہ مبادا انہیں کے مقابلے میں کھڑی ہو جائیں بلکہ بھائیوں پر بیجا شبہ کرتے۔ چنانچہ خود ہی ایک دفعہ فرمانے لگے کہ جب فرانس کو لڑکے جا رہے تھے تو میں نے شہزادہ عبدالمجید کو تعلیم میں پوری توجہ کرنیکی نصیحت کی۔ اس نے کہا کہ صاحب آپ دیکھ لیجئے گا! میں نے دل میں کہا کہ اس لہجے میں تو ایک طرح کی دھمکی ہے۔ پھر یہی شہزادہ اور چند لڑکے جب ایسے افعال کے مرتکب ہوئے جو اسلام میں رجم کی سزا پاتے ہیں تو باوجود انکے تحریری اعتراف کے جو ایک دوسرے کے خطوں میں کیا تھا اور وہ خط پکڑے جاکر حضور شاہانہ میں پیش ہوئے پھر بھی انکو مطلق مجازات نہیں دی۔ اس سے اور کیا استدلال ہو سکتا ہے۔ کہ تعلیمی ترغیب منافقت تھی۔ اور جرم پر سزا نہ دینا دل کی قساوت۔ محمد نادر خان نے بحیثیت بشر کے بہت

سی اصلاحات کیں اور کرنی چاہیں، مگر انکی پیش نہیں چلتی تھی؛

ہماری مجلس جان نثاران اسلام پر مشروط خواہی کے الزام کو امان اللہ خان نے خود ہی اصلاح طلبی سے تعبیر کیا تھا۔ اسی لئے ہم سب کو قید سے رہائی بخشی۔ ہم میں سے ایک محمد انور خان کو پھر گرفتار کرلیا۔ کیونکہ اسکے بھائی نے آپکے قتل کی سازش کی تھی۔ وہ تو توپ سے اڑایا گیا مگر ہمارے سفارش کرنے پر محمد انور خان کی بابت فرمانے لگے کہ یہ میرا دوست اور ہمخیال ہے۔ باوجود اسکے اسے قید میں ڈلے رکھا۔ آخر میں نے لکھا کہ جب آپکے دوست اور ہمخیال آپکے ہاتھوں مصیبت میں پڑے رہیں تو اوروں کو کیا توقع رکھنی چاہیئے۔ پھر بھی کچھ مدت کے بعد اسے آزاد کیا؛

جب ہم کو رہا کر کے مختلف کاموں پر مقرر فرمایا تو ہمارے مخالفین کو بھی جنہوں نے صریحاً بہتان باندھ کر بالعمد قتل کیا تھا اور قرآن میں انکی بابت یہ وعید ہے مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۤؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ ہمیشہ کا دوزخ، خدا کا غضب اور اُس کی لعنت اور عذاب عظیم۔ ایسے اشخاص کو جنہوں نے نو آدمی توپ بندوق اور سنگینوں سے مروائے۔ سو سے زیادہ کو زنجیروں میں جکڑوایا اور کئی قدیم گھرانوں کی تباہی کا موجب ہوئے۔ انکو بھی ہمارے رقبا بناکر معزز عہدوں پر رکھا۔ ملا منہاج نے امیر حبیب اللہ خان کو کہا تھا کہ اگر ہم سب کے سب مارے جائیں تو ہمارا خون اسکی گردن پر ہوگا۔ جب وہ ستارۂ افغان اخبار کا مدیر مقرر ہوا تو ہم لوگ اس زعم میں تھے، کہ اب اصلاح کے دشمن اولاً میدانِ عمل میں نکل کر پھر فساد تو نہیں پھیلائینگے۔ اس کی بابت محمد سلیمان خان مرحوم وزیر معارف کو کہا انہوں نے ہمارے ساتھ اتفاق رائے کیا اور اسے فوراً موقوف کروا دیا۔ مگر امان اللہ خان نے اسے مخبری پر قتغن و بدخشاں کی طرف مامور کر کے بھیجدیا۔ آپ کی دورنگی اور نفاق

کے تو کئی قصے بیان ہو چکے ہیں مگر ایسے پختہ مجرموں اور سنگین سیاہ کاروں سے درگذر ہم لوگوں کی طرف سے بے اطمینانی کے سبب سے تھی۔ یعنی ہماری اصلاحی تحریک اور اسی قبیل کی تجاویز سے اندیشہ تھا۔ چنانچہ اپنے تمام عہد میں کسی سیاسی جماعت کو تشکیل ہونے نہیں دیا۔ بلکہ اجتماعی ہیئتوں کو بھی اشتباہ کی نگاہ سے دیکھتے اور انپر جاسوس مقرر کر رکھے تھے اسلئے اکثر ملّی درد والے لوگ منفرد مساعی کرنے پر مجبور تھے؛

محمد ابراہیم خان مامور بلدیہ اپنی ملّی خیر خواہی میں یگانہ آدمی تھا اور ایمیں بھی بے مثل، کہ رشوت تو خیر معمولی تحفہ تک لینے سے پرہیز کرتا، کیونکہ صرف خدمتِ ملّت کے لئے اس ماموریت میں داخل ہُوا تھا مجلسِ بلدیہ میں مفید تجاویز پیش کرتا۔ مثلاً یہ کہ ہوٹل بنانے سے مقدم کتابخانہ ہے جہاں شہر کے لوگ اخبار بھی پڑھا کریں۔ رئیسِ بلدیہ اور مدیر اسپر کھلم کھلا استہزا کرتے۔ اسکی ہمیشہ خواہش رہی کہ ایک ایسی کلب قائم ہو جو خیراتی کام بھی کرے، چندہ جمع کر کے مساکین کو مدد اور طلبہ کو وظائف دے۔ مگر ان باتوں کی طرف لوگ توجہ کرنیکی جرأت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اُوپر سے خوف کھاتے۔ محمد ابراہیم خان نے دورہ نادرخانی میں ان نافع تحریکات کا موقع دیکھکر اپنے احباب کی مدد سے فوراً ایک مجلس امدادیہ ملّیہ تاسیس کی۔ اعلیحضرت محمد نادر خان نے بڑی خوشی سے اسمیں خود چندہ دیا اور اسکے ارکان کی حوصلہ افزائی فرمائی؛

سردار اسلم خان بلوچ اماتی عہد میں بڑا پریشان حال رہا۔ اسکے دل میں اسلامی خدمات کی اُمنگیں بھری رہ گئیں۔ ایک تو اسلام ہی کی طرف سے بے اعتنائی تھی، دُوسرا ہندی ہونے کی وجہ سے اس کی باتوں پر کسی نے التفات نہ کی۔ وہ بھی مجلس مذکور میں شریک اور اسکے انتظام واجرا میں بڑی کوشش سے کامیاب ہوا ایسے اور خیر خواہ اشخاص بھی شامل ہوئے جنکی معاونت سے یتیم خانہ بھی اس مجلس کا شعبہ قرار پایا۔ جو ابتک افغانستان میں خواب و خیال تھا۔ اعلیحضرت محمد نادر خان نے اسے بھی پسند کیا اور مزید اعانت فرمائی۔

اِن شواہد سے آپ کا خلوص اور سچی ہمدردی ظاہر ہوتی ہے۔ ہر تحریک و تجویز کے ساتھ جو ملّت کی بہبودی کے لئے عمل میں لائی گئی ہو، اگرچہ اُسکے شروع کرنیوالے کوئی اور ہوں، جب خودغرضی اور انانیّت نہ ہو اور صرف ملّت کی ترقی و تعالی مقصود ہو۔ تو البتہ بادشاہ کی طرف سے ایسی مجالسِ خیریہ کیلئے سوائے لبّیک کے اور کیا ندا ہو سکتی ہے؛

(۱) شاہ محمد نادر خان
(۲) سردار شاہ ولی خان
(۳) سردار شاہ محمود خان وزیر حربیہ

مظاہرات جلوس

مجلس امدادیہ ملی

(۱۳)

ایمانی اخوت اور افغانی اعانت

مذکورہ مجلس امدادیہ ملی اور یتیم خانہ افغانی کا ایک وفد اگر اہلِ ہند سے استمداد کرنیکے لئے آتا تو یہاں سے فائز المرام جانے کی امید تھی۔ کیونکہ اب تک چند ہزار روپیہ افغانستان کیلئے ہندوستان سے بھی جمع ہوا ہے۔ مگر حکومت نے مصلحت اور کفایت سے مجلس مزبور کے فرائض کو دیگر شعبوں اور یتیم خانے کو بلدیہ کے سپرد کر دیا۔ پھر بھی اس کے اغراض و مقاصد موجود ہیں اور امداد مطلوب ہے۔ اگر اہلِ ہند خالص ثواب کی غرض سے اس ملک کی اعانت کرنا چاہیں تو قونصل جنرل افغان مقیم دہلی کے پاس روپیہ روانہ کر سکتے ہیں۔ پہلے اسکے ساتھ خط وکتابت کر کے دریافت کر لیں۔ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ ذَالِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔ انکی زیادہ سرگوشی میں کوئی فائدہ نہیں ہاں اگر کوئی صدقے یا پسندیدہ امور یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا امر اور ترغیب دے اور صرف خدا کی رضا کے حصول کیلئے یہ کام کرے تو آخر اُسے اجرِ عظیم ملکر رہیگا۔

افغانستان کے بادشاہ، صدرِ اعظم اور اکثر وزرا کا ہندوستان میں متولد اور تربیت یافتہ ہونا اس معاونت کے حقوق کو قائم اور ثابت کرتا ہے۔ اس مقاربت کے علاوہ دونو ملک ہمجوار ہیں اور رشتہ ہمسائیگی سے بھی امداد کا دعوے پیدا ہو جاتا ہے۔ باوجود اس کے مخالف اور موافق پہلو سے اس پر بحث کر لیتے ہیں

اس زمانے میں اکثر اسلامی ممالک ملی رنگ سے ملون ہو کر ایمانی اخوۃ کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں، کیونکہ اسکے حقیقی معنی نہیں سمجھے گئے۔ حاکم اور مستقل ملتیں اپنی آزادی کے نشے میں مست دوسروں کو خیال میں بھی نہیں لاتیں۔ اور محکوم اسیر اقوام ہیں کہ دینی برادری کی دھن میں لگی ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ بیشک مومن بھائی بھائی ہیں۔ مگر بھائیوں میں بھی تفاوتِ درجات ہوتا ہے۔ ایک گدا نے کسی غنی سے سوال کیا تو اُس نے ایک پیسہ دیا۔ کہا ہم تو بشریت کے لحاظ سے بھائی بھائی ہیں۔ جواب ملا۔ کہ اگر ایسا ہے۔ تو دوسرے بھائیوں کے آگاہ ہونے پر کسی کے حصے میں کوڑی بھی نہیں آئے گی۔ میراث میں سب مومن بھائی شریک نہیں ہیں۔ اسی سے کلی فرق برادری میں واقع ہو جاتا ہے۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ۔ خدا کی کتاب میں رشتہ دار ایک دوسرے پر حق رکھتے ہیں۔ اور باقی دوستوں پر صرف احسان اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا ارشاد ہوتا ہے۔ پھر ذِی الْقُرْبٰی وَجَارِ الْجُنُبِ وَصَاحِبِ بِالْجَنْبِ کی ترتیب نے مسئلے کو اور واضح کر دیا ہے۔ جس کی زیادہ تشریح شریعت میں شفع کے حکم سے ہو جاتی ہے۔ ایک محلے یا گاؤں میں دوسری جگہ کا مسلمان زمین نہیں خرید سکتا۔ اگر وہیں کے لوگ خریدار موجود ہوں جب ایک قریے اور قصبے کے مسلمانوں میں خصوصیت اور علیحدگی کر دی گئی۔ تو ایک ملک اور وطن کے مسلمان تو بہت زیادہ جدا اور بیگانہ ہو جاتے ہیں اور یہ طبیعی اور بدیہی بات ہے دینی امر کے علاوہ برک کہتا ہے کہ محبت اس چھوٹے سے طبقے کیساتھ جس سے ہم جمعیت بشری میں منسوب ہیں حب الوطنی کے جذبات کا بیج ہے۔ اسی لحاظ سے قرابت اور شفع کے حقوق ٹھیرائے گئے، یہ ہوائی اور موہوم تخیلات ہیں کہ ایک مملکت کے مسلمان دوسروں کیساتھ یگانگی کا ادعا کر سکتے ہیں۔ البتہ خلق اور سلوک

کیلئے برادری کا اطلاق کیا گیا ہے اور نوبت پہنچے تو دور کے مسلمانوں کا بھی حق مرعی رکھنا لازم ہے ؛
اب یہ حق آخر ابن السبیل ہی کا رہجاتا ہے کہ جب مسلمان ایکدوسرے کے وطن میں مسافر یا سیاح کی حیثیت میں جائیں تو آپسمیں لطف و مدارا سے اٹھیں بیٹھیں۔ اس حقیقت کو نظر انداز کرنیسے مسلمانوں میں غلط امیدیں پیدا ہوکر پھر مایوسیاں رونما ہوتی ہیں اور ایک ملک کے مسلمان دوسروں سے شکایت کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ فطری امر یہی ہے کہ ہر شہر، ہر صوبے اور ہر ملک کے باشندے اپنے اپنے علاقوں کیساتھ مقدم شغف رکھیں اور پھر دوسری جگہوں کے ساتھ مروت کریں باہم اتحاد سے رہ کر ایکدوسرے کو نفع پہنچائیں اور دوسروں کو بھی آخر خاطر میں لائیں۔ البتہ بعض ایسے حالات ہیں جنمیں معاملہ منقلب ہوجاتا اور مؤخر مقدم بنجاتا ہے مثلاً ایک مسافر یا سیاح بیکس یا مجروح ہوکر کسی کے گھر کے سامنے آپڑے تو اسکی مدد اور تیمارداری اپنے رشتہ دار اور پڑوسیوں سے بڑھکر لازم ہوجاتی ہے یا موثوقہ ذرائع سے اطلاع ملے کہ کسی آفت سماوی یا زمینی سے دوسرے ملک کے مسلمان سخت مصیبت زدہ اور قابل اعانت ہوگئے ہیں۔ تو انکی فریاد کو پہنچنا واجب ہوجاتا ہے۔
گذشتہ انقلابات میں افغانستان پر سخت صدمات پڑے ہیں اور مالی جانی نقصانات کا کوئی اندازہ نہیں رہا۔ کئی بار خزانہ لٹا۔ مدارس مع کیمیا خانوں کے جلے۔ میگزینیں خالی ہوگئیں۔ سرکاری عمارات برباد ہوئیں اور ہر طرف ویرانی نظر آنے لگی ؛
امان اللہ خان اور انکے عزیز ملک کو ڈاکوؤں کے سپرد کرکے بھاگ گئے۔ پہلے انہی کی غفلت سے رہزنوں نے اتنا زور پکڑا کہ تخت و تاج کے مالک بننے کے قابل ہوگئے، سپاہ کے حق میں ایسی بے پروائی ہوئی کہ وہ بیدل اور شکستہ خاطر ہوکر اس حکومت کیلئے لڑنے پر آمادہ نہوئی۔ جسنے اسکی تنخواہ کے کھائے جانے سے افسروں کو نہیں روکا تھا۔ رعایا کو ایسے حکام کے سپرد کیا، جو دن دہاڑے چوروں سے ملکر اسکو لوٹتے اور

کوئی بازخواست نہوتی سلطنت کو باپ کی میراث سمجھکر اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر رکھا تھا جو علانیہ ظلم و ارتشا سے اپنا پیٹ و جسم پالتے اور اسکے ساتھ ہی ملک سے غائب ہوگئے اور زر اندوختہ بھی لیتے گئے یہ مجرم کروڑوں روپیہ اڑا کر وطن کو چھوڑ بیٹھے اور مزے سے باہر عمریں بسر کر سکتے ہیں۔ غریب ملت کے روپیوں کو جو پیسہ پیسہ کرکے جمع ہوئے تھے پاؤنڈوں کی صورت میں لیگئے۔ اور بیشمار جواہرات جن سے وطن کی ترفیہ و تزئین کا سامان مہیا ہوتا انہی کی جیبوں میں باہر چلے گئے ہیں۔ ایسے حالات میں ہندوستان کے مسلمانوں اور نیز دیگر باشندوں کو یہ امر زیب دیتا ہے کہ نئی سلطنت کے قیام و استحکام میں ساعی ہوکر حتی الوسع مدد دیں۔ اگرچہ اس تنگی اور بے زری کے مرحلے سے افغانستان جلدی نکل جائیگا۔ مگر ہندوستان کا یہ احسان ہمیشہ یادرہکر اتفاق کا باعث ہوگا۔ جو دونو ملتوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے ؎

دریں دنیا کسے محتاج کس نیست
ہمیشہ کارِ دل افتادہ با دل

حصّہ سوم

انقلاب کے عجیب و غریب اسباب اور نتائج

(۱)

تاریخی نظائر

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَرَّۃً اَوْمَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا ھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ
آیا نہیں دیکھتے کہ ہر سال ایکدفعہ یا دو دفعہ فتنے میں ڈالے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نصیحت نہیں پکڑتے؟
ہر شخص اپنی عمر میں ایسی آزمائشیں ملاحظہ کرتا اور ہر برس ایک یا دو بار موقع پاتا رہتا ہے کہ اپنے بُرے اعمال سے پلٹے اور نیک کاموں کی طرف رجوع ہو۔ جس طرح اشخاص کے مجموعے سے قوموں کی تشکیل ہوتی ہے اسیطرح افراد کی عمروں کی میزان بھی ایک ملّت کی حیات بنکر البتہ مدت مدید ہو جاتی ہے۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ خدا کے نزدیک ایکدن تمہارے شمار کے ایکہزار برس کے برابر ہے ؎

حق نہ قادر بود بر خلق فلک　　در یکے لحظہ بکُن بے ہیچ شک
پس چرا شش روز آنرا بر کشید　　کُلَّ یَوْمٍ اَلْفَ عَامٍ اے مستفید

ایک ملک میں تدریجی واقعات سینکڑوں سالوں کے بعد ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ اُنکا اچھا یا بُرا نتیجہ لابد ہو جاتا ہے۔ آخری زار روس اور اسکے سردار گذشتہ بادشاہوں اور اُنکے ندما کی نسبت بُرے نہیں تھے ایسے بُرے کہ پہلے تو معاف کئے جاتے اور قتل و غارت صرف پچھلوں پر وارد ہوتی۔ ہکذا فرانس کا لوئی اور اُسکے وزرا پہلے پندرہ لوئسوں اور اُنکے ارکان و اعیان سے بدرجہا بہتر تھے مگر سب خمیازہ آخری گروہ کو بھگتنا پڑا۔ عذاب ملل میں یہ نکتہ ہے کہ تاریخی نظائر سے مابعد کے لوگوں کو زیادہ عبرت ہونی چاہیئے۔ جب

انہوں نے ماسبق سے استفادہ نہ کیا تو لاجرم مستوجب عقاب ہوئے ؎

رعی اللہ انسانا تیقظ بعدھم | لان مصاب الزید مزجرۃ العمرو

زید کی مصیبت عمرو کے لئے موجب تنبیہ ہونی چاہیئے۔ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ۔ اگر ہمارے پاس پیشینیوں کا احوال موجود ہوتا تو ہم خدا کے مخلص بندے ہوتے باوجود تاریخ اور سیر کے جب نصیحت نہ ہوئی تو عذاب کا استحقاق ظاہر ہے!

قوم افغان کی زندگی کا ایک سال لیجئے ملک سرسبز و شاداب عدل و داد جاری اور ایک لاکھ مسلح فوج ہر وقت تیار ہے۔ یعقوب خان اور ایوب خان جیسے شہزادے ہونہار صلح اور بہادر ملک و ملت کی امید گاہ ہیں۔ مکتب حربیہ میں منضبط تعلیم عسکری دی جاتی ہے حتیٰ کہ نئی قواعد کیساتھ سب طلبہ یورپین فوجی ٹوپی پہنتے ہیں۔ ایک تصویر دار اخبار بھی کابل سے شائع ہوتا ہے جسمیں ترکی اور یونان کی لڑائی کی تصاویر بھی چھپی ہیں جو اس زمانے میں چھڑی ہوئی تھی!

تصویر کا ایک اور رُخ ملاحظہ کیجئے۔ سمرقند میں ایک تنور کے آس پاس دو بھوکے لڑکے بیچین پھرتے ہیں کہ روٹی کچی ہی ہو جلدی انکی تسکین کا باعث ہو جائے۔ انکے باپ کو روس کا فی تنخواہ نہیں دیتا جو مہینے کی کفالت کرے۔ اسکے ختم ہونیسے پہلے کہیں سے قرض دام کر کے بلکہ کبھی دھاڑے کے ذریعے سے گذارہ ہوتا ہے یہ فاقہ کش لڑکے افغانستان میں آجاتے ہیں۔ ان میں سے بڑا بادشاہ بنجاتا ہے اور چھوٹا نائب السلطنہ انکو ترقی و تعالی کے مواقع نصیب ہوتے ہیں۔ مگر پہلا گذشتہ تلافی کیلحاظ اکثر اوقات دیگچہ پزانی میں مصروف رہتا ہے۔ یعنی وہ اور اُس کے اہل دربار ہر روز طرح طرح کے کھانے خود پکاتے اور حظ اٹھاتے ہیں۔ اور دوسرا بیش قیمت تحائف لے کر جو رشوت پر ملمع ہے حکومتیں عطا کرتا ہے۔ ایکدفعہ مستولی الممالک کی

ضیافت پر کھانا تناول کرتے ہوئے کہنے لگا کہ ہم سور کا گوشت کھاتے ہیں؛

یہ تو امیر حبیب اللہ خان اور سردار نصر اللہ خان کے زوال کے بعض وجوہ ہوئے۔ مگر پہلے امیر شیر علی خان کا تختہ کیوں کر الٹ گیا اور ان دو شہزادوں کا باپ کیسے فرار کی حالت زار سے دفعتہً تخت کا مالک بنگیا۔ افغانستان کے نظم و نسق میں عجیب و غریب امور پیش آئے ہیں۔ سردار محمد رفیق خان لودین مارا جاتا ہے اور امیر عبد الرحمٰن خان اسکے قتل کا موجب بیان کرتا ہے کہ وہ بہت بڑا اور ملک چھوٹا۔ اسمیں اسکی سمائی نہ تھی انہی وجوہ پر سید جمال الدین افغانی کو مسافرت کا منہ دیکھنا پڑا۔ جو صلاحات وہ جہان کی عام فضا میں کرتا رہا اگر افغانستان جیسے چھوٹے ملک میں مرکوز ہو جاتیں تو ہر گوشہ و کنار سیراب اور میوہ زار ہو جاتا۔ ملت افغان کے تنویر افکار اور انکے کردار کو پُر انوار بنانے میں بڑی مدد ملتی۔ وطن ظلمتکدہ رہا۔ کیونکہ یہ حرث و ہدایت کا آفتاب غروب ہو کر مغرب میں جا طلوع ہوا۔ جہاں اسکی روشنی سے چند اصحاب کو فائدہ پہنچا اور ایک دو نخلستان افریقہ میں لہلہانے لگ گئے؛

دُوسری طرف مطلع سیاسیات تاریک ہو گیا وہ یوں کہ سید نور محمد شاہ صدر اعظم رحلت کر گیا وہ کہا کرتا تھا کہ افغانستان میرے ہی حین حیات تک خارجی دستبرد سے بری رہ سکتا ہے۔ اسکی دیرینہ دانشمندی اور پیش بندی اس منحوس فال کی مصدق تھی۔ ضرب المثل ہے کہ افغانستان میں اچھا زندہ اور برا مردہ نہیں پایا جاتا۔ قاضی جلال الدین نے کہا تھا ؎

دہر دوں پرور کہ زنگی را نہد کافور نام
ظلمتِ بوجہل را نورِ محمد نام کرد

اسکے بعد لوگ اسے یاد کرنے لگے ؎

جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی ہرگز
یاد آئیگی تمہیں میری وفا میرے بعد

سلطنتِ برطانیہ سے بے اعتنائی برتی جانے لگی۔ اور امیر کی طبع کا میلان روس کی طرف ہُوا۔ سرد ملکوں میں محاورہ ہے کہ مینہ سے بچکر اولوں کے نیچے کھڑے ہوئے اور گرم جگہوں میں کہتے ہیں کہ چُولھے سے نکل کر بھاڑ میں پڑے۔ انگریز کابل میں جا پہنچے اور امیر مزار میں روس کا دست نگر ہو بیٹھا۔ غیروں سے تو کمک کیا ملتی۔ اپنوں سے بھی مایوسی ہوئی تو شاہ اولیا کے پہلو میں ہمیشہ کیلئے لیٹ گیا ؎

از فیض نارسائی است آسودگی دریں دشت　　دستم چو کوتہ کرد پائے دراز کردم

اس ناامیدی کی دلیل یہ تھی کہ کابل کے باشندوں نے علانیہ کہنا شروع کیا۔ ہم ایسے بادشاہ کے ساتھ کیسے عقیدت رکھ سکتے ہیں جو ہم کو اور ہمارے زن و فرزند کو آفت میں چھوڑ کر خود عافیت کی راہ لے اس فرار سے رعیت اور سپاہ دونو کو نفرت ہوئی بلکہ اُنکے دلوں میں امیر کے سارے خاندان کی جانب سے کینہ بیٹھ گیا۔ جو بعد میں دوسرے خاندان کی وراثت کا باعث ہُوا۔ امیر شیر علی خان کے اپنے خاندان اور اکابر قوم سے بھی تائید و امداد کی توقع نہیں تھی۔ کیونکہ وہ بھی شاہانہ عظمت کے اعتراف کے ساتھ اس امر پر اعتراض کرتے تھے کہ ولیعہد کے تقرر میں بے انصافی ہوئی ہے۔ جب در پردہ اثرات سے کمسن عبد اللہ جان وارث تاج بنایا گیا۔ تو یعقوب خان نے ہرات میں جہاں وہ نائب الحکومہ تھا روگردانی کر کے بغاوت کا جھنڈا گاڑ دیا۔ امیر نے اسکے سگے بھائی ایوب خان کو ترغیبِ اطاعت کے لئے روانہ کیا۔ تو وہاں پہنچکر وہ بھی باپ کے خلاف بھائی سے متفق ہو گیا۔ لائق اور ارشد فرزندوں کی موجودگی میں ایک نابالغ بچے کا حق مبرہن نہیں ہو سکتا تھا۔ فتنہ و فساد کا بازار گرم ہُوا۔ یعقوب خان کو گرفتار ہو کر کابل میں پابزنجیر رہنا پڑا۔ سردار اور خوانین دل سے اُسکے طرفدار تھے۔ الغرض خلوص اور صمیمیت بادشاہ اور رعایا کے درمیان باقی نہ رہی ؛

امان اللہ خان مساوات پسندی کا اظہار حد سے زیادہ فرماتے تھے یورپ سے مراجعت پر تو القاب اور خطاب سب اڑا دیئے حتیٰ کہ درباروں میں نشست کا فرق اور تفاوت درجات موقوف کر دیا۔ سوائے چند فوجی نشانوں کے باقی سب تمغے برطرف کر دیئے فی الجملہ جمہوریت کی علامات بروز کرنے لگیں۔ فرمایا کہ مجھے اعلیحضرت کے کلمے سے تو کیا محض صاحب کے لفظ سے بھی مت بلاؤ۔ نرا نام ہی لو۔ ان نرالی باتوں کے ساتھ تمام ملت کے وکلا کے سامنے ولیعہدی کا مسئلہ پیش کرتے ہیں اور اپنے بڑے اور بالغ بیٹے کو جو چھ سال سے فرانس میں زیر تعلیم تھا محروم کر کے چھوٹے نو برس کے لڑکے کو ولیعہد قرار دیتے ہیں۔ جمہوریت و مساوات میں وراثت ہی کی سمائی نہیں پھر سنت نبوی اور خلافت راشدہ کی پیروی کہاں اسکی اجازت دیتی ہے۔ یورپ کے تعلیمیافتہ افغان جو شہزادہ ہدایت اللہ خان کیساتھ طالبعلم تھے اس حرکت سے بہت برآشفتہ ہوئے۔ جرگے میں والدہ شاہانہ موجود تھیں۔ اس نامناسب ولیعہدی کے اعلان پر سخت آزردہ خاطر ہو کر باہر نکل گئیں۔ ماں کی رضامندی جو رشید فرزند کیلئے لازم ہے ہاتھ سے گئی۔ وکلائے ملت کو خدشہ ہوا کہ جب ملوکانہ گفتار و کردار میں موافقت نہیں تو ہم اعتبار کیسے کر سکتے ہیں امیر شیر علی خان کی مثال سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور خود اپنی کامیابی کو بھی بھول گئے کہ باوجود ولیعہد نہ ہونیکے صاحب تاج و تخت بنے تھے۔ غرض یہ کہ۔ ع

چوں زحق گشتی ہمہ چیز از تو گشت

پھر عدم توکل کا ایک اور نمونہ پیش ہوا۔ جب جلال آباد میں باغیوں نے اور کوہ دامن میں ڈاکوؤں نے زور پکڑا تھا تو قندھار، ہزارہ جات، ترکستان اور ہرات سے ہزاروں آدمی دار السلطنت میں مدد کیلئے آپہنچے اور پہنچ رہے تھے پھر جو اس باختہ ہونیکی کیا دلیل تھی؟ پہلے تو حرم سرا کو مع جواہرات کے قندھار بھیج دیا۔ پھر بے خبر

موٹر میں بیٹھکر خود بھی چلدیئے۔ وہی تاریخی اعادہ ہوا امیر شیر علیخان کی بربادی سے کوئی سبق حاصل نہ کیا کہ اس نے لڑائی سے گریز کر کے اور خطرے سے نکلکر کہاں ساحل سلامت تک رسائی پائی تھی۔ جواب متوقع ہو سکتی۔ ملت کو پہلے سے بدرجہا بڑھکر تنفر اور غصہ آیا۔ کیونکہ امان اللہ خان اپنی فرط حمیت میں بارہا فرما چکے تھے کہ میں ملت کا عاشق ہوں اور اسکی حفاظت میں آخری قطرہ خون ٹپکانے کو حاضر ہوں۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔ اگر دل میں یہی عزم تھا کہ ملت پر جان نثار کرونگا تو کیوں ثبات سے کام نہ لیا۔ البتہ وعید خداوندی سے بے پروائی کی کہ ہر ایک عضو سے بازخواست ہوگی۔ اگر فداکاری کی نیت نہیں تھی تو زبان سے غلط کہا حالانکہ محکم اور مضبوط بات کہنے کا امر ہے۔ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۔ اگر جبن سے یہ حرکت سرزد ہوئی۔ تو پھر بھی کوتاہ اندیشی تھی۔ اِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ موت یا قتل سے بھاگنے کے بعد قلیل تمتع کے سوا اور کیا ہاتھ آئیگا اور قلیل کے اصلی معنی بہت ہی نکمے ہیں۔

امیر شیر علیخان کے نو وزیروں[۵] کی بابت کابل کے لوگوں نے برے الفاظ میں ہجو کہی تھی۔ اور وہی اسکی تباہی کا باعث ہوئے۔ وَضْعُ شَيْءٍ فِي غَيْرِ مَحَلِّهٖ ظلم کی تعریف ہے۔ نااہل افراد بزرگ عہدوں پر سرفراز ہوکر اور لائق ذوات مفید خدمات سے محروم رہ کر مملکت کی خرابی کا موجب بنتے ہیں۔ امان اللہ خان نے فوجی افسروں کو ملکی اور سیاسی وظائف پر مامور کیا اور اسیطرح جن اشخاص نے کبھی میدان جنگ میں تو کیا قواعد کیلئے پاؤں نہیں دھرا تھا۔ انکو جرنیل اور سپہ سالار مقرر کیا۔ اس کج وضعی نے ایسی وسعت اختیار کی کہ لیاقت مناسبت اور موزونیت کا خون ہوگیا۔ ایک طرف مشورت طلبی کے دعوے دوسری جانب ایسی خودسری کہ کسی کی صلاح کو مطلق نظر میں نہ لاتے۔ یہ خودرائی بنفس خود بڑا عیب تھا مگر جس وقت ریا بھی ساتھ منضم ہوگیا۔ تو

---

۵ نُہ وزیران شش دیوث و سہ دلہ ✤ ہست زان جملہ وزیران ارسلہ

ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ جب کسی کام کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا جاتا تو اندھیرے میں ہی دکھائی نہ دیتا چہ جائیکہ مقصد پر قبضہ ہوتا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کے جواب میں یہی صدا آتی۔ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ۔ افغانستان جیسے اسلامی ملک میں نوجوانوں کی فوجی تعلیم کے لئے ایسے شخص کو ممتاز کئے رکھا جو شراب کے نشے میں مست ہونیکے علاوہ عقاید ہی کی رُو سے اخلاق کا قائل نہیں تھا۔ یہ محمود سامی پاشا ہزاروں روپیوں کی جاگیر اور وافی تنخواہ کے باوجود مزے سے رشوت کھاتا اور علانیہ خدا کو بھی گالیاں دیتا تاکہ بقول حضرت مسیحؑ " نہ صرف جو چیز تمہارے منہ میں جاتی ہے بلکہ وہ بھی جو باہر نکلتی ہے تمہیں نقصان پہنچاتی ہے " داخلی اور خارجی گناہوں کا مرتکب ہو اور کوئی سزا بھی نہ پائے ؛

سعدیؒ نے ہارون رشید کا ذکر کیا ہے کہ فرعون کے بدلے میں مصر کا حاکم ایسے احمق کو مقرر کیا جو لوگوں کی شکایت پر کہ خشک سالی سے روئی نہیں ہوئی کہنے لگا کہ اون کیوں نہیں بو دی تھی ؟ ایسے تقرر شاہانہ تخیل کو لطف حاصل ہوا ہو گا مگر باشندوں پر تو پاگل کی حکومت قیامت تھی۔ امان اللہ خان ایک ابتدائی طالب علم کو اپنا مصاحب بنا لیتے ہیں۔ خیر طوطے اور مینا کو بھی اپنے پاس رکھ لیا جاتا ہے مگر اس لڑکے کو قندھار میں تفتیش مکاتب کیلئے بھی منتخب کرتے ہیں گویا بادشاہ کا حکم عصائے موسوی تھا جو صدور کے ساتھ ہی جہالت و ناتجربہ کاری کے سانپوں کو نگل جاتا۔ جیرار نامی ایک فرانسیسی کو مکتب زراعت کا مدیر بناتے تھے۔ حالانکہ اس نے فن مذکور میں کوئی خاص سند حاصل نہیں کی تھی چونکہ اسکی تنخواہ ایکہزار کے قریب تھی۔ اور زراعت کیلئے وہ مطلقاً غیر موزوں تھا میں نے اسکے تقرر کے خلاف احتجاج کیا مگر بیسود۔ اسکے ماتحت ایک اور فرانسیسی استاد تھا جسکو کشمیری زعفران مع سری نگر کی مٹی کے بونیکے لئے دیا گیا۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگا۔ کہ جلال آباد بھیجدیا گیا ہے۔ مجھے تعجب ہوا کہ سرد ملک کی چیز گرم جگہ کیسے ہوگی۔ مگر جلدی معلوم ہو گیا۔ کہ جھوٹ

بولتا تھا۔ تخم پڑا گل گیا تھا۔ لداخ کی بکریوں سے سر مو فائدہ نہ اٹھایا گیا اور ناچار وہ وطنی چرولہے کے حوالے کی گئیں۔ پشم اور پنبے کے درمیان بے تمیزی ایک کابل کے مکتب زراعت تک محدود نہیں تھی۔ مزار میں ایک جرمن دیوانہ محض اور جلال آباد میں ایک جرمن نیم مجنون مکاتب زراعت میں تنظیم و تعلیم کا کام کرتے تھے۔ یہ مٹھی بھر بطور نمونہ بیان کرتا ہوں ورنہ تمام اداروں، دفتروں اور محکموں میں یہی ظلم تھا کہ اہل اشخاص مقرر نہیں ہوتے تھے۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ زمین خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسکا وارث بناتا ہے اور انجام متقیوں کا ہے۔ تقویٰ کی ایک تعریف یہ ہے کہ انسان خدا کی بازخواست کے ڈر سے اپنے ظاہری و باطنی قوا و حواس کو اس استعمال میں لائے جسکے لئے وہ ودیعت کئے گئے ہیں۔ اگر بادشاہ زمین کو اپنی ملکیت قرار دیکر اسکا وارث خود جسے چاہے بنائے اور اہل تقویٰ کا لحاظ نہ رکھے تو چونکہ آخر میں وہی کامیاب ہوتے ہیں اسلئے خود اس بادشاہ کی وراثت مسدود ہو جاتی ہے۔

ابو نصر فارابی اور نیز یورپین حکما نے ایسے بادشاہ کی سلطنت کو بہترین قرار دیا ہے جو نیک نیت اور لائق ہو کر بلا مزاحمت اصلاحات نافذ کر سکے۔ مگر ایسا حاکم اتفاقاً کبھی پیدا ہوتا ہے اور قرنوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ عصر حاضر میں امان اللہ خان ہد کثیر تک اسکی ایک مثال تھے۔ انکے عزم و عظمت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ مگر انہی کی طرح افغانستان میں ایک اور خاندان بھی بمثیال تھا۔ جہاں سب معزز گھرانے رشوت ستانی اور ظلم سے ملوث تھے وہاں مذکورہ دودمان ان سب آلائشوں سے پاک تھا مگر اسی کو برطرف و بے اختیار کر کے امان اللہ خان نے اپنی رفعت کو پستی سے بدل لیا۔ اور ملک کو سخت مالی اور جانی نقصان پہنچا۔ انکو محمد نادر خان کی مترقی شہرت سے اندیشہ ہوا کہ مبادا انکی بادشاہی میں مشترک نہ بن بیٹھے۔ اپنی کبریائی کی خیالی حفاظت میں علاوہ بے تحاشا کشت و خون کے سب سے زیادہ مفید خدمتگار ملت اور فداکار دولت کو ہاتھ سے کھو دیا۔ اور ہوا بھی وہ جسکا گمان تھا
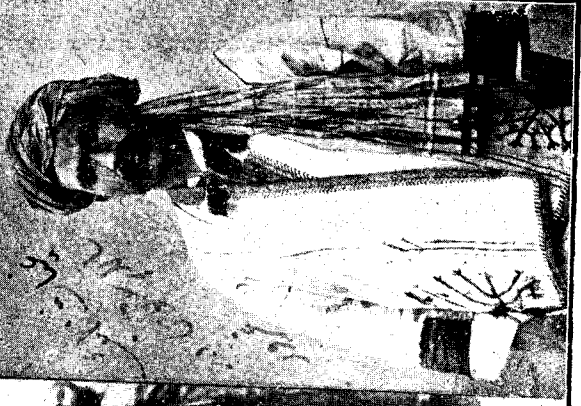
سمت جنوبی کی بغاوت میں سینکڑوں گھر برباد ہوئے، ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں اور خزانہ خالی ہوگیا صرف اسلئے کہ بادشاہ کی انانیت کسی غیر کی شرکت کو برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ جہاں مجرموں کو بادشاہی وزارت اور دوسرے عہدوں سے دستبردار ہونا پڑا، وہاں جن اشخاص کی خیرخواہی اور خالصانہ خدمات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھیں انکو سربلندی اور اعزاز کا اجر ملا۔ عبث اور مضر لوگ جھاگ یا خس و خاشاک کیطرح جو طوفان کے اثنا میں چند سے اوپر جاتے ہیں، سوکھ کر الگ پڑے رہ گئے اور جن سے خلقت کو نفع رسانی کی امید تھی، پائیدار وقار سے اٹھے گئے ؛

(۲)

قطاع الطریق کا دور دورہ

بچہ سقا نے سوداگروں کی ایک مجلس میں تقریر کرتے ہوئے یوں کہا کہ تم لوگ جانتے ہو میں برسوں سے تمہارا بادشاہ تھا۔ جب تمہارے قافلوں کو لوٹتا تو جسے چاہتا چھوڑتا جسے چاہتا مارتا اور اچھے سے اچھا سامان اپنے لئے رکھتا۔ اب نام کو بادشاہ ہوں۔ مگر تم سب کا غم کھانا میرے حصے میں آگیا ہے رات مجھے اطلاع پہنچی کہ فلاں دستہ فوج کو ایک گاؤں سے روٹی نہیں ملی تو میں نے بھی کچھ نہ کھایا میرے باپ[1] نے کہا کہ امیر عبدالرحمٰن خان اپنی نئی سلطنت میں سینکڑوں آدمی ہر رات مرواتا تھا تمہیں بھی اس بیرحم گاؤں کا ایک آدمی زندہ نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ مگر میں نے صرف چند سرغنوں کو قید کیا۔ پھر مجھے سارے ملک کی نیکنامی کا فکر ہے چنانچہ جرمنی فرانس وغیرہ کے ملازموں کو موقوف کرتے ہوئے انکی قراردادوں کے بموجب سب کی تنخواہیں اور سفر خرچ ادا کر دیئے حالانکہ جو وعدہ امان اللہ خان نے کیا تھا۔ اسکا بجا لانا مجھ پر فرض نہیں تھا مگر ملت کی عزت کے خیال سے میں نے لاکھوں روپے صرف کرنے بہتر سمجھے۔ اب ان نوکروں سے میں دوچار ہوں اور تم جانتے ہو کہ پہلے میں آزاد اور خوشحال تھے؛

سب سوداگروں نے تائید کی اور فی الحقیقت بچہ سقا اور اسکے بیسیوں ڈاکوؤں کی حکومت چند سال سے کابل کے شمالی سو میلوں میں قائم تھی۔ تمام دیہات میں ہر وقت دھاڑے کا خطرہ رہتا۔ بعض دولتمند گھروں میں ہزاروں روپے حوالہ کئے جاتے۔ اور انکار پر ان کو آگ لگائی جاتی۔ دن دہاڑے موٹریں اور گاڑیاں لوٹی جاتیں۔

---

[1] اسکو بابا سقہ کہتے تھے اور کبھی یہ کام کر چکا تھا۔ وہ فخر کرتا کہ میرا نام عبدالرحمٰن ہے۔ جیسا اسکے بیٹے کا نام حبیب اللہ ہے؛

کوہستان کے ایک مکتب سے اٹھارہ لڑکے کابل کی طرف اعلیٰ تعلیم کیلئے لاری میں آ رہے تھے۔ بچہ سقا نے نعرہ مارا مگر موٹر نہ ٹھیری تو ایک گولی ٹائر کو پھاڑنے کے لئے کافی تھی اور دوسری ڈرائیور کو شہید کرنے کیلئے۔ لڑکوں کو اتار کر حکم دیا کہ اپنے گھروں کو واپس جائیں اور لاری کو مع مقتول کے پٹرول ڈالکر شعلوں کی نذر کیا۔ ان فاجعات کا ذمہ دار کون تھا؟ پولیس، حاکم اور بادشاہ۔ بادشاہ کو مستثنےٰ کر دیتے اگر وہ اہم امور میں مشغول ہوتا۔ جسدن طلبہ کی لاری لوٹی گئی ہے اعلیحضرت مکتب پولیس کی وردی تجویز کر رہے تھے کیا خود انکی جان انکے لباس سے زیادہ عزیز نہیں تھی؟ اہم اور اہم میں، ضروری اور زیادہ ضروری میں فرق نہ کرنا تباہیوں پر منجر ہوتا ہے۔ اسلئے خیر الخیرین کا انتخاب اور شر الشرین سے اجتناب ایمان کی تعریف کیگئی ہے جس کی رو سے کئی مومن اور کافر طرفین بدل لینگے؛

ماسوا بچہ سقا اور اسکے رفقا کے افغانستان کے دوسرے علاقوں میں رہزنی حکم فرما تھی جب حکومت نے اسکو رفع دفع کرنے میں کوتاہی کی حالانکہ یہ اسکا وجیبہ تھا تو یہ قاصر حکومت ہی قائم نہ رہی۔ خدا کی صمدانیت اور بے نیازی نے سلطنت ہی چوروں کے ہاتھ میں تفویض کر دی۔ ہر قسم کی نقب زنی، چوری اور سرقت قطعاً موقوف ہو گئی چنانچہ جب اسکا ذکر بچہ سقا کے دربار میں آیا تو کہنے لگا جب چوروں کا بابا تخت پر بیٹھا ہو تو کس کی مجال ہے کہ چوری کرے۔ البتہ معمولی چوریاں اور رہزنیاں نہ رہیں مگر وہ عذاب عقاب شروع ہوئے جو ان سے بدرجہا بد تر تھے فرانس کے انقلاب میں تحقیق ہوا ہے کہ باوجود اتنے ہنگامے اور شور و شر کے چھ سال کے عرصے میں جتنے بڑے اور مشہور لوگ مقتول اور مجذوب ہوئے اس سے پہلے ان سے کہیں زیادہ ایک برس میں ادنےٰ طبقات برباد ہوتے تھے۔ فولون ایک وزیر کہتا تھا۔ کہ عوام کا انعام اگر بھوکے ہیں تو گھاس کھائیں۔ اسکی پیٹھ پر گھاس کی گٹھڑی باندھی گئی۔ اور اُسے بازاروں میں پھرا کر چراغ کے ستون سے پھانسی دی گئی؛

امان اللہ خان کے عہد میں جن وزیروں، جرنیلوں اور حاکموں نے علانیہ دست درازی کر کے رعایا اور سپاہ کا خون پیا تھا انکے عالیشان محلوں کے در و دیوار کے رنگوں سے ٹپکتا تھا۔ ایک ظالم کے گھر کی لاگت کا تخمینہ اگر خود بادشاہ کر لیتا تو اسکی تنخواہ سے جو ابتک وصول ہوئی تھی لااقل سو حصے زیادہ ہوتا۔ جب اس نے اتنے لازم امر کی طرف التفات نہ کی اور رشوت ستانی کھلم کھلا جاری ہوگئی تو عزیز ذی انتقام کی حکمت نے غافل حکمران کو ذلت سے معزول کر کے وہ فریضہ جسکی غفلت پر یہ سزا ملی تھی ایسی مخلوق کے سپرد کیا جو اس بارے میں سب سے آخری ہوتی مگر ید قدرت کی رہنمائی تھی۔ ان ڈاکوؤں نے تمام وزراء اور ملکی وعسکری افسروں کو جنہوں نے حرام کھایا تھا اگلنے پر مجبور کیا اور گوناگوں عذاب دے کر نہ صرف دبا ہوا روپیہ نکلوایا بلکہ جیسے انہوں نے مال حاصل کرنے میں اوروں کو تکلیفیں پہنچائی تھیں ویسے ہی انکو بھی اذیتیں دی گئیں؛

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ بَغْتَۃً اَوْ جَھْرَۃً ھَلْ یُھْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو جب عذاب خداوندی ناگہاں یا علانیہ نازل ہوتا ہے تو سوائے ظالموں کے اور کوئی ہلاک نہیں ہوتا۔ وَاِذَا اُوْذِیَ فِی اللّٰہِ جَعَلَ فِتْنَۃَ النَّاسِ کَعَذَابِ اللّٰہِ۔ ایک شخص خدا کے بارے میں اذیت پاتا ہے اور لوگوں کے فتنے کو عذاب خدا کی مانند قرار دیتا ہے۔ ان دونوں میں البتہ بہت دقیق فرق ہے امیر حبیب اللہ خان کے وقت ہم سینکڑوں آدمی اصلاحات کی خاطر محبوس و مبتلائے آلام تھے۔ انفلوئنزا کی وبا سے افغانستان کے تقریباً ۵ لاکھ باشندے ہلاک ہوئے۔ مگر استثنا کے لئے بھی ہم اور ہمارے ہزاروں لواحقین میں سے ایک متنفس نہ مرا۔ اسی طرح یہ انقلاب بھی عذاب کی ایک قسم تھا۔ ھُوَ الَّذِیْ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ۔ وہ خدا قادر ہے کہ تم پر اوپر سے یا نیچے سے عذاب ٹھلے یا خانہ جنگی چھیڑ دے۔ تاکہ ایک

ذریعہ دوسرے کو سختی اور مصیبت کا مزہ چکھائے۔ موجودہ انقلاب میں جب لڑائیاں تمام ملک کے اکناف و جوانب کو اپنے مہلک شعلوں میں لپیٹے ہوئے تھیں۔ بہت سے نیک اور صالح اشخاص جھلسے گئے۔ مگر ایسے نہیں جلے کہ انکی جان جاتی۔ جہاں تک میری تدقیق کی مجھے کوئی ایسا نامدار شخص ڈاکوؤں کے ہاتھوں ذلیل و قتیل ہوتا دکھائی نہیں دیا۔ جسنے اصرار سے رشوت نہ لی ہو۔ بچہ سقا اور اسکے حزب نے اس اجر و زجر کے سلسلے کو دینی یا اخلاقی اعتبار سے نہیں ہلایا طبیعت کو مدبرہ بدن اور ساتھ ہی غیر ذی شعور کہتے ہیں۔ کسی مقوی شے کے کھانے یا زہر سے انکے اچھے یا برے اثرات خود بخود ظاہر ہونے لگتے ہیں؛

شب برات کو خلق کی زندگی اور روزی سال بھر کے لئے تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہ عالم اسرار ہے۔ اور اسی راز کے ضمن میں کابل کی شب برات ایک انکشاف کے طور پر بیان ہوتی ہے۔ جب بچہ سقا اور اسکے شیطانی گروہ نے أَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ حملہ کر کے لوگوں کے مالوں اور اولاد میں مشارکت بلکہ قدرت پیدا کر لی تو شہر میں خاموش ماتم برپا ہو گیا جو کمال غم پر دلالت کرتا ہے۔ محرم کے مرثیے جو اسی مہینے میں نہیں بلکہ ہمیشہ کابل کے محلہ چنداول سے سُنے جاتے ہیں۔ اور رات کو ہر گلی سے انکی آواز آتی ہے ثابت ہو گیا کہ پوری تعزیت کے نقض میں اب مطلق کوئی صدا نہیں نکلتی۔ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ

پس تمہارے غم پر دوسرے غم کی مصیبت پڑی تاکہ افسوس نہ کرو۔ اس چیز پر جو گذر گئی ہے اور نہ اس سختی پر جو نہیں پہنچی ہے۔ کسی کو اطلاع تک نہیں کہ آج شب برات ہے۔ کیونکہ آتشبازی تو خیر لوگ چراغ جلانے سے بیزار ہیں۔ بچہ سقا اور سید حسین دو سو آدمیوں کی فہرست تیار کرتے ہیں۔ اور ہر ایک کو گرفتار کرنے کے لئے اور اسکے گھر میں ضیافت اڑانے اور لوٹ مار مچانے کے لئے بیس بیس کوہستانی مقرر ہوتے ہیں۔

ہزاروں موذی وحشیوں کے شہر میں گھس جانے سے تمام رات کہرام مچا رہتا ہے۔ وزرا، حکام، جرنیل اور دیگر عہدیدار ننگے سر ننگے پاؤں کُرتے پاجامے میں بندوقوں کے کندے کھاتے برفوں کے ڈھیروں پر سے پھسلتے سردی سے کانپتے اُسکڑتے الغرض وہی زحمتیں جھیلتے جو کبھی دوسرے لوگ بلکہ یہی کوہستانی انکے ہاتھوں سے چکے تھے۔ قطاع الطریق کے دربار میں حاضر کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض مثلاً سید حسین انہی حاکموں کے ظلموں سے آدھی رات کو گھر سے گھسیٹے جاکر حبس کئے جا چکے تھے بلکہ انہی شدائد کی وجہ سے انہوں نے رہزنی کی زندگی کو مرجح سمجھا تھا۔ ارکان و اعیانِ دولت بڑی ذلتوں اور نقصانات کے بعد قید خانے میں ڈالے جاتے ہیں۔ اور اُنپر متواتر و مختلف اقسام کے ستموں کا سلسلہ جاری ہوتا ہے:

مگر اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ اچھے بندوں پر جو حتی الوسع کسی کو ایذا نہیں دیتے تھے بلکہ فیض پہنچاتے تھے یا تو کوئی آفت ہی نہیں آئی یا کچھ تکالیف کے بعد پھر مطمئن ہو بیٹھے۔ اعلیحضرت محمد نادر خان کا کنبہ جنپر وخیم صعوبات کا احتمال تھا۔ ایک زبردست مثال ہے۔ انہی کے رشتہ داروں میں سے شیر احمد خان رئیس شورے اور فیض محمد خان وزیر معارف سید حسین کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ اور وہ بے اختیار بول اٹھتا ہے، کہ ان لوگوں کی شکل ہی سے ایسی بات ظاہر نہیں ہوتی جو انہیں قید وکلفت کے قابل بنائے اُنکی رشوت ستانی تو کبھی کسی نے سُنی نہیں۔ اسیطرح وزیر عبد الہادیخان اور وزیر علی محمد خان مع اور چند اصحاب کے جو کبھی ارتشا کے نزدیک نہیں پھٹکتے تھے۔ سب مصائب سے صاف نکل گئے۔ کَذٰلِكَ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ اسیطرح ہمپر حق ہے کہ ایمان والوں کو نجات دیں:

افغانستان میں کوئی شہر کوئی قصبہ کوئی گاؤں نہیں رہا جہاں اختلال و اغتشاش سے ہزار ہا جانیں تلف نہوئی ہوں اور لاکھوں روپئیوں کا نقصان نہوا ہو۔ اِنْ مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِكُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَةِ

اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا۔ کوئی قریہ نہیں جسے ہم یوم قیامت سے پہلے ہلاک کرنیوالے یا سخت عذاب دینے والے نہیں۔ یہ قاعدہ مقرر ہوچکا ہے مگر ساتھ ہی شرط ہے۔ مَا کُنَّا مُھْلِکِی الْقُرٰی اِلَّا وَ اَھْلُھَا ظَالِمُوْنَ ۔ ہم قریوں کو ہلاک کر نیولے نہیں مگر اسی صورت میں کہ انکے باشندے ظالم ہوں۔ جن گناہوں کی وجہ سے قوم لوط برباد ہوئی۔ دریائے آموکے اُر پار جاری تھے۔ پیمانوں اور ترازوؤں میں کمی مدین کی تباہی کا باعث ہوئی وہ ملک بھر میں برپا تھی جسکی ایک دو مثالیں بیان کیجاتی ہیں:

ہزل وجد دونو حالتوں میں ایکدوسرے کو گالیاں نکالنا افغانستان میں عام ہے اور اُنکے لئے الفاظ ایسے گندے ہیں کہ انمیں کوئی حجاب نہیں رکھا گیا جیسا ہندوستان میں اکثر دشناموں کو مشروع بنا دیا گیا ہے سُسرے اور سالے کی مشروعیت نکالدیں تو لامحالہ قباحت آشکارا ہو جاتی ہے میں نے ایک دفعہ امان اللہ خان کو کہا کہ ان گالیوں سے زنا کی تحریک ہوتی ہے اور خارجی اشخاص کے نزدیک بڑی بدنامی ہے۔ اس لئے پولیس یا محتسب کے ذمے انکی ممانعت ڈالنی چاہئیے۔ فرمانے لگے کہ رشوت کا ایک اور دروازہ کھُل جائے گا پردے سے جہاں ایک درِ فتنہ بند ہوتا ہے وہاں فساد کا دُوسرا دریچہ وا ہو جاتا ہے۔ ایک معزز شخص اپنے نوجوان بیٹے کو لئے بازار میں سے گذر رہا تھا۔ کان میں آواز پڑی:۔ کہنہ را ببیں چہ مالے پیدا کردہ[ا] ! آہ کھینچی اور لڑکے کو واپس لے جاکر گھر میں ہی پرورش دی اور جبتک ڈاڑھی نہ نکلی باہر نہ آنے دیا:

عام دکانداروں کا یہ حال تھا کہ ایک خریدار کو کہا جاتا میں نے یہ چیز خود دو روپے کو خریدی ہے تم سے بھی اتنا ہی لونگا۔ جب یہ جواب ملتا کہ ایک روپیہ لے لو تو کہتا واللہ باللہ مجھے دو روپے میں پڑتی ہے تم ڈیڑھ دیدو۔ آخر ایک ہی روپے میں سودا ہو جاتا۔ یہ صریح کذب اور سفید جھوٹ بلا کسی شرم و تامل کے مروّج تھا حالانکہ اُسکا اثر کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ قندھار میں ایک ہندو نے اپنے خان کے پاس جاکر شکایت

[ا] (پرانے) بڈھے کو دیکھو کیسا مال پیدا کیا ہے!

کی کہ میرا ایک ہی بیٹا ہے جو مسلمان ہونے کو ہے اسمیں میرا گھر اُجڑتا ہے اور آپ مسلمان لتنے زیادہ ہیں ایک کے بڑھنے سے کتنا فائدہ ہو جائیگا۔ خان نے متاثر ہو کر پوچھا کہ اسے کون بدراہ کر رہا ہے ؟ کہنے لگا اسکی اپنی نیت ہی بگڑ رہی ہے کیونکہ کچھ مدت سے کم تولنے اور جھوٹ بولنے لگا ہے۔ آخر وہ مسلمان ہو کر ہی رہا ؎

مسلمانیم ما او گبر نام است — کزیں گبری مسلمانی کدام است

جہاں ز آتش پرستی شد چناں گرم — کہ باد ازیں مسلمانی ترا شرم

ایک ہندو بزاز کے پاس جو چاریکار میں ایک مالدار شخص تھا۔ بچہ سقا نے اپنی دھاڑ دی بادشاہی کے زمانے میں حکم بھیجا کہ دس ہزار روپیہ فوراً بھیجدو، ورنہ تمہاری دکان کو آگ لگا دونگا۔ امان اللہ خانی حکام کو قاصر اور عاجز سمجھکر بیچارے ہندو نے مولوی عبد الغنی کا دامن جا پکڑا جو اس علاقے میں ایک عالم استاد تھا وہ اسے لے کر پہاڑ میں گیا جہاں بچہ سقا کا امن تھا وہ بڑی تعظیم سے پیش آیا اور ہندو کو معاف کر دیا۔ گدھے پر زور نہ چلا سکے چھانے کو مارا۔ عبد الغنی کو امان اللہ خان کی حکومت میں محبوس رکھا گیا حتیٰ کہ بچہ سقا نے چھڑا کر اپنا خاص ملا بنایا جب اسکا تسلط کابل پر پورا جم گیا تو ہندوؤں کو شاذ ہی کوئی ضرر پہنچا۔ صرافوں کی دکانوں پر سونے چاندی کے ڈھیر لگے رہتے مگر کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکتا۔ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔ نہ ظلم کروگے نہ تم پر ظلم کیا جائیگا۔

باوجودیکہ کوہ دامن سمت شاہی کہلانے لگا اور وہاں کے باشندے آناً فاناً موقر و محترم بن گئے۔ مگر پہلی سلطنت کے مجرم جو اگرچہ سمت شاہی سے منسوب تھے۔ عقوبات سے نہ بچ سکے۔ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ خدا کے سوا کوئی جماعت اسکی مدد کو نہ پہنچ سکی۔ ایک قاضی عبد الرحمن نامی کوہ دامن کا باشندہ تھا جس نے ایک سال کی قضا میں چالیس ہزار روپے کی زمین اپنے علاقے میں اور بیس ہزار کی دکانیں شہر میں خریدی تھیں۔ کوئی متنفس کابل میں نہیں تھا جو اس سے اذیت نہ پا چکا ہو یا اسکے عجیب غریب ظلموں کی داستانیں

درد سے نہ سنتا ہو۔ شریعت اور قانون کی باریکیوں سے واقف زبان باز اور مکار اسکے مقابلے کی کوئی جُرات نہیں کرتا تھا۔ جب یہ ظاہری ساز و سامان رنوچکر ہوئے تو اپنی کرتوتوں سے ڈرتا قاضی بھی بھاگ نکلا مگر اَیْنَ الْمَفَرّ۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد زخمی ہوکر پکڑا گیا۔ اور سقوی دربار سے حکم ہوا کہ اسکا بند بند جدا کیا جائے ظالم فوق العادہ بہادر تھا حالانکہ عموماً ظلم و جُبن توام ہوا کرتے ہیں۔ مارے جانے سے پہلے پیٹ بھر کر فالودہ پیا جب دونو ہاتھ کاٹے گئے تو جی کڑا کرکے بیٹھا رہا۔ کہنیاں کٹنے کے بعد بھی آواز نہیں نکالی پاؤں جدا ہوتے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ مگر گھٹنوں کے علٰحدہ ہونے پر چلّا اُٹھا اور بیہوشی میں چیختا رہا۔ چوک میں یہ سزا ملی جہاں ہندوؤں کی دکانیں ہیں بیچارے رام رام کہتے بھاگے حتّٰی کہ سرحدی افغان تا جیک تا جیک پکارتے اس نئے بادشاہ سے سہمے سراسیمہ پھرتے تھے؛

یاروں کے گمان ہُوا کہ جس طرح روس میں عوام کی سلطنت قائم ہوگئی ہے کیا تعجب ہے کہ افغانستان میں بھی اب پُرانی بادشاہی کا خاتمہ ہوکر اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً بنکر ایک نیا خاندان اور ایک جدید علاقہ وارثِ تخت و تاج ہو جائے۔ خدائے ملیک مقتدر نے تو جو اپنے سب بندوں کو چھوٹے ہوں یا بڑے ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے ایسا ہی موقع دیا تھا۔ کُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَآءِ وَهٰؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ تیرے پروردگار کی عطا سے اِنکو اور اُنکو سب طرح کے مواقع پیش کئے جاتے ہیں اور ہر قسم کی مدد دیجاتی ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ پھر تمکو انکے بعد زمین میں جانشین بنا دیا۔ تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اگر نئی سمت شاہی کے باشندے واقعی ایمان اور اعمالِ صالحہ سے مزیّن ہوتے تو حیرت کا مقام نہیں تھا۔ کہ جیسا پہلے بھی غریب تاجیک عظیم شاہی خاندانوں کے بانی بن چکے ہیں اب پھر افغانوں کے بعد انکی نوبت آجاتی۔ مگر انہوں نے چند مہینوں میں ایسے ظلم توڑے کہ انکی روایت سے

کلیجہ منہ کو آتا ہے ایک طرف والی کابل ملک محسن عنایت اللہ خان کے مکان میں براجتا ہے۔ سید حسین نائب السلطنہ بنکر حیات اللہ خان کی کوٹھی میں متمکن ہے۔ حمید اللہ معین السلطنہ ہوکر علیا حضرت کے محل میں جاگزین ہے جو پہلے سردار نصر اللہ خان کی جگہ تھی۔ اَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُم مِّن قَبْلُ مَا لَكُم مِّن زَوَالٍ وَّسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ۔ سردار نصر اللہ خان کا قصر ضبط ہوکر علیا حضرت کے تصرف میں آیا اور کہا جاتا کہ وہ ظالم تھا۔ پھر امان اللہ خان مع اپنی والدہ کے زبان حال سے قسمیں کھاتے کہ انکے لئے گویا زوال ہی نہیں۔ بچہ ڈاکوؤں کا بھائی چارہ اسی گمان میں تھا۔ ملک محسن کے گھر کے کنوئیں سے کئی لاشیں نکلیں جن کی جانیں روپیہ لے کر ضائع کی گئی تھیں۔ تاکہ افشائے راز نہ ہو، اپنے علاقے میں اس نے ایک قبر کی مرمت کی کہ اسمیں میرا پیر تھا۔ وزیریوں نے کھود کر پچاس ہزار پاؤنڈ اسمیں سے نکالے۔ اسیطرح سے کوہستانیوں کے باغوں میں پانی چھوڑدیتے جو جگہ دب جاتی۔ اس میں سے مال و زر بندوقیں اور مشین گنیں نکلتے۔ عام سمت شاہی کے سپاہی شہر اور دیہات میں لوٹ مار مچاتے اور اگر کوئی دم بھرتا۔ تو جواب دیتے کہ ہمنے چراغ اسلام کو جلایا اور کمر دین کو باندھا کیا ہمارا حق نہیں جو چاہیں لیں؟ تھوڑے عرصے میں ثابت ہوگیا کہ نیا دور ایک عذاب ہے جیسے زلزلہ یا طوفان جو خدا تعالیٰ کی رحمت واسعہ سے زیادہ دیر تک نہیں رہا کرتا!

اعلیحضرت شاہ غازی محمد نادر خان اور اُنکے برادران کرام نے صبر و ثبات سے، محنت و مجاہدت، ایثار اور فداکاری سے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانوں کو قربان کرتے ہوئے افغانستان کو محیر العقل شجاعت و شہامت سے شداد و غلاظ، جہال و سفاک ڈاکوؤں اور رہزنوں کے پنجے سے چھڑایا۔ ملت انکی مرہون منت ہے اور اُنکے سابقہ و لاحقہ احسانات سے ممنون رہیگی۔ اِتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔
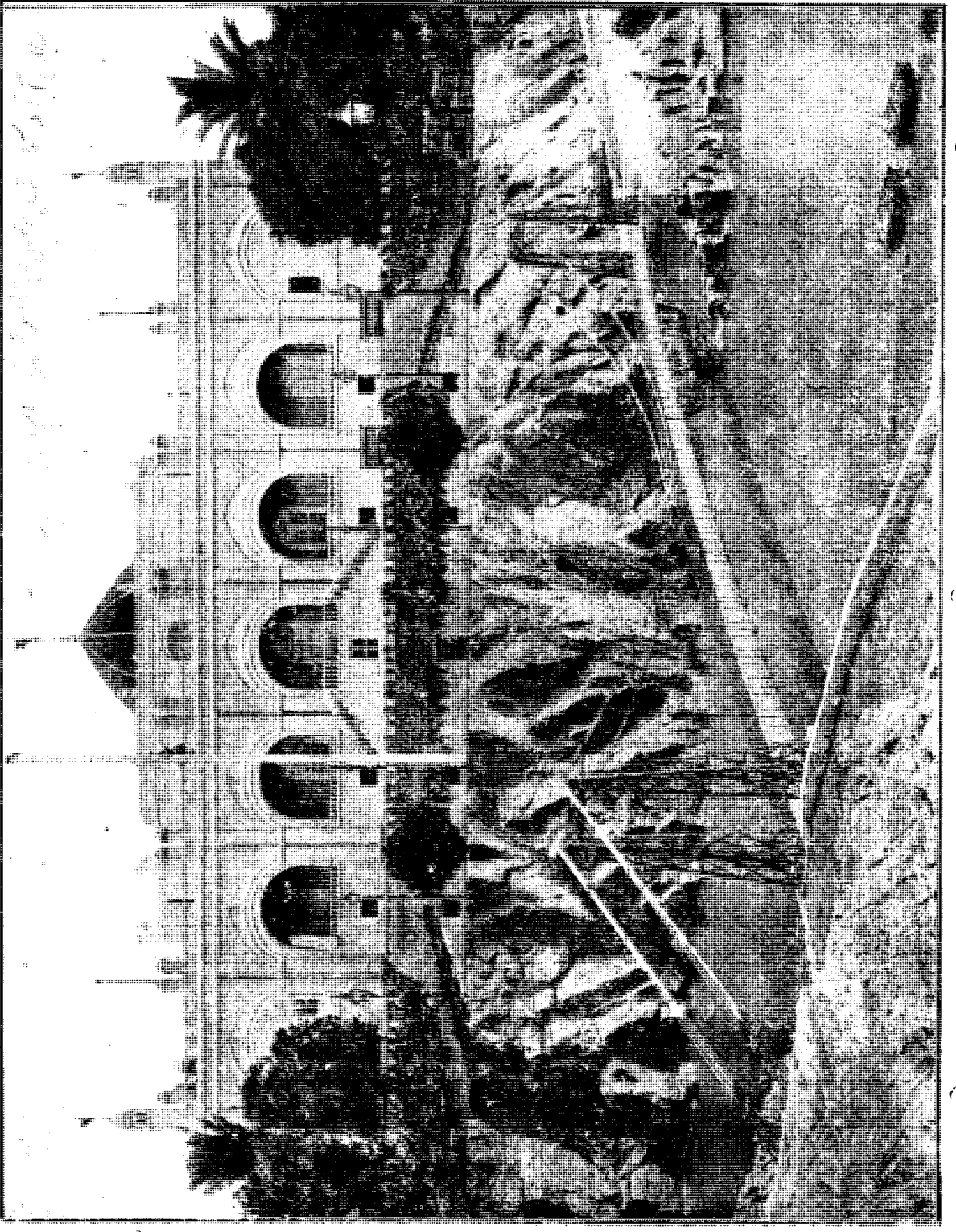
ڈرتے رہو اس سے جو تمہارے سامنے ہے، اور جو تمہارے پیچھے ہے۔ تاکہ تم پر رحمت ہو۔
اگر ماضی سے پوری عبرت حاصل کرکے حال و استقبال کا کماینبغی اہتمام کیا گیا۔ تو یہ گذشتہ انقلابات
امن و آرام کے متکفل ہو سکتے ہیں ؎

از انقلاب خون سیاہ مشک ناب شد
مشتاقِ انقلاب نباشد کسے چرا ؟

(۳۲)

نماز کا دخل سلطنت اور انقلاب میں

ایک امیر بخارا نے اپنے ملاؤں کو کہا کہ تم نے مجھے روزوں سے سبکدوش کر دیا۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ طاقت کی ضمیر کو مرخ سے ٹالکر مجھے مشقت سے بچایا۔ اب کوئی ایسی سبیل نکالئے کہ نماز سے بھی چھٹکارا ہو۔ علما دنگ رہ گئے کیونکہ سوائے دائمی پابندی نماز کے اور کوئی راہ ہی نہیں تھی۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ ایمان والوں پر نماز وقتوں پر ادا کرنی لکھی جا چکی اِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا۔ اگر تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا سوار پھر بھی نماز سے غافل مت ہو۔ جب امیر نے تقاضا کیا اور ملاؤں نے ہر چند کوشش کی۔ کوئی آیت یا حدیث پیدا نہ ہوئی تو بادشاہی قہر و غضب کے آثار نمودار ہونے لگے۔ آخر ایک ملا نے جرأت کی اور کہنے لگا۔ کہ میں نے آپ کی توقع سے بڑھکر راستہ نکالا ہے جسپر چلنے سے جناب عالی سب رڑوں اور کانٹوں سے بے کھٹکا ہو جائینگے۔ متدین امیر نے فوراً خلعت کا حکم دیا اور نماز سے رہائی کی تاویل سننے کے لئے ع

چوں گوش روزہ دار بہ اللہ اکبر است

اشتیاق سے آمادہ ہوا۔ ملا نے کہا بس ایکدفعہ کافر ہو جائیے، نماز وغیرہ سب بلاؤں سے بچ جاؤ گے۔

غرض یہ ہے کہ نماز ہمیشہ کے لئے مسلمان کی رفیق ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسمیں خدائے متعال کی شان نہیں بڑھتی، اس ذات صمدی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اِنْ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اِنَّہٗ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ اگرتم اور سب جو جہان میں ہیں خدا سے انکار کرو تو بھی وہ ظاہرہ قدرتوں اور دولتوں سے مالامال اور باطنی صفتوں اور ستائشوں کا مالک ہے۔ نماز میں صرف اسکے پڑھنے والے کا نفع ہے۔ اور وہ یہ کہ اطمینانِ قلب حاصل ہونے کے علاوہ برے اعمال اور شنیع افعال سے دوری حاصل ہوتی ہے۔ دل کی تسلی کے لئے تمام مذاہب بیچین ہیں۔ اسکے بغیر دنیا بھر کی ثروت ایک پیسہ قیمت نہیں رکھتی۔ جتنی صحت وقوت دبالِ جان ہوکر اسی شدت سے گریبان پھاڑنے پر آمادہ کرتی ہے۔ فاحش عادتوں اور قبیح خصلتوں سے بریت مل کر اخلاق اور معاملات کی درستی نصیب ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ جرائم کم ہوتے ہیں۔ امنیت حکم فرما ہوکر حکومت کا بوجھ گھٹتا ہے۔ بقول نوشیروان نشانہ زنی کی مہارت سے بیرونی دشمنوں کی مدافعت ہوتی ہے اور سچائی کی عادت سے اندرونی اعدا کا مقابلہ ہوتا ہے۔ یہ صدق کی خصلت جس سے انسان خلوت اور جلوت میں مسلح اور مزین رہ سکے، دیانت کا نتیجہ ہے اور اس کی بڑی علامت نماز ہے اسکی وساطت سے خیانت اور فساد کا انسداد ہوکر البتہ ایک مملکت میں امن وامان کا استحکام ہوسکتا ہے ؎

نماز کی اس داخلی اور خارجی اہمیت کی وجہ سے امیر کی اطاعت کو اسکے ساتھ مشروط کیا گیا اسکے برے خصائل سے درگذر اور اسکے ظلم وتعدی کو برداشت کرنے کی تاکید کی گئی۔ مادامیکہ وہ نماز کو قائم رکھے۔ عَلَیْکُمْ سَمْعًا وَطَاعَۃً مَا اَقَامَ الصَّلٰوۃَ۔ ایک شخص صرف اپنے وجود کا دوسرا اپنے عاملے کا راعی ہے۔ اور وہ صرف اتنی ہی رعیت کے مسئول ہیں۔ مگر ایک بادشاہ ساری ملت کا ذمہ دار ہے۔ اقام الصلوٰۃ اسکے لیے صرف نفسی یا خاندانی فریضہ نہیں بلکہ باب افعال کی ایک خاصیت کے لحاظ سے نماز اسپر بدو مفعول متعدی ہوکر لازمی ہوجاتی ہے۔ یعنی محتسبوں اور سرکاری ملازموں کے ذریعے سے عام رعایا کو نماز کا پابند بنانا اسپر واجب ہوجاتا ہے ؎

اسمیں افغانی انقلاب کا ایک بڑا سبب مضمر ہے۔ اسکی طرف کما ینبغی اعتنا نہونیسے ایک جلیل القدر

بادشاہ تخت وتاج سے معزول ہوکر دربدر پھرنے پر مجبور ہُوا۔ امان اللہ خان کی مجلسِ شوریٰ میں سپہ سالار محمد نادرخان اور اُنکے بھائی نائب سالار محمد ہاشم خان موجود تھے۔ بادشاہ نے اسلام کا بڑے زور سے دم بھرا۔ تو محمد ہاشم خان نے کہا کہ بیشک آپنے استقلال کی نعمت ملّت کو بخشی مگر پہلے عہد میں اسلام کے شعائر زیادہ مروج تھے۔ چنانچہ شہر کے محلوں میں نمازوں کی حاضری مساجد میں لیجاتی تھی اور اب اس طرف بادشاہی التفات نہیں ہے۔ انکے بڑے بھائی نے حضور ملوکانہ کے ادب سے خاموشی کا اشارہ کیا تو یہ حق گو اور بہادر جوانمرد طیش میں آکر کہنے لگا کہ مجالسِ مشورت اسی لئے قائم کی جاتی ہیں۔ کہ ارکان اپنی آرا سے ترقی کا صحیح راستہ بتائیں۔ ورنہ ایسی مجلسوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ چونکہ یہ سارا خاندان چھوٹے سے لےکر بڑے تک نماز کا پابند اسلئے اخلاقِ حسنہ سے زیب یافتہ تھا۔ اور بادشاہ کی طرف سے واقعی اس امر میں سُستی تھی۔ وہی لوگ اسکے گرد جمع ہو گئے۔ جو اسکے ہمخیال اور ہم مشرب تھے۔ محمد نادرخان اور اُنکے اخوان خوار و مہجور کئے گئے اور چند سالوں میں انکا کوئی قریبی رشتہ دار معزز و مقرب نہ رہا۔

تعلیمی امور بادشاہ کی اجازت کے مدت سے طالب تھے۔ میں نے ٹیلیفون میں عرض کیا کہ آج معارف کی نوبت ہے آیا کام لے کر حاضر ہوں؟ فرمایا کہ آج دوسری وزارت کو بلالیا ہے۔ میں نے کہا اگرچہ میں معمولی آدمی ہوں مگر علم کا مرتبہ بہت عالی ہے۔ کبھی معارف کو دوسری وزارت کی نوبت نہ بخشی۔ اسکے بعد میرے ساتھ ٹیلیفون میں بات چیت بہت کم کردی۔ اس روش کو دیکھکر اوروں نے بھی صاف گوئی سے پرہیز کی اور دن کو اگر رات کہاجاتا تو سورج کو چاند بتانے کی تائید کیجاتی۔ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ۔ جو شخص یادِ رحمٰن سے پرے ہوکر جیئیگا۔ ہم اُسکے لئے ایک شیطان مقرر کردینگے۔ جو اسکا ہمنشین ہوگا۔ وہ اُسے خدا کی راہ سے روکیگا۔ اور گمان کرتا رہیگا کہ ہدایت یافتہ ہے

یورپ کا سفر طے کر کے جب اعلیحضرت انگورہ پہنچے تو اس خیال سے کہ حج قریب ہے۔ اول یہ فریضہ ادا ہو جائیگا دوسرا ملت کے نزدیک دینی نیکنامی ہوگی جسکی اشد ضرورت ہے میں نے اس مضمون کا تار دیا کہ بادشاہ غازی سلاطین افغانستان میں پہلے حاجی ہوکر آئیں۔ اسکی تعمیل تو کجا عید کے دن آپ استمبول میں تھے۔ کئی عقیدتمند ترک شاہِ اسلام سمجھکر آپ کی خدمتمیں حاضر ہوئے تاکہ ایا صوفیہ میں قدم رنجہ فرمائیں۔ وہ عبث مسجد میں انتظار کرتے رہے کیونکہ اس پابندی صلوٰۃ سے مصطفےٰ کمال اور اسکے حزب کے عقیدے میں جو افغان بادشاہ کی روشن فکری کے متعلق تھا خلل آجاتا۔ آپنے اور آپکے رفقائے ہمرکاب نے حج تو خیر عید کی نماز کا موقعہ بھی ہاتھ سے دیا۔ حالانکہ اسکا پڑھنا اور پڑھوانا آپکے ذمے لازم تھا۔ قسطنطنیہ کے مسلمانوں کے علاوہ اسکا غیبی اثر افغانوں پر پڑا۔ جنہوں نے کیا جو کچھ کیا؛

جمال پاشا مع کچھ ترک افسروں کے کابل میں وارد تھا۔ اور وہ زیادہ تر ملکی تشکیلات اور قوانین ترتیب دینے میں اور اسکے ساتھی ایک قطعہ نمونہ تیار کرنیمیں مصروف تھے۔ جسمیں جدید ترین طریقے پر فوجی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ بچہ سقا بھی اسی پلٹن میں ایک سپاہی تھا۔ میں نے جمال پاشا کو کہا کہ اس زمانہ میں عسکر کو صرف تین باتیں سکھائی جاتی ہیں جن پر فدا ہونیکے لئے وہ قواعد یاد کرتا اور مکمل سپاہی بنتا ہے یعنی بادشاہ ملت اور وطن کی حفاظت کے لئے وہ اپنی جان دینے کو آمادہ ہوتا ہے۔ جب اُوپر سے ہوائی جہاز چاروں طرف سے توپیں اور بندوقیں اور نیچے سے سرنگیں موت کا سامان مہیا کردیں۔ اور دنیا جاتی اور آخرت سامنے آتی دکھائی دے۔ تو سپاہ کو موت کے بعد بادشاہ وطن یا ملت کیا مدد دے سکتے ہیں۔ جو انکی خاطر وہ اس زندگی کو چھوڑے جسمیں وہ کام آسکتے ہیں۔ اور اسکے تلف ہونے پر وہ محض بیکار ہیں وہاں صرف خدا تعالیٰ انکی مدد کرسکتا ہے اسلئے فوج کو میدانِ قواعد و جنگ میں اسکی یاد سکھانی چاہیئے۔ تاکہ اسکے حضور میں جانیکو غنیمت

جانیں اور اس جہان کے دکھ درد اور رنج والم سے نکل کر اسکے بہشت اور رضوان کو ترجیح دیں۔ اسی لئے ارشاد ہے۔ اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ جب دشمن کے گروہ سے ملاقی ہو تو ثابت قدم رہو اور خدا کو بہت یاد کرو تاکہ کامیاب ہو۔ اسی لئے دوسری آیات وارد ہوئیں جنمیں عین محاربے کے وقت اسلحہ لیکر احتیاط سے نماز پڑھنے کا حکم صادر ہوا۔ اب چونکہ طریقۂ حرب میں قدیم زمانے سے تفاوت واقع ہوگیا ہے آپ لوگوں کو چاہیئے کہ روزانہ قواعد میں اور مصنوعی لڑائیوں میں سپاہیوں کو نماز ادا کرنے کا ڈھنگ بتائیں۔ حالانکہ ایک ترک افسر بھی نماز نہیں پڑھتا۔ بلکہ قواعد وغیرہ میں اگر نماز کا وقت آجائے تو سپاہیوں کو بھی نماز کی اجازت نہیں۔ جمال پاشا نے ایک ہی مختصر فقرے میں میری سب باتوں کا جوابدیدیا کہ تم تیرہ سو سال پہلے کے واقعات کو اس بیسویں صدی میں دہرانا چاہتے ہو جو ممکن نہیں؛

اس سے مایوس ہوکر میں نے یہ ساری کیفیت مع اور تجاویز کے ایک مقالے کی شکل میں تحریر کی اور اسمیں یہ بھی بتایا کہ جب بادشاہ کے دربار میں یا اور جگہ سپاہی پہرہ دینے پر مامور ہوتے ہیں مثلاً شام کے چھ سے آٹھ بجے تک تو انکی نماز قضا ہوتی ہے یا وہ عسکری قاعدے کے خلاف بندوق یا پہرے کو چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں تو چاہیئے کہ وقت نماز داخل ہونے پر اور سپاہی آکر کھڑے ہوجائیں تاکہ پہلے مسلمان نماز ادا کرلیں۔ سپہ سالار غازی محمد نادر خان نے کہا کہ یہ مضمون بہت اچھا ہے اسے مجموعۂ عسکری میں جو فوجی اخبار تھا۔ شائع کرادینگے۔ میں نے کہا کہ میرا مطلب مطلق اشاعت نہیں ہے، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اسکی مندرجات اگر اس قابل ہوں تو ان کی تعمیل کرائی جائے۔ آپنے بہت متاثر و متاسف ہوکر فرمایا کہ میں کب اختیار رکھتا ہوں، کہ انکا نفاذ کرسکوں؛

سپہ سالار صاحب فرانس میں سفیر بناکر بھیجدیئے گئے۔ اور نائب سالار صاحب ماسکو میں۔ بادشاہ

کے حضور میں مکتب حربیہ کا نصاب تعلیم ترتیب ہونے لگا۔ اور مجھے بھی بحیثیت رئیس تدریسات بلایا گیا جب سب مضامین پر بحث ہو چکی تو میں نے اخیر میں عرض کیا کہ دینیات کا تھوڑا سا کورس رہ گیا، جسمیں جہاد کے متعلق آیات و احادیث مع ترجمے کے پڑھائی جائیں اور ساتھ ہی نماز کے معنے بھی سپاہیونکو سکھلائے جائیں تاکہ سمجھکر خدا کو یاد کر سکیں۔ بادشاہی جواب ملا کہ اپنے گھروں سے کافی دینی باتیں سیکھکر آتے ہیں۔ مکتب میں اور وقت دینے کی حاجت نہیں۔ میں نے پھر اصرار سے کہا کہ جہاد کے بارے میں آیات و احادیث جو بہت ہی مفید اور دلچسپ ہیں سب گھروں میں کب کسی کو معلوم ہیں۔ اور نماز کے معنی بھی کوئی نہیں پڑھتا میرے پاس یہ دونو چیزیں موجود ہیں جو ایک مہینے میں آدھ گھنٹہ روز کی تعلیم سے ختم ہو سکتی ہیں۔ اسکا پھر وہی جواب ملا کہ کوئی ضرورت نہیں۔ نائب سالار محمد نعیم خان نے مجھے چپ ہو جانیکا ایما کیا اور بعد میں کہا کہ تمنے فقط دین کا اجارہ لے لیا ہے۔ جب وہ نہیں سنتا تو کیوں خطرے میں پڑتے ہو؟

امان اللہ خان نے پغمان میں بڑی عالیشان مسجد تعمیر کی اور کابل میں بھی جہاں آپ مغرب اور عشا کے درمیان جاکر انٹرنس لوگوں کو صوتی طریقے سے لکھنا پڑھنا خود سکھاتے مگر دونو نمازوں میں سے خود اور انکے شاگرد ایک بھی نہ پڑھتے حالانکہ درس کے شروع اور اخیر میں دونو کا وقت ہوتا۔ امیر عبدالرحمن خان کو ایک ملا نے خط لکھا کہ آپ پانچوں نمازوں کے بعد فلاں فلاں ورد و درود پڑھا کریں۔ ایک سردار کو خط دکھاکر پوچھا کہ یہ وظائف مجموعاً کتنے ہو جاتے ہیں۔ اس نے حساب کرکے بتایا کہ تقریباً پانچ سیپاروں کے برابر ہونگے۔ آپ گھبرائے اور کہنے لگے۔ کہ یہ سب نماز پڑھنے کے بعد پڑھے جا ئینگے۔ اے سردار۔ تو نماز خواندن مرا دیدی؟ اس نے جوابدیا۔ صاحب روزہ خوردن شمارا دیدم اما کور شوم اگر نماز خواندن تانرا دیدہ باشم۔ یعنی امیر صاحب نے پوچھا کہ اے سردار تو نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے؟ اس نے جوابدیا کہ صاحب روزے میں

آپکو کھاتے دیکھا ہے مگر اندھا ہو جاؤں اگر آپ کو نماز پڑھتے دیکھا ہو۔ باوجود اسکے سنا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو امیر عبدالرحمٰن خان اہلِ دربار کو حکم دیتا کہ نماز ادا کریں۔ امیر حبیب اللہ خان تو بہت پابند تھا اور دوسرے بھی پڑھوا تا لیکن امان اللہ خان باوجود بہت سی فضیلتوں کے جو انہیں باپ دادا پر حاصل تھیں نماز کے بارے میں اہتمام نہ کرتے۔ روزمرہ کے درباروں میں جو وزیر اور مدیر کام پیش کرتے نماز کے وقت اگر نماز خوان ہوتے تو اِدھر اُدھر جھانکتے کہ موقع تاک کر کہیں کونے میں جا کھڑے ہوں وہ بھی اگر وضو ہو۔ کیونکہ اسکا تو کوئی بندوبست ہی نہیں تھا۔ خاص اور عام دونو قسم کے درباروں میں یہی حالت تھی۔ دارالامان میں ہزاروں آدمی جمع ہیں۔ اور بادشاہ ریڈیو کے ذریعے اپنی ترکستانی سیاحت کا حال بیان کر رہے ہیں۔ تقریر اور کابل سے آنے جانے میں دو تین نمازیں پڑتی تھیں مگر وضو اور نماز دونو کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

تھیٹر اور سینما میں جو جشن استقلال پر دھوم دھام سے رچائے جاتے ٹکٹ خریدنے کا وقت عین شام کی نماز کا وقت مقرر تھا۔ ان دونو تماشوں کی ایک کمپنی تھی جسمیں اعلیحضرت کے حصے کا وکیل میں تھا جب میں ہزاروں آدمیوں کی نمازیں جاتے دیکھکر ٹکٹ بیچنے اور اندر داخل ہونے کے وقت کو مغرب کے بعد ڈالنے کی تجویز کرتا تو کمپنی کا مہتمم مسکرا کر ٹال دیتا۔ کیونکہ یہ وقت کا تعین اوپر سے ہوا تھا۔ اسیطرح تمام جشن کا سلسلہ نماز کی کڑی کے بغیر جنبش کھاتا گویا کہ اسکے منانیوالے امیر بخارا کے دلیر مُلّا کی بات کو مان چکے تھے۔ سینما کا سنسر بحیثیت رئیس تدریسات برائے نام میں تھا۔ میری ہدایات پر ہرگز عمل نہ ہوتا۔ اور بد اخلاقی سے بھری فلمیں پیش ہوتیں۔ کیونکہ ملا اعلیٰ میں پسند کیجاتیں جشن استقلال کی تماشوں کی مجلسِ منتظمہ کا میں بھی ایک رُکن تھا۔ جب کوئی عیاش ارکان یہ تجویز کرتے کہ گانے اور ناچنے کے لئے ہندوستان سے کنچنیاں اور ناٹک منگوائے جائیں۔ تو میں مخالفت کرتا مگر مجوزشاہانہ میلان دیکھ کر بحث کرتے۔ کنچنیاں آتیں اور حرمسرائے میں خاص طور پر ناچتیں اور باہر ہفتوں ناچ اور

مسرفانہ تماشے برپا رہتے کیونکہ ناچ پر ٹکٹ لگتا تھا؛

جب نماز کی طرف سے بے اعتنائی ہوئی تو جن فحشا اور منکر سے یہ نہی کرتی ہے انکی اشاعت اور تعمیم ہونے لگی۔ مخبر صادق کا دعوے سچا ہوا کہ بادشاہ کی بات کو سننا اور ماننا اسیوقت تک لازم ہے جب تک وہ نماز کو قائم رکھے۔ اور رکھوائے خود بخود ملتِ افغان میں ہیجان پیدا ہوا اور مدہش و مہلک انقلابات کے بعد مسلمانوں کی خوش بختی سے عنانِ سلطنت ایسے اشخاص کے ہاتھ میں آئی جو ظاہراً و باطناً اسلام کے عقیدتمند اور عامل ہیں۔ سب کے سب نماز گذار اور تمام معنوں میں دیندار ہیں۔ وہ زمانے کے مقتضیات کو بھی پوری طرح جانتے ہیں اور رعایا بھی ان سے کاملاً رضامند ہے؛

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ الخ خداتعالے نے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے اعمالِ صالحہ اختیار کئے۔ کہ ضرور انکو دنیا میں جانشین بنائیگا بعض مفسر اس آیہ شریفہ کو آخرت پر اطلاق دیتے ہیں۔ اور اسمیں شک نہیں کہ انکی نظر بہت وسیع اور قابل تعدیر ہے کیونکہ فی الحقیقت عقبیٰ ہی زندگی جاودانی ہے اور وہاں کی گدائی اس جہان کی بادشاہی سے بہتر ہے چہ جائیکہ وہاں عزت و اقتدار حاصل ہو۔ چونکہ ہمیشہ زندہ اور آرام سے رہنے کی خواہش فطری ہے ایک انگریز حکیم کہتا ہے کہ اگر ابدیت میں مجھے صرف امن سے پاؤں رکھنے کی جگہ ملجائے تو میں اسے دنیا کی مملکتِ فانی سے بہا بہتر سمجھوں۔ اسلام میں عاقبت کی کئی قسمیں ہیں۔ البتہ بڑی عاقبت وہی ہے جو مرگ کے بعد ہمیشہ بقا رکھتی ہے اسکے نیچے اور کئی ابتدا و انجام ہیں مثلاً ایک متعلم اپنی جماعت میں تمام سال محنت کرتا اور آخر امتحان میں کامیاب ہوتا ہے پھر سب امتحانات میں سعی و کوشش کے بعد فائز ہو کر عالم ہو کے عزت و مرتبت کا مالک بنجاتا ہے۔ ایک صالح اور مصلح فرد یا قوم کی دنیا پہلے جد و جہد

میں پڑکر مشقات اٹھانا، زحمات جھیلنا، انجام کار استقلال و اجلال اور نعمات و برکات پر متصرف ہونا ہے۔ اسلام میں دوسرے ادیان پر یہ فوقیت ہے کہ اسکے اوامر کی تعمیل و تکمیل سے بڑی عقبیٰ اور چھوٹی دونو قبضے میں آتی ہیں۔ چنانچہ اسوۂ حسنہ کے طور پر رسول اللہ اور انکے اصحاب کرام کی آخری زندگیاں اسیطرح احترام اور سطوت میں گذریں؛

امان اللہ خان کے عہد میں نادر خانی خاندان ملکی و فوجی خدمات اخلاص و شجاعت سے بجا لاتا ہے اور جانفشانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ اپنے اخلاق اور حسن معاملت سے ملت کو اپنا گرویدہ بنالیتا ہے اور دوسرے خاندانوں کی طرح ظلم و ارتشا سے ملوث نہ ہوکر ملک بھر میں امتیاز پیدا کرلیتا ہے اس نیکنامی اور شہرت سے بادشاہ اور دوسرے اعیان مملکت کا محسود بنکر آزمائش اور مصیبت کا سامنا کرتا ہے سالوں انکے ساتھ بے اعتنائی برتی جاتی اور قوم ان کی خدمات سے محروم کی جاتی ہے۔ پھر سعی و عمل کا وقت آتا ہے اور انکی جان نثاری بہ ایثار سے بادشاہی انکے ہاں پناہ لیتی ہے اور دنیوی عزت کا معراج حاصل ہوجاتا ہے

ع جاہ اگر باید ہمیں شاہی است اوج عزت ٭ از کمال یاس اگر آگاہی الٰہی گزیں

چونکہ جاودانی عاقبت ابھی باقی ہے ہنوز اعمال صالحہ کی ضرورت ہے اسلئے یہ خاندان ذیشان پھر اصلاحات میں مشغول ہوجاتا ہے کیونکہ ملت کئی عہدوں سے فسق و فجور کی عادی ہے۔ گوناگوں عیوب معاصی افغانستان کے اطراف و اکناف میں ساری و طاری ہیں۔ اور انقلاب و عقاب کا سب سے بڑا سبب انہی کو سمجھنا چاہیئے؛

سلطان محمود سومنات کے دروازے کھٹکھٹاتا پھرتا تھا۔ اور درۂ خیبر میں ہندو آباد تھے جو شہاب الدین کے عصر میں مسلمان ہوئے۔ وہ کاٹھیاوار کے ساحل تک پہنچتا ہے۔ اور پہلو میں کافرستان کا نام کیا سمجھاتا

تھا؟ امیر عبدالرحمن خان کو اندیشہ ہُوا کہ یہاں کے باشندے عیسائی بنا لئے جائینگے۔ اسلئے طوعاً و کرہاً ان کا مسلمان بنانا بہتر ہے۔ ایک ان پڑھ قوم کابل کے نواح میں آکر آباد کیجاتی ہے۔ اور پُرانے مسلمانوں کے ساتھ ان کا میل جول شروع ہوتا ہے۔ چند سال میں ملاؤں کی تعلیم سے انکو دینی مسائل بتائے جاتے ہیں۔ میرا ان لوگوں کے ساتھ بندیخانہ میں تعلق تھا کیونکہ ان میں سے بعض سپاہی ہمارے محافظ مقرر ہوتے ایک بوڑھے جدیدالاسلام کو بُلا کر اس سے انکی قوم کی باتیں دریافت کر رہا تھا ضمناً میں نے پوچھا کہ تمنے مسلمان ہو کر کیا فائدہ دیکھا جو پہلے مذہب میں نہیں تھا۔ اس نے صرف نماز کی خوبی بتائی۔ کہ اس سے دل کو تسلی ہوتی ہے اور ہاتھ منہ صاف ستھرے رہتے ہیں پھر بڑی بے پروائی سے کہا کہ ہم لوگ گالیاں نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ ہماری زبان میں انکے لئے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ اب ہمارے بچے اور جوان فارسی میں دشنام دینا سیکھ گئے ہیں۔ ہم اپنے ملک میں جُوا نہ کھیلتے بلکہ اسکے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ اب قمار کے اقسام کو ہمارے لڑکے رات دن کا شغل بنائے ہوئے ہیں۔ اور اپنی تنخواہیں اسی میں کھو کر پھر چوری کیطرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہ بھی ہمارے ہاں مروج نہیں تھی بلکہ اسے ہم عار سمجھتے کہ اپنی محنت اور غیرت کو چھوڑ کر دوسرے کے مال پہ نگاہ اٹھائیں، دو مرد ایک جنس کے تو خیر، مرد و زن میں نسبت نہ ہوتی جبتک سات پشت ایکدوسرے سے دُور نہ ہوتے۔ یہ لوگ لوگر میں مقیم تھے اور وہاں کے باشندوں میں بازنگروں کا رواج تھا یعنی خوبصورت لڑکوں کو گھنگرو پہنا کر نچاتے۔ امیر حبیب اللہ خان نے چونکہ کنچنیوں اور بازنگروں کی ممانعت کردی تھی تو لوگوں نے چھپکر یہ کارروائی یوں جاری رکھی کہ تہ خانوں کے چاروں کونوں میں اوندھے مٹکے رکھدیتے تاکہ آواز اُوپر نہ جائے۔ بادشاہ میر خان جو ہمارے ساتھ بندی رہ چکا تھا جب اس علاقے کا حاکم ہُوا تو اس نے یہ خفیہ نجاست بھی دُور کی۔ پھر وہ پیر جدیدی کہنے لگا کہ ہم اپنے وطن میں حقہ بھی نہیں پیتے تھے۔ اب سگرٹ کے علاوہ چرس بھی اڑاتے

ہیں۔نسوار کھاکر منہ میں بدبوئی بھی پیدا کرتے ہیں۔ جھوٹ بولنے مکروفریب کی باتوں سے پرہیز نہیں۔ مجھے یہ سلسلہ ختم ہوتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور یہ ایسی قوم کے ایک فرد کے اعتراضات کی بوچھاڑ تھی جنمیں ظاہرہ اطوار صرف جنگلی جانوروں کی طرح پائے جاتے تھے۔ ان عادات اور ایسی اور بہت سی بُری باتونکی اصلاح جو ملت میں موجود ہیں۔نئی سلطنت پر عاید ہوتی ہے۔ اخلاقی تعلیم سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔ اور نماز کا اس میں معتدبہ دخل ہے، جو سوچ سمجھکر پڑھی جائے۔ تو فحشا و منکر اور معاصی و جرائم سے باز رکھتی ہے؛

(۴)

پشتو اور فارسی میں انقلاب

امان اللہ خان کے وقت انگریزی سے نفرت پیدا ہوئی اور تعلیمیافتہ لوگ قصداً اسکو ترک کرکے فرانسیسی کی طرف راغب ہوئے۔ میوزیم کے دروازے پر لکھا گیا "موزہ" اگرچہ کابل میں اسکے معنے سواری کے لمبے بوٹ کے ہیں۔ جرنیل جنرال بنگیا۔ ملٹری اٹاشی آتشہ ملی تر۔ سٹیشن استاسیون۔ ایشیا آسیا۔ جرمنی آلمان۔ یورپ اروپا۔ ڈاکٹر دکتور۔ ویگن واغون۔ اسی طرح سالون رستوران اور شمندوفر وغیرہ بہت سے الفاظ زبانزد ہوگئے جن سے لوگ پہلے ناآشنا تھے؛

عام انگریزی کلمات کیساتھ جو ہندوستان اور افغانستان میں یکساں بولے جاتے کابل میں سینکڑوں ہندی الفاظ مستعمل ہیں انکے سوا اکثر عربی کلمات جو دونو ملکوں میں مساوی مروج تھے کابل میں حقارت سے دیکھے جانے اور انکی بجائے وہ عربی الفاظ جو ترکی اصطلاح میں آگئے ہیں۔ استعمال ہونے لگے اگرچہ بعض کابل میں دوسرے معنی لئے ہوتے تھے۔ تقدیر عبارت ہوگئی قدردانی سے۔ تعداد عدہ ہوگیا۔ براعظم قطعہ۔ نقشہ خریطہ۔ خطِ مشی روش۔ حصہ قسم۔ کم از کم لااقل۔ حاضری اثبات وجود۔ شکریہ تشکر۔ کامیابی موفقیت۔ فتح مظفریت۔ جماعت ہیئت۔ سوسائٹی جمعیت۔ کمپنی شرکت۔ روبرو استقامت۔ تقریر نطق۔ تفریق طرح۔ متفرق متنوع۔ بنی نوع انسان بشریت۔ پرائیویٹ خصوصی۔ پبلک عمومی۔ رائے فکر۔ خیال عقیدہ۔ ترغیب تشویق۔ حوصلہ افزائی تشجیع۔ مبارکباد تبریک۔ اعظم کبیر۔ موازنہ مقایسہ۔ برخلاف

برعلیہ۔ موافق برلہ۔ قوم ملت۔ رسالہ مجلہ۔ اخبار جریدہ۔ غیر معمولی فوق العادہ۔ ضرور حتمی۔ ضمیر وجدان۔ آبرو شرف۔ حکمت عملی سیاست۔ صفحہ صحیفہ۔ پنشن تقاعد۔ فرض وظیفہ۔ ہوشمند متفکر۔ اصولی اساسی۔ بنا تاسیس۔ تنبیہ اخطار۔ سزا مجازات۔ انعام مکافات۔ توبیخ تکدیر۔ ورزش ادمان۔ خوش ممنون۔ زبانی شفاہی۔ خط مکتوب۔ سطر خط۔ غور دقت۔ متین جدی۔ تصنیف اثر۔ آسانی تسہیلات۔ ملازم مامور۔ افسر آمر۔ ماتحت مادون۔ بالادست مافوق۔ جاں نثاری فداکاری۔ معزز ناموس کار وغیرہ؛

وسعت زبان تو ہوئی مگر ایسے بیسیوں کلمات نے افغانستان کے تعلیمیافتہ اور عام طبقوں میں ایک طرح کی مغایرت پیدا کردی اور جس طرح لباس کے تفاوت نے ایک تفرقہ ڈال دیا۔ زبان نے اس جدائی کو اور بڑھا دیا۔ یہ باتیں زیادہ تر تحریر میں آتیں اور اخبار و اشتہار عوام بلکہ پرانے علما کی سمجھ سے بالاتر ہوتے اگرچہ عصفور کی منقار میں حشیش کی ضرب المثل کا طعنہ دے کر کابل کے موقر لوگ اِن جدتوں کو پسند نکرتے۔ مگر نئی پوشاک کی طرح یہ سیلاب بھی روکے نہیں رکتا تھا۔ کالر نکٹائی کی طرح تقریر و تحریر ایسے غیر مانوس کلمات کی زنجیروں سے جکڑی گئی جنکو امام غزالی نے سخت گناہ قرار دیا ہے۔ نتیجہ ارتجاع ہوا؛

بچہ سقا کے آنے پر جس طرح دفعتہً کابل سے تمام یورپین لباس کا نام و نشان مٹ گیا۔ زبان بھی پچھلے پاؤں پلٹی۔ ہیٹ تو خیر افغانی ٹوپی سے لوگ اس طرح ڈرنے لگے جیسے سانپ کا کاٹا رسی سے۔ سودا کی نصیحت پر عمل چندے ملتوی ہو گیا ؎

برسر بنہ کلاہ مبادا کہ گردنت | زاہد ز بار گنبد دستار بشکند

مہر دل خان کا کہنا ہوا ؎

تا شود قبرش زیارت گاہِ اربابِ ریا | خویش را زاہد بزیر گنبد دستار کشت

تقریر وتحریر میں دفعتہً پرانے الفاظ داخل ہوگئے۔ کاتب و متکلم سب کے سب جدید کلمات سے خوف کھانے لگے۔ نرالے امیر نے اپنے منشی کو صحیح حکم دیا کہ آئندہ وہ باتیں فرمانوں میں لکھی جائیں جنکو میں سمجھ سکوں کیونکہ جنکو میں نہ سمجھوں انہیں وہ انپڑھ کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ جن کیلئے اکثر احکام لکھے جاتے ہیں۔ ایکدفعہ دربار میں للکارا کہ موٹے لغت ہرگز استعمال نہ کئے جائیں اور سب ترت ترت فرت یعنی ظاہرہ شان موقوف ہو۔

یہ تو ایک عارضی انجام تھا مشکل اور اجنبی کلماتِ عربی کی ترویج کا مگر اس سے یہ گمان نہو کہ کابل کے ادیب شریف بلکہ متوسط درجے کے لوگ قدیم اور مستند فارسی کا مذاق نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ یہ کہنے کی جرأت کی جاسکتی ہے کہ جس ہندی فارسی کو امیر خسرو نے ایرانی فارسی پر ترجیح دی تھی وہ حریت کی مانند اردو اور انگریزی سے شکست کھا کر کابل کے پہاڑوں میں پناہ گزین ہوگئی تھی۔ ہندوستان کا سب سے بڑا فارسی شاعر بلکہ خاتم الشعرا مرزا بیدل اپنے وطن میں پامال ہوکر افغانی جذبات پر دو صدیوں سے حکمرانی کر رہا ہے۔ سردار غلام محمد خان طرزی نے ساٹھ ہزار روپے کی لاگت سے دیوان بیدل ایسا خوشخط لکھوایا اور مرصع کرایا تھا۔ کہ اس پر امیر شیر علیخان کے ولیعہد کا دل للچایا تھا۔ اگرچہ بیدل کا کلام گہرا بھی ہے اور بلند بھی مگر کابل کی محفلوں میں اور کوئی اشعار ایسے پسندیدہ سمجھے نہیں جاتے اور گویئے موقع اور محل کے مناسب ان سے حضار کو محظوظ کرتے ہیں؛

کابل اور افغانستان کے تمام شہروں میں سوائے قندھار کے فارسی ہی عوام وخواص کی زبان ہے اور پشتو اکثر دیہات اور پہاڑوں میں بولی جاتی ہے حالانکہ بادشاہ افغان اور ملک افغانستان ہے بچہ سقا کے امیر ہونے پر کابل اور پلٹی وہ خود تاجیک تھا جنکی آبائی زبان فارسی ہے اور پشتو کے ساتھ اسے کوئی لگاؤ نہیں ہوسکتا تھا۔ اسکی بیشمار قوم فارسی کے سوا کسی اور زبان میں تکلم نہیں کرتی۔ ہزارہ لوگ شیعہ ہیں۔

جنکے مذہب اور زبان کا تعلق ایران کے ساتھ ہے۔ افغانستان میں بارہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان کے بولنے والے سب فارسی جانتے ہیں۔ مگر پشتو افغانوں ہی تک محدود ہے اور انکی تعداد تمام آبادی میں ثلث کے قریب ہے۔ اور پھر ان میں سے بھی بعض صرف فارسی ہی میں بات چیت کرتے ہیں جیسے کابل اور ہرات وغیرہ کے افغان۔ اس سے اندیشہ ہوا کہ جیسا روسیوں نے ازبکستان ترکمنستان اور تاجکستان موسوم کر دیا ہے یہ ٹکڑوں کی سلطنت اگر سنبھل گئی۔ تو افغانستان کو کوئی اور نام دیکر ایک نیا گل نہ کھلادے کیونکہ افغان کیساتھ تاجیک کو من حیث النسب کوئی رابطہ قرابت نہیں بلکہ دیگان اور پارسی وان کے خطابوں سے ایک پست مرتبہ اشغال کئے ہوئے ہے۔ حالانکہ وہ سلطان محمود غزنوی کو اپنا ہم قوم قرار دیئے ہوئے ہے افغان اسکے مقابلے میں ایسا رفیع القدر شخص پیش نہیں کر سکتا۔ شہاب الدین غوری پر دونو قومیں ادعا رکھتی ہیں۔ اس سے یہ شبہ ہوتا تھا۔ کہ اگر سلطنت تاجیک قائم ہو گئی۔ تو پشتو معرض خطر میں ہے مگر تاریخ ڈھارس بندھاتی تھی؛

جیسا کہ اطالیہ کو جب وہ ملک معرض زوال میں بے استقلال تھا ڈانٹے وغیرہ کی شاعری نے چار چاند لگا دیئے افغانوں کے شعر و سخن نے مغلوں کے زمانے میں بڑی آب و تاب دکھائی۔ واضح رہے کہ جتنی قوت مغلوں کی جنوبی محاربات میں ہندوؤں کے مقابلے میں صرف ہوئی۔ اس سے زیادہ شمال میں افغانوں کے ساتھ لڑائیوں میں کام آئی۔ صرف اکبر کے عہد میں زین خان اور ٹوڈرمل کے سمیت میں ہزار سپاہ کو افغانوں نے تلف کیا۔ جنکے رہنما ہمارے جالندھر کے پٹھانوں کے آبا و اجداد تھے۔ جلال آباد انہی میں سے جلال الدین روشانی کا آباد کیا ہوا ہے۔ نہ کہ جلال الدین اکبر کا۔ اس نسبت کی وجہ سے امان اللہ خان مجھ پر سرحدی شورشوں میں شمولیت کے بیجا گمان پر جاسوس مقرر کرتے تھے۔ اورنگزیب کے وقت

افغان بارے ہارے گویا آرام سے بیٹھے کہ فعل سے تو وہ اور قول کی طرف راغب ہوں !

ارسطو نے قفس میں پرندوں کی نغمہ سرائی کو غمگینی پر مبنی نہیں سمجھا جیسا عام خیال تھا اور اس دلیل پر اسکی تردید کی کہ اگر مرغ کے زخم لگا ہو تو چہچہانے سے قاصر ہوتا ہے ابن عربی نے عذاب الیم کی تفسیر میں بیان کیا کہ بندگان خاص کو مصیبت میں ایک عذوبت یعنی شیرینی حاصل ہوتی ہے جسمیں درد اور وہ ایک لذت لئے ہوتا ہے۔ ہمارے ایک دہقان نے کہا، مزہ جب ہے کہ آدمی کھیت میں بیٹھا ہو۔ نم نم مینہ برستا ہو اور نرم نرم تپ بھی چڑھی ہو۔ مجدد الف ثانی محی الدین عربی کی ذات کو مقبول اور ان کے کلام کو مردود کہتے ہیں۔ اگر کوئی اس دہقان کی بات کو فضول سمجھے تو تعجب نہیں۔ ع

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

عاشق کو فراق میں رنج کے ساتھ البتہ ایک لطف بھی حاصل ہوتا ہے اور جُدائی کا غم تو لازمۂ شاعری ہے جو وصل میں بھی اسکا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ایک افغان کہتا ہے ؎

دوصال پہ چینے مرمہ وچی شنڈی　　　　دفراق لہ اندیشنے لہ تاب و تب

فراق کے اندیشے کی تب و تاب سے وصال کے چشمے پر خشک لب مر رہا ہوں۔ ایک افغان فارسی میں کہتا ہے ؎

ماتم و سور جہاں بسکہ بہم آمیزاست　　　　خندۂ قہقہہ ہم اشکِ ندامت ریزاست

مرج البحرین کی ایک تفسیر دکھ اور سکھ ہے۔ بلکہ الٓمٓ کے حروف مقطعہ بھی الم کی تائید و تشدید میں شاید علیحدہ علیحدہ پڑھے جاتے ہوں۔ غرض یہ ہے کہ جیسے خنسا نے غم و ہم کے ہجوم میں مرثیے کہکر نابغہ کا مقابلہ کیا۔ بعض قومیں بھی آزادی کھو کر اسکی تعزیت میں سرود سے گاتی اور اُسکے ذریعے سے پھر اپنی

شان و آن کا استرداد کر لیتی ہیں۔ خوشحال خان خٹک نے کہا تھا ؎

چہ تنخواہ مِ دمغل خوڑیو ملک وم　　　　چہ ہغہ تنخواہ اوس نشتہ ملک یم

(جب میں مغل کی تنخواہ کھاتا تو ایک ملک تھا۔ تنخواہ اب نہیں ہے تو ملک ہوں)

تر منصب پورے خوشحال خٹک نوکر وو　　　　چہ منصب ورحنے لاڑ شہ اوس بادشاہ دے

(منصب تلک خوشحال خٹک نوکر تھا۔ جب منصب جاتا رہا، تو اب بادشاہ ہے)؛

اگر خوشحال خان کو پشتو کا شیکسپیر کہتے ہیں تو رحمٰن کو حافظ سمجھتے ہیں اور یہ دونو مغلوں کے عہد میں نامدار ہوئے۔ ۲۴ برس ہوئے علیگڈھ کے ہم مکتب مجھے لنڈن بھیجنے کا قصد رکھتے تھے۔ لسان الغیب نے یہ آواز دی ؎

در مصطبۂ عشق تنعم نتواں کرد　　　　چوں بالش زر نیست بسازیم بخشتے

جب کابل کے محبس میں پڑا تو ایک معزز آدمی کسی خاندانی لڑائی کے سبب قید میں آیا۔ امیر حبیب اللہ خان نے اسے دربار میں بلایا تو جانے سے پہلے اس نے مجھ سے دیوان رحمٰن سے فال دیکھنے کی فرمائش کی جو عجیب طرح برمحل نکلی ؎

فال بہ څہ گورے رحمٰن　　　　د ہر سڑے اعمال خپل فال شی

اے رحمٰن فال کیا دیکھتے ہو۔ ہر شخص کے اعمال اس کی فال ہونگے ؛

امان اللہ خان کے عہد میں چونکہ بادشاہ پشتون تھا۔ پشتو کی ترویج و ترقی اس اعتبار سے کہ

ع　　همزبانی خویشی و پیوستگی است

رئیں تدریسیات عمومی افغانستان اور ایک افغان کی حیثیت سے میری رائے میں نہایت ضروری تھی

اس لئے میں نے یہ تحریک مدتوں جاری رکھی۔ اور وقتاً فوقتاً بادشاہ کو اسکی اہمیت معروض کر کے اکساتا رہا یہاں تک کہ ایک مجلس شاہانہ صدارت میں قائم ہوئی اور مذاکرات کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ پشتو رسمی یعنی سرکاری زبان قرار دیجائے۔ خالص پشتو کا لغات ترتیب کرنے کیلئے ایک ہیئت متشکل کی گئی جسکے لئے تمام ملک کے اطراف و اکناف سے ارکان فراہم کئے گئے۔ اس کمیٹی کے دو عہدہ داروں میں علمی تنازع کی وجہ سے جب دو فریق بن گئے تو مجھے تصفیہ کے لئے حَکم مقرر کیا گیا اور طرفین نے رضامندی سے میرا فیصلہ قبول کرلیا جب مجلسِ عالی میں جہاں وزرا اور اسلامی سفرا بھی حاضر تھے۔ یہ بحث پیش آئی۔ کہ کابلی اور قندھاری پشتو میں سے کونسی زبان اختیار کیجائے تو میں نے ادب سے یہ عرض کیا کہ نوشیروان نے فارسی سے ثقیل حروف نکال کر اسے نرم اور نازک بنا دیا اور اس دن سے ایران نے من حیث ملت روئے بہتری نہیں دیکھا کیونکہ زبان کی ملائمت کے ساتھ جسم پر بھی اسکا نحیف اثر پڑتا ہے اسلئے جرمن والدین اور اہل التربیۃ بچوں کو اونچی آواز سے بولنے کی تاکید کرتے ہیں۔ بلند اور سخت صدا سے سارے جسم میں مضبوطی اور استواری آجاتی ہے اور آہستہ بولنے سے سب اعضا ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ ارشاد نبویؐ ہے۔ المرء باصغریہ قلبه ولسانه۔ انسان اپنی دو چھوٹی چیزوں دل اور زبان سے مرد ہے۔ بیشک قندھاری پشتو فارسی کے قرب کے سبب شیریں اور لطیف ہے اور کابلی پشتو کے مقابلے میں یہی اسکی کوتاہی اور نقص کی دلیل ہے جو ہندی کی نزدیکی کے سبب نسبتہً سخت اور درشت ہے بلکہ گستاخی معاف قندھاری پشتو زنانہ سی ہے۔ میں نے یہ مذمت کرتے ہوئے معذرت کے الفاظ بھی استعمال کئے پھر بھی عتاب شاہی نازل ہوا۔ اور امان اللہ خان نے دو دفعہ بڑی شدت سے پستول میری طرف اٹھایا۔ بعض حاضرین کرام نے نوری ہمدردی سے جو بعض حکما کے نزدیک انسانی نیکی کے فطری ہونیکا ثبوت ہے، پستول بھرے ہاتھ کو دونو بار تھام لیا۔ اور یہ اس حرکت کے بیجا ہونے کی دلیل ہے

ورنہ بادشاہ کے جائز ارادے میں کون حائل ہو سکتا تھا؟

جس پشتو کی میں نے طرفداری کی تھی اگر اس پر غنیمت کی رائے ظاہر کر دیتا تو شاید سردار حیات اللہ خان بگڑتے جو بحیثیت وزیر معارف سرحدی پشتو کے حامی تھے ؎

کلامے در دہن پیچیدہ آماس　　　صدائے کاہ خشک و راندن داس

کلامے وُبہ پر سنگ ریزہ　　　بشورش ماندہ در دستِ ستیزہ

کلامے بانگ ارّہ و چوب　　　نصیبِ گوشہا بانگِ لکد کوب

کلامے بانگِ حلقِ پیل بسمل　　　فغانِ اشتر داماندہ در گِل

غنیمت نے پنجاب میں بیٹھے یہ جرأت کی تھی مگر سننے والے کی طرف یہ منسوب کیا تھا ؎

شنیدے وز خوشامدہا زبانی　　　ہمیں گفتے زہے گوہر فشانی

وزیر صاحب حربیہ محمد نادر خان اسوقت تنغن و بدخشان کی طرف رئیسِ تنظیمیہ تھے، جب واپس آئے تو کہنے لگے کہ پستول صرف تم پر نہیں بلکہ مجھ پر بھی اٹھایا گیا تھا۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ آئندہ کسی کو آزاد گفتگو کی مجال نہ رہی۔ اور اسمیں افغانستان کے انقلاب کا ایک راز پوشیدہ ہے۔ میں نے باوجود پستول کے اخطار کے پشتو کی حمایت نہ چھوڑی۔ اگرچہ امان اللہ خان کی طرف سے بہت بے پروائی ظاہر ہوتی رہی جو ایک مجلس میں بعد ازاں انکی زبان سے ثابت ہو گئی۔ فرمانے لگے کہ میں لاطینی قسم کے حروف سے تعلیم چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس میں سہولت ہے۔ اگر پشتو میں ایسا طریقہ داخل کر لیا جائے۔ تو خوب، ورنہ مجھے اس زبان کی ترویج کی ضرورت اور خواہش نہیں ہے۔ میں نے وزیر عبدالہادی خان کو پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ اب میں اختلاف رائے کر کے اپنی جان نہیں دے سکتا۔ آئندہ آپ جانیں۔ چنانچہ

اُنھوں نے امان اللہ خان کو بڑی درشتی سے جواب دیا کہ ہم پشتو کو ملّی زبان ہونے کی منزلت سے لازماً رواج دیکر رہیں گے، خواہ اسکے سیکھنے میں آسانی ہو یا دشواری۔ اسکے بعد بادشاہ کی جانب سے کوئی توجہ نہ ہوئی۔ حتّٰی ظاہرداری ختم ہوکر یہ زمانہ آیا کہ وزیر محمدؐ گل خان نے سمت مشرقی کی تنظیمات سے مونقانہ فراغت حاصل کرکے کابل میں آتے ہی اپنی تقریر میں پشتو کی اشاعت وتعمیم کے بارے میں بڑے زور سے نصیحت وترغیب دی۔ اور امید واثق ہے کہ موجودہ بادشاہی اس اہم امر کی طرف راغب ہوکر پوری التفات سے مجاہدت کرے گی؛

پشتو میں اکثر کلمات کا مادہ ہندی سے مشتق ہے۔ اور بعض الفاظ تو بعینہٖ پنجابی کے مروج ہیں۔ کیونکہ پنجاب متصل ہے۔ اسکا مطالعہ ایک دلچسپ منظر پیش کرتا ہے مثلاً کورکش قندھار سے چل کر بنو کے قریب کورچے اور پنجاب میں گھرچ بنجاتا ہے یعنی گھر میں۔ مرچ کی ایک مکمل گردان ہوگئی ہے۔ اردو میں مِرچ، پنجاب میں مَرچ۔ کابل میں مُرچ۔ پشتو میں بعض جگہ مرْچ۔ دوسرے مواضع میں مْرَچ اور مْرُچ یعنی مِرچ، مَرچ، مُرچ۔ مِرْچ۔ مْرَچ۔ مْرُچ۔ پشتو میں انگریزی کی طرح ابتدا کا حرف ساکن ہوسکتا ہے، جیسے مْرچ میں ہے۔ کابل میں تاسو، قندھار میں تاسے، سرحد میں توسے اور پنجاب میں تُسی ہوجاتا ہے یعنی آپ۔ اردو اور پشتو میں اسم اور جمع کے اکثر قاعدے ایک ہی ہیں۔ مگر یگانہ مماثلت یہ ہے۔ کہ دونو زبانوں کی ماضی متعدی میں فعل مفعول کے تابع ہے نہ کہ فاعل کے جیسے اور زبانوں میں قاعدہ ہے مثلاً میں نے نعرہ مارا۔ میں نے نعرے مارے (مانعرہ وکڑہ۔ مانعرے وکڑے) اسمیں جمع کے قاعدے بھی یکساں ہیں؛

یہ طبیعی مجانست دو زبانوں کی جو افغانستان اور ہندوستان کی ملّی السنہ ہیں۔ دونو ملکوں میں دواد

اتحاد کا موجب ہونی چاہئیں اور اعلیحضرت محمدؐ نادر خان کی بادشاہی سے امید ہے کہ یہ زبانی رشتہ قائم ہو کر دلی استحکام حاصل کریگا۔ وہ اردو زبان میں پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ اور اُن کا دل بھی محبت اور اخلاص سے بھرا ہے۔ انکا مقدم کام افغانستان میں پشتو کی ترویج کا ہے۔ اور وہ بھی تدریج سے تاکہ فوری تبدل سے کوئی فساد برپا نہ ہو۔ بعد ازاں علمی و فنی اصطلاحات ضروری ہیں۔ جن کی اردو اور پشتو دونو کو ضرورت ہے۔ اور یہ دونو ملکوں کی مشترکہ مساعی سے بہتر اور سہل تر طریقے سے بہم پہنچ سکتی ہیں ؛

اعلیٰحضرت غازی ہندوستان کو بھی خوب پہچانتے ہیں اور افغانستان کو بھی جانتے ہیں اور اسکی روایات کے مطابق انکو سلطنت نصیب ہوئی ہے جس کی اُنہیں تمنا نہیں تھی ؎

سر حُما سر کوزی نہ منی د تاج ۔۔۔۔۔ بارے تاج دے حُما د سروتہ محتاج

(میرا سر تاج کی سرنگونی کو نہیں مانتا۔ بلکہ تاج میرے سر کا محتاج ہے)۔ یہ نادر سرو ملت نے اس سورج مکھی کے پودے کی جگہ لگایا جسکی بابت کہا گیا ہے ؎

دکا فر گل پہ شان کاژہ سوے ۔۔۔۔۔ چہ راسمیژے روز بہ نیمہ تیر دی نہ

(کافر گل یعنی سورج مکھی کی مانند ٹیڑھے ہو گئے ہو۔ جب تک کہ سیدھے ہو گے آدھا روز گذر جائیگا)۔ لوگ انتظار کرتے کرتے تھک گئے کہ امان اللہ خان اب سیدھے ہو کر عدل و داد کرینگے۔ مگر دس سال گذر گئے اور باوجود ظاہرہ رونق اور چمک دمک کے حال بد سے بد تر ہو گیا۔ آپ یہ دعویٰ کرتے رہے ؎

دعاشقی پہ کور کنبں لنڑ شہ دسترس لرمہ ۔۔۔۔۔ چہ جان پہ خپل جاناں قربان کڑم دغہ دس لرمہ

(عاشقی کے گھر میں تھوڑی سی دسترس رکھتا ہوں۔ یہ کہ جان اپنے جانان پر قربان کروں۔ یہ میرے بس میں ہے)

ملّت اسی گمان میں رہی اور توقع کرتی رہی ؎

پہ توروتوپک وشتلے شہ بیلے ۔۔۔ دنامردی احوال دِ مراسہ لہ سورچیلہ

(سیاہ بندوق سے مارے جاؤ بہتر ہے تمہاری نامردی کا حال مورچے سے نہ آئے)۔ ملّت آپ کی فداکاری سے یہ امید رکھتی تھی اور حضرت مورچے میں جانے کے بغیر باہر ہی سے بھاگ نکلے :

؎ عاشق نہ گرزی پہ ہیچ یو شان ۔۔۔ کہ یے کور بہ شی تاراج یا خانماں

کہ ثوک درکئی سلطنت داین وآن ۔۔۔ وا بہ نخلی محبوب دی ڈیر گران

نہ جا روزی جارہ تنہ دناداں دئی

(عاشق کسی حال میں بھی نہیں پھرتا۔ اگرچہ اُس کا گھر یا خاندان تاراج ہو جائے۔ اگر کوئی اُسے این و آن کی سلطنت دے تو نہ لے گا۔ کیونکہ محبوب بہت عزیز ہے۔ مُنہ نہ موڑے گا۔ کیونکہ یہ ناداں کا کام ہے) :

یہ ہیں ملّتِ افغان کے جذبات، سو جو بادشاہ ان پر قائم نہ رہا۔ اُسے کس طرح عزت وعقیدت کی نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں۔ جو پھر گیا، جس نے معشوق سے منہ موڑا یا وہ ہمیشہ کے لئے انکی نظروں میں ذلیل وخوار ہو گیا۔ امان اللہ خان کے دعاوئ عشق سب پوچ ثابت ہوئے۔ زبان یہ پکارتی ہے۔ کہ ہم اپنے خون سے سرزمینِ وطن کو رنگین کر دینگے۔ مگر دل یورپ کی رنگینیوں پر للچا رہا ہے ؎

ہمہ اندر زمن بتو انیست ۔۔۔ کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

افغان ایسے عشاق کے گرویدہ ہیں، جو لہو میں لتھڑ کر رہ جائیں ؎

آدم خان درخانئ مینہ رنگینہ دہ　　　　پہ گورستان کش سرہ گڈہ خاورہ دینہ دہ

کس مزے سے آدم خان اور درخانی کا قصہ گاتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی محبت رنگین تھی، یعنی دونو کا خون خاک کے ساتھ اکٹھا ملا، اور یوں مدفون ہوئے ✦

(۵)

مثنوی نادری

اشیا اپنے جمال یا کمال کا اثر انسان کے دل پر اتنا گہرا ڈالتی ہیں کہ بغیر کسی طمع و غرض کے بے اختیار تعریف و توصیف کے کلمے زبان سے نکل پڑتے ہیں۔ پھول، تیتری، نقش و نگار سے لے کر پہلوان، خطیب اور محرر تک کو یہ خراج تحسین دیا جاتا ہے۔ اعجاب، استعجاب دونو کو اسمیں دخل ہے۔ ایک چیز پسند آئے اور اسمیں حیرت بھی ہو۔ افغانستان میں انقلاب واقع ہوتا ہے۔ اور اس کی اطلاع یورپ میں پہنچتی ہے۔ امان اللہ خان خطرات سے بھاگ کر یورپ کا رُخ کرتے ہیں۔ اور محمد نادر خان انہی خطرات میں وارد ہونے کے لئے یورپ سے روانہ ہوتے ہیں۔ مگر کس حالت میں؟ مزمن مرض اور مفرط ضعف کی وجہ سے کندھوں پر اٹھا کر آپ کو جہاز پر سوار کرتے ہیں۔ عموماً کمزوری طبع دل کی امنگوں یا بلند ارادوں کو پست کر دیتی ہے۔ مگر یہ دلاور شخص نہایت نحیف ہونے کے باوجود اپنے عزم میں ثابت قدم اور مستقیم ہے۔ جب محیر العقل استقامت و شہامت سے شہر کابل فتح ہو جاتا ہے۔ تو محمد نادر خان کے سو سے زیادہ اقربا جن میں فرزند، لڑکیاں اور بیوی بھی داخل ہیں، بچہ سقا کے ساتھ قلعہ میں محصور ہیں۔ فاتح توپوں کو تھامنے پر مجبور رہیں۔ نادر خانی حکم صادر ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی جان اور خاندان کو قربان سمجھ کر ملت کو سقاوں کے پنجے سے چھڑانے کا اقدام کیا تھا۔ تاکہ ملک سے بدنامی کا دھبہ دھویا جائے۔ خواہ

ہمارے خون سے یہ داغ مٹے - جس خدا نے ہمیں بیکسی اور تنہائی سے اس جمعیت اور مظفریّت کے درجے کو پہنچایا، اسی پر توکل کر کے فی الفور گولہ باری جاری کی جائے - چنانچہ دن اور رات بھر آتش فشانی کا طوفان برپا رہتا ہے - قلعے کے ایک حصے کو آگ لگ جاتی ہے - چور بھاگ جاتے ہیں - اور نیا شاہی کنبہ بغیر ایک بال بیکا ہونے کے صحیح سلامت ہے - وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ - خدا تجھے لوگوں سے محفوظ رکھیگا - مَنْ كَانَ لِاَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ - جو اپنے بھائی کی فکر میں پڑیگا، خدا اُس کی خبر رکھیگا - اِن مظاہر نے میرے قلم سے اس مثنوی کا خطاب کروایا؎

اے مجسم خُلق و تصویرِ وقار ۔۔۔ اے سراپا لطف و مہر و انکسار
اے منجیٔ وطن از چنگِ دزد ۔۔۔ بود غیر شاہی ات دیگر چہ مزد؟
باشی از اُجرت اگرچہ نو قتر ۔۔۔ بر رضائے حق ز بس داری نظر
انتخابت ملت از اجماع کرد ۔۔۔ زانکہ نبود بہتر از تو راد فرد
اتفاقِ امت آمد باصواب ۔۔۔ از خطا خالی و حکمش مستجاب[۱]
خاطرِ ملت خطر برداشتی ۔۔۔ ہم بعرشش فکرِ خود بگذاشتی
تاجِ افغاں بود محتاجِ سرت ۔۔۔ التجا آورد دولت بر درت
ورنہ گاہے بر شہی قصدت نبود ۔۔۔ نے دلیلِ اختیارش در وجود

آں خدائے کز اراذل پس گرفت ۔۔۔ کرد بر اشراف اعطا بے شگفت

---

[۱] حدیث اور جمہوریت دونوں کے لحاظ سے ۔

اشجع و اشرف ز اخوان الصفا
قوم نتواں یافت دیگر مرد ها

امتیاز شان بعهد پیشتر
بود تفوقے از معاصر بیشتر

دیگراں بودند جز ایں حزب حلم
مرتشی و ظالم و اعدائے علم

ایں برادرهائے نادر در وطن
عندلیب و همسراں زاغ و زغن

باوجود ظلم و رشوت قرب شاه
باهمه اخلاص خدمت بعد جاه

باغباں با خار و خس پوشاک تن
بلبل و گل گشت بیرون چمن

راند اینها را چو شاه از خود بعید
حق همیں ها را بجائش برگزید

در جهاد اصغر و اکبر ثبات
عاقبت بخشید شان اوج حیات

چوں بیورپ اطلاع انقلاب
رفت در جان تو افتاد اضطراب

بود حالت زار از فرط مرض
با علاج خویش باسیے غرض

لیک استخلاص ملت از هلاک
شد مقدم بر شفائے نفس پاک

حاملاں بر داشتندت در جهاز
شد فدائے ضعف تو صد ترکتاز!

طاقت رفتن نبودت در سفر
پیش آمد کو چهائے بحر و بر

ایں چه همت بود با یاری بخت
یک قدم بر تخته دیگر به تخت!

درمیان ایں دو گام آمد قیام
بر دعائے من بیاد مسند ام

صحت و اقبال تو خواهم مزید
با ترقیات ملی مشید

بین دو فرزند بابر جنگ شد | بود اکبر پیش ازاں با عم خود[1]
چوں ہمایوں حملہ بر کابل نمود | از سر بالاحصار آورد دود
لیک پسرش را میان قلعہ دید | با برادر صلح در حقش گزید
از سرِ نو گشت جاری کارزار | قتل حرب کامراں شد صد ہزار
لشکرت چوں شہر کابل فتح کرد | از سرِ عسکر بر آمد آہ سرد
زانکہ خویشاوند تو خورد و کلاں | حبس در ارک اند نزد رہزناں
گلہ بر دشمن تواں بر دوست خورد | بس عزیزاں بیگناہ خواہند مرد
حکم دادی با وجودِ دود ماں | توپ ہا گرد و بارک آتش فشاں
فرق بین مغل و افغاں شد پدید | بہر ملت خانداں سازو شہید
سوخت چوں دروازہ و یک سمت آں | بر گریز آورد رُد وزد از نہاں
رست خلقت از تباہی مزید | صبح راحت از شب آفت دمید
خانماں رُخ از توکل بر نتافت | یک عزیزت ہیچ آسیبے نیافت
در حفاظت ماند کُل عائلہ | میر ماند حق چنیں از عائلہ
بر حنیفاں نار شد بردو سلام | تا بماند آیت رحمت مدام[2]
ترک عیش و جان واز ہر دو عزیز | چوں نمودی حاصلت شد ہر سہ چیز

---

[1] بابر کے دو بیٹوں ہمایوں اور کامران میں لڑائی ہوئی۔ کامران کابل کے بالاحصار میں اور ہمایوں کا بیٹا اکبر اسکے پاس تھا اسلئے لڑائی رک گئی اور صلح ہو کر پھر کشت و خون ہوا۔ [2] آتشِ نمرود کو حکم ہوا یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ۔ اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جا۔

بارِ ایثار و نثار است آبرو — لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا[1]

پیش نتواں کرد تاریخِ بشر — با چنیں اقدام قربانی ظفر

ہمچناں بے مثل باشد در سیر — با خفیفِ ضعف تو عزمِ سفر

تا رہانی گو سفندِ ملک را — دادہ چوپاں در دہانِ گرگ ہا

جنگلِ درندگان گشتہ وطن — ہر طرف سرہا جدا میشد ز تن

گشت ہر سو نہرہائے خوں رواں — آمو وہامو ہمہ شد سرخ ازاں

از نہنگاں تا پلنگانِ جبال — در فغان آمد ازیں جنگ و جدال

از بدخشاں تا فراہ و قندھار — وز ہزارہ جات و غزنی تا مزار

از جلال آباد ہم تا میمنہ — خوست ہر دو یک محال و قریہ نہ[2]

کاندراں برپا نبا شد کشت و خون — پیر و برنا مرد و زن گشتہ زبون

زاکتسابِ دستِ مَا ظَهَرَ الْفَسَاد — آمدی آخر پئے اصلاح و داد[3]

ضبط و ربط و حکمت و تدبیرِ تو — کرد رخنہ ہائے فتنہ را رفو

امن و عدل و راستی کردی بپا — سلطنت را بر ہمیں باید بنا

---

[1] خوبی کو کبھی حاصل نہیں کروگے جبتک وہ صرف نہ کرو۔ جسے پسند کرتے ہو۔

[2] افغانستان میں دو علاقے خوست کے نام کے ہیں ایک سمت جنوبی میں اور دوسرا بدخشاں کیطرف دونوں کیا ہر جگہ فتنہ و فساد برپا تھا۔

[3] ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے بحر و بر میں فساد ظاہر ہوگیا تاکہ بعض کاموں کا بدلہ پائیں ؛

"خشتِ اوّل گر نہد معمار کج | تا ثریا میرود دیوار کج"
بلکہ مے افتد چنانکہ اوفتاد | زودتر در عہدِ سابق از فساد
صدق و حقت داد ملک و اقتدار | پس ہمیں شاید ہمیشہ ات شعار
زیں امارت را عمارت پائیدار | گردد الوند و بلند و استوار
خدمت آوردی بجا چوں با صفا | لاجرم مخدوم گشتی بے ریا
قومِ افغاں طاعتت را فرضِ خود | مے شمارد بلکہ ہمچو قرضِ خود
در ادائے آں ہمہ سرگرم و شاد | از دل و جاں با وفا و اتحاد
از سجایا و مزایایت حسد | بر رعایایت برایا مے برد
کایں چنیں شاہے شجاعے باذلے | بے عدیلے عادلے و عاقلے
صابرے متوکلے و شاکرے | مصلحے متواضعے و نادرے
گر نصیبِ ملتے گردد رواست | ہر قدر بالد بر و فخرش بجا است
مے سزد گر ہندیاں ہم از جوار | بر وجودِ تو نمایند افتخار
مسقط الراسِ تو ملکِ ہند بود | جسم و جانت پرورش اینجا نمود
اعتدالِ طبع زیں آب و ہوا | یافتی زیں خاک و آتش کیمیا
[1] مسِ طلائی تو مسِ زر کند | بر مہاجرہا شدست ایں مستند

---

[1] سلطان محمد خان طلائی سردار پشاور کے حاکم تھے جو اعلیٰحضرت شاہ غازی نادرخان کے پڑدادا ہوتے ہیں انکا تعلق سکھوں کے ساتھ بھی رہا۔ انکے بیٹے سردار یحییٰ خان مع اپنے فرزند سردار یوسف خان کے ڈیرہ دون میں آئے جہاں سردار یوسف خان کے ہاں موجودہ بادشاہ اور انکے بھائی جو صدر اعظم اور وزیر ہیں متولد اور تربیت یافتہ ہوئے ؎

بهتر از تو مونس و غمخوارِ شاں — خدمت و اوصافِ شاں را قدرداں

در تمامِ ملتِ افغاں نبود — خاصةً اکنوں کہ شاہی باسعود

من بدیگر ہندیاں نازم بشاہ — زاشتراکِ مولد و تربیہ گاہ

ہمخیالی نیز با ہم داشتیم — حبِ حبِ یک دگر ہم کاشتیم

الفتِ ما بود مبنی بر صفا — خدمتِ ملت میاں یک مدعا

لیک با صدق و خلوص اعتقاد — بر اصولِ دین و راہِ اقتصاد

مقصد از قصد السبیل و مقتصد — اوسط خیر الامور آمد بجد

ایں چنیں اوصافِ او میشد عیاں — با صداقت در خلا بہ دوستاں

دوستدارم مینوشت اندر ورق — ہم ز من خوانده در انگریزی سبق

گفت زیں یک تیر شاگردی و صید — اختلاط و علم مے افتد بقید

حال ذکرِ ایں دوام مغتنم — از رہِ تحدیثِ نعمت میکنم

دوستی و استادی گشت گل — گلبن از گلشن بریده شد بگل

لیک سرسبز و شگفتہ مانده است — زانکہ یادِ باغ از جانش نہ رست

قامتِ اشجار در گلزار بیش — قیمتِ گلدستہ در بازار بیش

دور افتادم اگرچہ از چمن — نکہتِ آں میرود ہر سو ز من

مے سرایم لطف ہائے باغباں — کابیاری میکند ہر دم بجاں

باغ از اثباتِ او آراستہ | شاخ بر از نفیِ خود پیراستہ
تا درختان مجانس را بروں | بکند از پیوندِ ممنون و فزوں
اَیْنَمَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وَجْهَكُمْ | روئے من در یار گر باشم بخم

خدمتِ حق میکنم ہر جا بشہ
یَا عِبَادِیْ اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَه

(۶)

میری پچھتر چھوٹی بڑی کتابیں

یہ سب چار حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک تو اٹھارہ کتابیں امان اللہ خان کے لئے ان کے حضور میں تقدیم کیں۔ دوسری پانچ کتابیں دار التالیف کے لئے ترجمہ و تصنیف ہوئیں۔ تیسری تیرہ کتابیں چھپ کر مکتبوں کے نصاب میں داخل تھیں۔ چوتھی قسم وہ مسودات ہیں، جو میرے پاس موجود ہیں۔ ان چاروں کی فہرست ذیل میں مندرج ہے :۔

(۱)

افغانستان کے شہروں کی قدیم تاریخ کا ایسا خلاصہ جو خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ اور عام طور پر معلوم نہیں ہے۔ پھر اسے اپنے مشاہدے کے ساتھ مطابقت دی گئی ہے۔ کہ اب وہ مقامات کس حالت میں ہیں۔

(جہاں پشتو، اردو یا انگریزی نہیں لکھا گیا ہے، وہاں کتاب کا فارسی میں ہونا مراد ہے)

۱ ۔ غزنی

۲ ۔ بلخ

۳ ۔ بامیان

۴ ۔ قندھار (پشتو میں)

۵ ۔ جلال آباد

(کابل کی تاریخ قدیم کا بھی مسودہ موجود ہے۔ مگر وہ حضور شاہانہ میں پیش نہیں کیا گیا تھا)

یورپ کے ممالک ذیل کی تاریخ کا ایسا اختصار جس میں خاص اور لطیف سیاسی اور علمی واقعات و نکات اور ممتاز اشخاص کے چیدہ اور غیر معمولی حالات مندرج ہیں:۔

۶ ۔ اطالیہ

۷ ۔ فرانس

۸ ۔ جرمنی

۹ ۔ بلجیم

۱۰ ۔ انگلستان

۱۱ ۔ روس

---

۱۲ ۔ سلطنت ترکی کے منتخب واقعات اور سلاطین کے اچھے برے فوق العادہ حالات ۔

۱۳ ۔ وسط ایشیا میں روسی تجاوزات کے عجیب و غریب قصے ۔

۱۴
۱۵ ۔ گلستان و بوستان کے انتخابات روزمرہ استعمال و استفادے کے لئے۔

۱۶ ۔ کلام و شعار اولیائے کبار حسب اقتضائے زمانۂ حال ۔

۱۷ ۔ گلچینی از حکمت چینی ۔ اطلبوا العلم ولو کان بالصین کی تعمیل میں حکمائے چین کی ایسی باتیں

منتخب کی گئی ہیں، جو دو ہزار سال پرانی ہونیکے باوجود بالکل نئی ہیں ؛

۱۸ - مختصر صرف ونحو اردو جس میں پشتو کی مشترک مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ اور فارسی کے ساتھ بھی تطبیقات کی گئی ہے۔ اس سے تینوں زبانوں میں مدد مل سکتی ہے ؛

(یہ اٹھارہ کتابیں امان اللہ خان کو دی گئی تھیں۔ تاکہ افغانستان کے دورے اور یورپ کی سیاحت میں کام آئیں۔ اور دوسرے مواقع مناسب پر ان سے فائدہ اٹھایا جائے) ؛

(۲)

۱۹ - قبائل افغانی۔ ڈاکٹر بیلیوز کی کتاب کا ترجمہ اور اسکی غلط بیانیوں کی تردید ؛

۲۰ - تاریخ افغانستان۔ کرنیل میلیسن کی کتاب کا ترجمہ مع حواشی اختلاف ؛

۲۱ - تدبیر منزل (ترجمہ)۔ مکتب مستورات اور عورتوں کے لئے ؛

۲۲ - تاریخ تعلیم جاپان (ترجمہ)۔ وزارت معارف کے لئے ؛

۲۳ - نکاتِ نبات۔ اصول علم نباتات بحوالہ آیات ؛

(ان پانچوں کتابوں کے مسودے دار التالیف میں موجود تھے) ؛

(۳)

۲۴ - امان المدرسین۔ اس میں مدیروں، معلموں اور طالبعلموں کے لئے انتظامی علمی اور اخلاقی ہدایات ہیں۔ جو میرے تجربے اور عملدرآمد پر مبنی اور ممالکِ متمدنہ کے مشاہدات کے ساتھ موافق ہیں ؛

۲۵ - امان المامورین۔ اسمیں حکام، قضات اور سرکاری ملازموں کے لئے مفید اور ضروری

مشورے اور نصائح ہیں۔ جنمیں فتح حق ثابت کی گئی ہے۔ افغانستان کے لئے اشد لازمی کتاب ہے ؛

۲۶ - اشارات اخلاقیہ وہدایات مجازات۔ انتظام مکتب کے لئے ؛

۲۷ - مسائل یومیہ تعلیم و تربیہ۔ ترجمہ از پروفیسر ادشی۔ دار المعلمین کے لئے ؛

۲۸ امان النسوان چار جلدوں میں۔ مشہور مسلمان مستورات کی سوانح عمریاں اور جہاد خیر القرون

۲۹ سے لے کر بیگم بھوپال تک مع خاص غیر مسلم عورتوں کے حالات کے مکتب مستورات

۳۰ کی چار رشدیہ جماعتوں کے لئے۔ ہر شخص مرد و زن کے لئے ضروری مفید اور دلچسپ

۳۱ ہیں ؛

۳۲ - مختصر تاریخ اسلام جو مکاتب ذکور و اناث میں پڑھائی جاتی ہیں ؛

۳۳ - جغرافیہ افغانستان مفصل و مختصر۔ مکاتب کے درس میں داخل تھا (دو جلدیں ہیں) ؛

۳۴ - کلید تجوید۔ آسان طریقے میں قرائت کے قاعدے معلموں اور متعلموں کیلئے ؛

۳۵ - اغراض نماز۔ سہل اور عام طلاق مفہوم میں نماز کے مستند معنے۔

۳۶ - فلسفہ جذبات ترجمہ از کتاب علم النفس جسمیں میرے حواشی مختلف مندرج ہیں۔
(صرف یہ تیرہ کتابیں طبع ہوگئی تھیں۔ اگرچہ انمیں سے بھی بعض بیکار پڑی تھیں) ؛

(۴)

۳۷ ناول جہاد اصغر و اکبر۔ دو جلدوں میں۔ ایک تو رسالہ معرف معارف میں باقساط نکل

۳۸ چکی ہے۔ اور دونو دلچسپ اور افغانستان کی متنوع معلومات پر حاوی ہیں! افغانستان پہ

فارسی کی پہلی ضخیم ناول ہے ۔

۳۹ ۔ صرف و نحو و عروضِ عربی جو جدول کے استعمال سے بہت آسان کردی گئی ہے ۔ مثالیں اکثر قرآن مجید سے لی گئی ہیں (اردو میں) ۔

۴۰ ۔ پشتو کی صرف و نحو مع اشعار و محاورات و حکایاتِ افاغنہ ۔ اسمیں سب نواقص دور کئے گئے ہیں، جو پہلی پشتو گرامروں میں تھے ۔

۴۱ ۔ افغانی فارسی ۔ ایک ہزار کے قریب ہندی اور ترکی الفاظ مروجہ کابل مع مخصوص محاورات اشعار اور ضرب الامثال ۔ بڑا دلکش مطالعہ ہے ۔

۴۲ ۔ نسب افغانی (پشتو میں) ۔

۴۳ ۔ پنجابی دیہات کے اقتصادی حالات (انگریزی میں) ۔

۴۴ ۔ کرب و بلائے کربلا (اردو میں) ۔ اماموں کی شہادت کو آسان اور واضح طور پر پیچیدگیوں سے نکال کر لکھا ہے ۔

۴۵ ۔ آیات و احادیث متعلقہ غزا ۔ مکتب حربیہ اور فوج کے لئے لازم ہے تاکہ روزمرہ کی قواعد اور محاربے میں روحانی شوق سے مشغول ہوں ۔

۴۶ ۔ حروفِ مقطعہ میں الٓمٓ کی المناک تفسیر جو بندیخانہ میں رفقا کی تسلّی کے لئے اُس وقت لکھی گئی، جب امیر حبیب اللہ خان مقتول نے ہمارے قتل کا ارادہ کر لیا تھا ۔

۴۷ ۔ بعض آیات کے جدید نکات ۔ موجودہ مسلمانوں کی ترقی اور دلی طمانیت کے لئے بہت ممد ہیں ۔ (اردو میں)

۴۸ - ترجمہ آیاتِ اخلاقی و اوامر و نواہی جو مکتبِ حکام و مالیات میں درس دیا جاتا تھا - یہ آیات ہر مسلمان کو حفظ ہونی چاہئیں -

۴۹ حافظ، بیدل، صائب اور مثنوی وغیرہ کے جداگانہ اشعار جو حکمت اور منفعت کے

۵۰ اعتبار سے مکاتب کے فارسی نصاب اور عام مطالعے کے لئے نہایت مرغوب و

۵۱ مناسب ہیں -

۵۲

۵۳ - حکایات و مطائبات منظومہ - جدو ہزل کی آمیزش کے ساتھ عبرت و نصیحت دلپسند طرز سے پیش کی گئی ہے -

۵۴ - تاریخ افغانان جالندھر (انگریزی میں) آدھی کتاب عام افغانوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے -

۵۵ - اصلاحات علیگڈھ کالج و دورہ انجمن الغرض (انگریزی اور اردو میں) -

۵۶

۵۷ - ڈرامہ عدل و داد - ایک بطل بادشاہ کا قصہ ہے، جو جشنِ استقلال میں امان اللہ خان کے تھیٹر سے اٹھ جانے اور وزیروں کی خلل مزاج کا باعث ہوا تھا -

۵۸ - ڈرامہ مغل و پٹھان - سعد اللہ خان وزیر شاہجہان کی عجیب داستان ہے -

۵۹ - شیکسپیر کے تمام ڈراموں سے حکمت و لطائف کا اقتباس اور افغانستان کے واقعات کے ساتھ تاریخی تطبیقات - شیکسپیر کے تبیع محاورات کا مثنوی مولوی کے ایسے ہی اشعار کے ساتھ موازنہ (انگریزی میں) -

۶۰ - انگریزی ادباء سے التقاطِ نفائس نثر و نظم میں۔ (انگریزی میں)

۶۱ - اکبر کے متعلق ظریفانہ اور اورنگزیب کے متعلق صوفیانہ قصے (انگریزی میں)۔

۶۲ - افغانستان کی بارہ زبانیں اور ان کی دلچسپ داستانیں جسکا ایک باب رسالہ اردو دکن میں شائع ہوا تھا۔

۶۳ - تاریخ مختصر فتحِ شام جسمیں دکھایا گیا ہے۔ کہ فاتحین دنیا کے بہترین جرنیل تھے۔

۶۴ - امیہ، عباسیہ اور دیگر اسلامی سلطنتوں کی عبرت آور کہانیاں، جو ان کی بربادی کا باعث ہوئیں۔ (اردو میں)

۶۵ - انبیاء کے ضروری حالات ضعیف روایات سے خالی۔ (اردو میں)

۶۶، ۶۷ - خلفائے اربعہ اور باقی عشرہ مبشرہ کی سوانحعمریاں زمانۂ حال کے اقتضاء سے ایسے حالات پر مشتمل ہیں، جن کی پیروی آجکل مسلمانوں کے لئے لازم ہے۔ (اردو میں)

۶۸ - مجلس جان نثارانِ اسلام۔ افغانستان کی تاریخ میں اصلاحات کی پہلی مجلس اور اسکی قربانیاں جس کی وجہ سے ہم گیارہ برس قید میں رہے۔ (اردو میں)

۶۹ - بدھ اور اسلام۔ حکماء اور شعرائے اسلام کے کلام سے بدھ مت کی تائید اور بدھ کا بعض انبیاء کی طرح غلط مانا جانا۔

۷۰ - اشاعتِ اسلام کی شرائط و نصائح۔ (اردو میں)

۷۱ نادر اردو قاعدہ اور قواعد متعلم اور معلم کے لئے بالکل نئی اور نہایت آسان مؤثر صحیح طرزِ تعلیم۔

۷۲ اس سے اَن پڑھ آدمی چند مہینوں میں صحیح لکھنا پڑھنا سیکھ سکتا ہے۔

۷۳ ۔ سہل حصل ادویہ و اغذیہ کی تاثیریں مع قدیم و جدید طبی ہدایات جو بندیخانے میں اکثر آزمائی اور لکھی گئیں۔ روزمرہ کے حوالے کے لئے مفید ہیں۔ (اردو میں)

۷۴ ۔ میرا سفر روس اور وسط ایشیا میں جسمیں بالشویکی عجائب و بدائع اور مسلمانوں کے مصائب و فضائح درج ہیں۔ (انگریزی میں)

۷۵ ۔ افغانی انقلاب اور اُس کے نتائج و اسباب، جس میں بچہ سقّا کے رفقا کا حال، امان اللہ خان کا زوال اور نادر خانی عروج کے وجوہ بیان ہوئے ہیں۔ (انگریزی میں)